ندائے منبر و محراب

جلد ثالث

تالیف
محمد اسلم شیخوپوری

ناشر
مکتبہ حلیمیہ

ندائے منبر و محراب

جلد ثالث

تالیف

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

جس میں قدیم و جدید موضوعات پر پندرہ مدلل اور مفصل خطبات و مقالات شامل ہیں۔ خطباء اور لیکچررز کے۔ لئے بے مثال تحفہ۔ عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔ آیات و احادیث، مستند حکایات و واقعات، عالمانہ نکات و اشارات کا بیش بہا خزانہ

ناشر
مکتبہ حلیمیہ
سائٹ کراچی ۱۶

نام کتاب	ندائے منبر و محراب جلد ثالث
تالیف	مولانا محمد اسلم شیخوپوری
ناشر	مکتبہ حلیمیہ
کتابت	عیسیٰ سربازی
ضخامت	۴۸۴
اشاعت	ساتواں ایڈیشن
طباعت	قریشی آرٹ پریس

ملنے کے پتے

مکتبہ حلیمیہ متصل جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ۱۶

اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

مکتبہ مدینہ ۱۷ اردو بازار لاہور

مکتبہ عارفی کراچی

کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ۔ راجہ بازار راولپنڈی

دار الکتب نزد چورنگی ۱۲ اکوڑہ خٹک پشاور

اجمالی نظر

آئینہ

اِنتساب

۷۹ - ۱۹۷۸ء میں علوم دینیہ کی تحصیل سے میری رسمی فراغت ہوئی، دل میں جذبہ یہ تھا کہ مجھے اپنے گاؤں میں رہ کر بلا معاوضہ دین کا کام کرنا ہے وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ کا قرآنی حکم میرے سامنے تھا، گرم خون تھا، تازہ تازہ جذبات تھے۔ میں دل میں امنگوں، آرزوؤں اور جذبوں کا طوفان لیے گاؤں میں جا پہنچا۔ گاؤں کی مسجد ویران تھی، میں نے بڑے چاؤ سے اسے آباد کیا۔ اس مسجد کا مؤذن، امام، خطیب، خادم اور مدرس سب کچھ میں تھا۔ میں نے ایک سال تک سر توڑ محنت کی اور بحمد اللہ بیسیوں بچوں اور نوجوانوں کو قرآنی تعلیم اور نماز روزہ کی لائن پر لگا دیا۔ حالات اور خیالات کی تبدیلی کے واضح آثار نظر آنے لگے۔ اچانک گرد و پیش کے بعض پیشہ ور مولویوں کو میرے اندر "مرضِ وہابیت" کے آثار اور جراثیم دکھائی دیئے انہوں نے مل کر ایک ہنگامہ سا برپا کر دیا لوگوں کو بتایا سمجھایا بڑھکایا کہ یہ بڑا خطرناک اور متعدی مرض ہے تمہارے بچوں کو بھی لاحق ہو سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ مجھے مسجد سے نکلنا پڑا۔ میں نے بھاری قرض لیکر مدرسہ کے نام پر ایک عمارت خریدلی اور الگ سے کام شروع کر دیا مگر طوفانِ بدتمیزی میں دن بدن شدت پیدا ہوتی گئی۔ میرے کرم فرماؤں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ دلوں میں لاوا پکتا رہا اور جب وہ اُبلا تو گھمسان کا رن پڑا جس میں میرے والدِ محترم بھی زخمی ہو گئے۔ ان کا خون دیکھ کر میرا دل ٹوٹ گیا، میرے جذبات سرد ہو گئے، میری اُمنگوں پر اوس پڑ گئی، میرے عزائم میں ضعف آگیا، میری ہمت جواب دے گئی میں اتمام حجت تو کر ہی چکا تھا، روزِ قیامت کی مسئولیت کا کچھ سامان تو میں نے کر ہی لیا تھا، میرا علیم و بصیر رب گواہ ہے کہ میں نے کبھی گاؤں والوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور ان سے پائی پیسہ لینے کا روادار نہیں ہوا۔ میرا مقصد محض اس ظلمت کدہ میں اشاعتِ علم تھا لیکن غالباً وہ مجھے سمجھ نہیں سکے اور جب سمجھے تو بہت دیر ہو چکی تھی، میں نے شکستہ دلی سے اپنی بستی اور بستی والوں پر حسرت آمیز الوداعی نظر ڈالی، اس دن تیز بارش ہو رہی تھی آسمان سے بھی اور میری اور میرے والدین کی آنکھوں سے بھی ——— ہاں تو یہ کتاب میں دکھ دینے والے اپنے انہی کرمفرماؤں کی نذر کرتا ہوں ——— پتھروں کے جواب میں دعا، کانٹوں کے صلہ میں پھول ——— یہی میرے آقا کی سنت ہے۔

محمد اسلم شیخوپوری

فتح باب

لیجئے ہم اپنی طے کردہ منزل کے تیسرے سنگِ میل پر پہنچ گئے ہیں ہدف اگرچہ دور ہے، زادِ راہ قلیل ہے، مسافر نحیف و زار ہے، راستہ پُرخار ہے تاہم جس عظیم و برتر ذات کے اعتماد پر یہ کام شروع کیا تھا وہ ضعف و عجز سے ورا الوراء ہے۔ بے بسی اور لاچاری کے اندھیروں میں اس کا اعتماد ایسی کرنیں بکھیر دیتا ہے کہ ہر جانب چکا چوند ہو جاتی ہے۔ سوچتا ہوں اگر اس کی ذات کا سہارا نہ ہوتا تو کیا ہوتا نہ قلم ہوتا نہ کاغذ ہوتا نہ جملوں کی روانی ہوتی، نہ مضامین کی آمد ہوتی نہ الفاظ کی چشمک ہوتی نہ موضوعات کی صف بندی ہوتی نہ ندا ہوتی نہ منبر ہوتا نہ محراب ہوتی نہ شیخ کی شیخیاں ہوتیں نہ یہ کتابی خانہ پوری[1] ہوتی —— خواہ کچھ بھی ہوتا لیکن جو کچھ ہو رہا ہے کم از کم وہ کچھ تو نہ ہوتا۔

کیا پدّی اور کیا اس کا شوربہ، کہاں میں اور کہاں تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کا یہ بلند منصب! اس منصب کا استحقاق تو ان ہستیوں کو حاصل ہے جو علم کی پختگی اور عمل کے اجلا پن سے متّصف ہیں۔ یہ محض اس ربِّ کریم کا فضل و احسان ہے کہ ہم ایسے نکموں اور بے عملوں سے بھی کام لے رہا ہے۔

جس مالکِ حقیقی نے یہ تین جلدیں لکھنے کی توفیق دی ہے امید ہے وہ بقیہ سات جلدیں شائع کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرما دے گا۔

شیخوپوری

---

[1] پری (پوری)

مسبب الاسباب کی ذات کے بعد اکابر کے علوم و معارف اور اسلاف کی کتابیں میری کاوشوں کا مرکز و محور ہیں اب تلک از خود کچھ لکھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہو سکی، ان سطور کا ہر قاری جان لے کہ میں محض ناقل ہوں ـــــ اور نقل کی بھی کامل صلاحیت کہاں ہے؟ بحمد اللہ نہ کل اپنی استعداد کا غرہ تھا نہ آج اپنی صلاحیتوں پہ ناز ہے اور ظلوم وجہول انسان کے پاس وہ چیز ہی کیا ہے جس پر وہ ناز کرتا اور اتراتا پھرے ـــــ
یَآاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ الخ

میں نے آغازِ کار ہی میں آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میری کوشش ہو گی کہ خطبات کا یہ مجموعہ روایتی انداز سے ذرا ہٹ کر ہو اور اس میں قدیم و جدید کا حسین امتزاج ہو۔ چنانچہ میں نے مہینوں اور دنوں کی پابندی کے بغیر اس سلسلۂ خطبات کی ترتیب کا کام شروع کیا ہے۔ مجھے معراج اور شعبان کے فضائل سے انکار نہیں مگر مغز کو نظر انداز کر کے سارا زور چھلکے کی اہمیت بیان کرنے پر لگا دینے سے اختلاف ضرور ہے۔ وہ خطیب جو واقعۂ معراج کی جزئیات بیان کرنے پر سارا زورِ زباں خرچ کر دیتا ہے وہ اس عظیم الشان واقعہ کی حکمتوں اور اسباق کو کیوں فراموش کر دیتا ہے۔ پھر یہ پہلو بھی کس قدر عجیب اور حیرت خیز ہے کہ ساتویں آسمان پر پیش آنے والے واقعہ کی جزئیات پر تو ضعیف اور موضوع روایات کی روشنی میں تبصرہ کیا جائے لیکن اس زمین پر نظر آنے والے واقعات و حقائق کو نظر انداز کر دیا جائے اور کتاب و سنت کے واضح نصوص کی کسوٹی پہ انہیں پرکھنے کا انداز لوگوں کو نہ سکھایا جائے۔

⋇⋇⋇

میں نے اسلاف کے طے کردہ خطوط اور متعین کردہ حدود کے اندر

رہتے ہوئے خطابت کی اس عام روش کو بدلنے کی کوشش کی ہے یوں تو پہلی دو جلدوں میں بھی اس کوشش کے اثرات محسوس کیے جا سکتے تھے مگر جلد ثالث میں آپ کو یہ کوشش نمایاں تر نظر آئے گی۔ وہ مسائل جو عملی اور معاشرتی زندگی میں پیش آتے ہیں یا جن پر منبر و محراب سے کما حقہ بحث نہ ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر عوام کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے میں نے کتاب و سنّت اور حقائق و واقعات کی روشنی میں ان پر تفصیل سے بحث کی ہے۔
محنت کش اور اسلام، علم اور اسلام، رشوت، منشیات، مسٹر اور ملا کے مطالعے کے بعد آپ میری بات کی تصدیق کریں گے، اذان کے موضوع پر شاید آج تک آپ کی نظر سے کوئی خطبہ یا وعظ نہ گزرا ہو لیکن یہاں اذان کے حقائق کو ایک دلچسپ، پُر اثر اور وجد آفریں موضوع کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔

اس حقیر کی نجی اور عوامی مجلسوں میں چونکہ عظمتِ قرآن اور درس قرآن کی بات اکثر چلتی رہتی ہے اس لئے بعض دوستوں کے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ پہلی دو جلدوں میں خالص قرآن کے موضوع پر کوئی تقریر شامل نہیں ہے میرے ذہن پر بھی یہ بات کچھ ایسی غالب ہوئی کہ زیرِ نظر جلد میں کئی خطبات قرآن کے موضوع پر آگئے ہیں ان میں سے "بے مثال کتاب" اور "عظیم ترین مگر مظلوم ترین کتاب" تو خیر ہیں ہی قرآن حکیم کی عظمت و فضیلت کے موضوع پر، اگرچہ ان دونوں کا انداز اور مواد مختلف ہے۔ ان کے علاوہ "معجزات" کا اختتام بھی قرآن کریم کی عظمت اور معجزاتی شان کے بیان پر ہوتا ہے۔
اسی طرح "قرآن اور صاحبِ قرآن" میں اگرچہ اصل مقصد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنی سیرت کا بیان ہے لیکن حاصل اس کا بھی یہی نکلتا ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے کے لئے کلام اللہ کو سمجھنا ضروری ہے۔

ایک نیا سلسلہ اس مجموعہ میں جو شروع کیا گیا ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے عبرت انگیز اور نصیحت آموز واقعات اور قصص کا بیان ہے انشاء اللہ اس سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے گا۔

چوتھی جلد سے عبادات کا موضوع بھی شروع ہو جائے گا اور تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

مجھے اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا نہ شوق ہے نہ آرزو، بلکہ فطری طور پر اپنی تعریف سن کر وحشت سی ہونے لگتی ہے (اسی لیے میں نے اکابر کی تقریظات وغیرہ کا اہتمام نہیں کیا ہے) لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سلسلۂ خطبات کو جس مقبولیت سے نوازا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ دینی مدارس کے طلباء اور علماء نے خاص طور پر اسے محبت و عقیدت کی نظر سے دیکھا ہے لیکن یہی وہ طبقہ ہے جو ایک حد تک ہی قوتِ خرید کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اسی لیے میرے پاس بعض ایسے کرمفرماؤں کے خطوط آتے رہتے ہیں جو تمام تر اشتیاق کے باوجود کتاب خریدنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اس کتاب کے قارئین میں کچھ ایسے احباب نہیں ہیں جو چند نسخوں کی قیمت اپنی جیب سے ادا کر سکیں ہم ان کی جانب سے نادار شائقین کی خدمت میں کتاب پیش کر دیں گے جن کی دعائیں ان کے اس احسان کا بدلہ چکاتی رہیں گی ــــ ایسے احباب پہلی فرصت میں ہم سے رابطہ کریں ہم انہیں اپنے پروگرام اور عزائم سے تفصیلاً آگاہ کریں گے۔

* * *

جلد ثالث کی ترتیب کے ہر مرحلے میں مجھے عزیزم مولوی انور زیب صاحب کا عملی تعاون حاصل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت و توفیق کے بعد بظاہر ان کے بے لوث تعاون ہی کی وجہ سے میں جلد ثالث کو قدرے مختصر وقت میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو سکا۔ آں عزیز نے مستقبل میں بھی تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے اگر واقعی ایسا ہوا تو بفضلہ تعالیٰ بہت مختصر وقفے کے بعد مزید تین کتابیں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو سکوں گا یعنی "ندائے منبر و محراب جلد چہارم" "ہمارا بچپن" اور یادش بخیر "تسہیل الھدایہ" تسہیل الھدایہ کے کام کو بھاری پتھر سمجھ کر میں نے ایک طرف رکھ دیا تھا لیکن اب دوبارہ جذبات انگڑائیاں لے رہے ہیں آرزوئیں مچل رہی ہیں، قلم محوِ سفر ہوا چاہتا ہے لیکن میرا اصل سرمایہ تو آپ کی دعائیں ہیں۔ اپنے ایک ناقص کمزور اور عاجز بھائی کے لیے شب کے سناٹے میں دل کھول کر دعا کر دیجیے۔ اگر آپ کی دعائیں بابِ رحمت پر دستک دینے میں کامیاب ہوگئیں تو فتح باب ضرور ہوگا اور چند ماہ بعد "تسہیل الھدایہ" آپ کے ہاتھوں میں ہوگی انشاءاللہ

دعاؤں کا بے حد محتاج

محمد اسلم شیخوپوری

۴ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

قرآن اور صاحب قرآن

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمال بے نقاب

" قرآن میں ذات وصفات کی آیتیں آپؐ کے اعمال، تکوین کی آیتیں آپؐ کا استدلال اور تشریع کی آیتیں آپؐ کا حال ہیں، قصص و امثال کی آیتیں آپؐ کی عبرت، تذکیر کی آیتیں آپ کی موعظت اور خدمتِ خلق کی آیتیں آپؐ کا حسنِ معیشت ہیں، معاملات کی آیتیں آپؐ کا حسنِ معاشرت، توجہ للی اللہ کی آیتیں آپؐ کی خلوت اور تربیتِ خلق اللہ کی آیتیں آپؐ کی معلومات ہیں، قہر وغلبہ کی آیتیں آپؐ کا جلال ہیں اور مہر ورحمت کی آیتیں آپؐ کا جمال ہیں، تجلیاتِ حق کی آیتیں آپؐ کا مشاہدہ ہیں، ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپؐ کا مراقبہ، ترکِ دنیا کی آیتیں آپؐ کا مجاہدہ اور احوالِ محشر کی آیتیں آپؐ کا محاسبہ ہیں، نفی غیر کی آیتیں آپؐ کی فنائیت اور اثباتِ حق کی آیتیں آپؐ کی بقائیت ہیں اَنَا اور اَنْتَ کی آیتیں آپؐ کا شہود ہیں اور ھُوَ کی آیتیں آپؐ کی غیبت ہیں۔ نعیم جنت کی آیتیں آپؐ کا شوق ہیں اور جہنم کی آیتیں آپؐ کا ہم وغم ہیں، رحمت کی آیتیں آپؐ کا رجاء ہیں، عذاب کی آیتیں آپؐ کا خوف، انعام کی آیتیں آپؐ کا سکون وانس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپؐ کا حزن ہیں۔ حدود وجہاد کی آیتیں آپؐ کا بغض فی اللہ ہیں اور امن وترحم کی آیتیں آپؐ کا حُبّ فی اللہ ہیں، نزولِ وحی کی آیتیں آپؐ کا عروج ہیں اور تعلیم وتربیت کی آیتیں آپؐ کا نزول ہیں تنفیذِ اوامر کی آیتیں آپ کی خلافت ہیں اور خطابات کی آیتیں آپؐ کی عبادت ہیں۔

غرض کسی بھی نوع کی آیت ہو وہ آپؐ کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام کی تعبیر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی تفسیر ہے۔"

از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قرآن اور صاحبِ قرآن

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ۝ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝

قسم ہے ستارے کی جب وہ ڈوبنے لگے کہ تمہارا ساتھی نہ بھٹکا ہوا ہے نہ غلط راستے پر ہے اور نہ وہ اپنی خواہشاتِ نفسانی سے باتیں بناتا ہے اس کا تمام تر کلام تو وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۝ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَکَ

قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب وہ پھیل جائے آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے نہ آپ سے بیزار ہوا ہے۔ اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں

عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞	نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا اور پایا آپ کو بے خبر سو راستہ بتا دیا۔ اور پایا آپ کو نادار تو مالدار کر دیا۔ تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سوالی کو نہ جھڑکیے۔ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

گرامی قدر حاضرین! قرنِ اوّل سے لیکر آج تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے ہر لکھنے والا زورِ قلم صرف کرنے اور پوری محنت و تحقیق کے بعد اعتراف کرتا ہے کہ میں اس موضوع کا حق ادا نہیں کر سکا حالانکہ یہ کتابیں اپنی اپنی جگہ ریسرچ اور ادب کا شاہکار ہیں، آپ اہلِ قلم کے عشق و محبت کا اندازہ کیجئے کہ نثر اور نظم میں آپؐ کی سیرت کے موضوع پر ایسی کتابیں بھی بازار میں آچکی ہیں جن میں پوری کتاب میں ایک لفظ بھی منقوط نہیں ہے یعنی ساری کی ساری کتاب ایسے الفاظ اور کلموں پر مشتمل ہے جن میں سے کسی ایک لفظ پر بھی نقطہ نہیں۔ آپ کوشش کر کے دیکھ لیں ممکن ہے کہ ایک سطر لکھنا بھی محال ثابت ہو۔ لیکن سچی محبت بڑے بڑے میدان سر کرا دیتی ہے۔ ادیبوں کی کاوشیں اپنی جگہ، مصنفین کی تحقیقات اپنی جگہ مگر آپؐ کی سیرت کو سب سے زیادہ مستند انداز میں جس کتاب میں بیان کیا گیا ہے وہ قرآن حکیم ہے

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے الفاظ میں "قرآن کریم کی یہ ہزاروں آیتیں درحقیقت سیرتِ مقدسہ کے علمی اور تعارفی ابواب ہیں اور اُدھر سیرت کے یہ ہزاروں گوشے علمی پہلو ہیں۔ پس قرآن مجید میں جو چیز قال ہے وہی ذاتِ نبوی میں حال ہے اور جو قرآن کریم میں نقوش و دوال ہیں وہی ذاتِ اقدس میں سیرت و اعمال ہیں۔ اس لئے سیرت سے تو قرآن کی عملی صورتیں مشخص ہوتی ہیں،

اور قرآن سے سیرت کی علمی جہتیں کھلتی ہیں۔ اس قرآن حکیم کے مختلف مضامین سے اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن میں ذات و صفات کی آیتیں آپؐ کے اعمال، تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال اور تشریع کی آیتیں آپؐ کا حال ہیں، قصص و امثال کی آیتیں آپؐ کی عبر، تذکیر کی آیتیں آپؐ کی موعظت، خدمتِ خلق کی آیتیں آپؐ کی عبرت، حق کی کبریائی کی آیتیں آپ کی نیابت، اور اخلاق کی آیتیں آپؐ کا حسنِ معیشت ہیں، معاملات کی آیتیں آپؐ کا حسنِ معاشرت، توجہ الی اللہ کی آیتیں آپؐ کی خلوت اور تربیتِ خلق اللہ کی آیتیں آپؐ کی معلومات ہیں، قہر و غلبہ کی آیتیں آپؐ کا جلال ہیں اور مہر و رحمت کی آیتیں آپ کا جمال ہیں، تجلّیاتِ حق کی آیتیں آپؐ کا مشاہدہ ہیں، ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپؐ کا مراقبہ، ترکِ دنیا کی آیتیں آپؐ کا مجاہدہ اور احوالِ محشر کی آیتیں آپؐ کا محاسبہ ہیں، نفیِ غیر کی آیتیں آپؐ کی فنائیت ہیں اور اثباتِ حق کی آیتیں آپ کی بقائیت ہیں، اَنَا اور اَنْتَ کی آیتیں آپؐ کا شہود ہیں، اور ھُوَ کی آیتیں آپؐ کی غیبت ہیں۔ نعیم جنّت کی آیتیں آپؐ کا شوق ہیں اور جہنم کی آیتیں آپ کا ہمّ و غم ہیں، رحمت کی آیتیں آپؐ کا رجاء ہیں، عذاب کی آیتیں آپؐ کا خوف، انعام کی آیتیں آپؐ کا سکون و انس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپؐ کا حزن، حدود و جہاد کی آیتیں آپؐ کا بغض فی اللہ ہیں اور امن و ترحم کی آیتیں آپؐ کا حُبّ فی اللہ ہیں، نزولِ وحی کی آیتیں آپؐ کا عروج ہیں اور تعلیم و تربیت کی آیتیں آپؐ کا نزول، تنفیذِ اوامر کی آیتیں آپؐ کا خلافت ہیں اور خطابت کی آیتیں آپؐ کی عبادت وغیرہ وغیرہ غرض کسی بھی نوع کی آیت ہو وہ آپ کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام کی تعبیر ہے اور آپؐ کی سیرت اس کی تفسیر، جس سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کے

اس زرّیں قول کی معنویت اور صداقت سمجھ میں آتی ہے" وَكَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن"

میں جب قرآن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے بارے میں پوچھتا ہوں تو مجھے قرآن آپ کا نام محمد بتاتا ہے "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ"[1] مجھے قرآن آپ کا نام احمد بتاتا ہے "اسْمُهُ أَحْمَدُ"[2] مجھے قرآن آپ کے صفاتی نام شَاهِدٌ، مُبَشِّرٌ، نَذِيرٌ، دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ اور سِرَاجٌ مُنِيرٌ بتاتا ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا[3]۔ مجھے قرآن آپ کا نام مُدَّثِّر اور مُزَّمِّل بتاتا ہے" يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ مجھے قرآن آپ کا نام رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِينَ بتاتا ہے، مجھے قرآن آپ کا نام خَاتَمُ النَّبِيِّينَ بتاتا ہے مجھے قرآن آپ کا نام نُور اور بُرهان بتاتا ہے۔

عبدہ یوں تو قرآن مجید نے میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مصطفیٰ بھی کہا ہے رسول بھی کہا، النبیؐ اور الرسول بھی کہا لیکن عجیب بات ہے کہ جہاں جہاں آپؐ کی عظمت و فضیلت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، جہاں آپؐ کے مقام اور مرتبہ کی بلندی بتانا مقصود تھی وہاں آپؐ کے "عبد" ہونے کو نمایاں کیا گیا مثلاً جب اللہ تعالےٰ نے منکرین کو چیلنج دیا تو وہاں رسول یا نبی کے بجائے آپؐ کی عبدیت ہی کو ذکر کیا گیا۔ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ[4]

اسی طرح جب واقعۂ معراج کا تذکرہ کیا گیا جو کہ انسانی تاریخ کا انتہائی

---

[1] الفتح، ع۴۔ [2] الصف ع۱۔ [3] الاحزاب ع۹۔ [4] البقرہ ع۳

بے مثال اور عظیم الشان واقعہ ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے نہ آپؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ذکر کیا، نہ شفیع المذنبین ہونے کا ذکر کیا، نہ ہی سید الاولین و الآخرین ہونے کا ذکر کیا، نہ ہی بشیر و نذیر اور سراج منیر ہونے کی صفت کا ذکر کیا بلکہ آپؐ کے عبد ہونے ہی کا ذکر فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (بنی اسرائیل ع ۱)

پھر جب سفرِ معراج میں آپؐ کے خصوصی تقرب کو بیان فرمایا تو اس میں بھی عبد ہی سے موسوم کیا فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی (النجم ع ۱)

آپؐ پر کتاب مقدس کے نزول کو ذکر فرمایا تو وصف عبدیت ہی کو ترجیح دی گئی۔ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکہف ع ۱)

نماز میں تشہد پڑھنے کا حکم دیا گیا تو اس میں بھی عَبْدُهٗ کا ذکر فرمایا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں تو آپ مصطفیٰ بھی تھے، مجتبیٰ بھی تھے، طاہر بھی تھے، مطہر بھی تھے، مُزَّکّی بھی تھے، مُزَکّٰی بھی تھے، بشیر بھی تھے، نذیر بھی تھے، طٰہٰ بھی تھے۔ یٰسین بھی تھے، سراجِ منیر بھی تھے۔ لیکن آپؐ کا سب سے بڑا کمال اور آپؐ کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ آپؐ " عبدہ " تھے مالک حقیقی کا بندہ ہونا اور اس کی بندگی میں فنا ہونا انسان کی عظمت کا نمایاں سبب ہے اور پھر جسے خود اللہ کہہ دے کہ یہ میرا بندہ ہے اس کی عظمت و فضیلت کی کوئی انتہا نہیں۔

یا محمدؐ آپؐ کے نام کے سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ رب کریم نے یوں تو آپ کے نام محمدؐ کو قرآن حکیم میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے لیکن پورے قرآن میں ایک مرتبہ بھی آپ کو "یا محمدؐ" کہہ کر خطاب نہیں فرمایا حالانکہ دیگر انبیاء کو

یَاآدم کہہ کر، یٰنوحُ کہہ کر، یَااِبْرَاھِیْم کہہ کر، یَامُوسٰی کہہ کر، یٰعِیْسٰی کہہ کر، یٰزَکَرِیَّا کہہ کر، یٰیَحْیٰی کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ مگر میرے حضورؐ کو یَا مُحَمَّدْ کہہ کر خطاب نہیں کیا گیا حالانکہ مالکِ حقیقی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی بھی بندے کو کسی بھی انداز میں خطاب فرمائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا مگر کتنے تعجب کی بات ہے کہ آپؐ کے امتی اور آپؐ کے عشق کے دعویدار چیخ چیخ کر آپؐ کو یا محمدؐ کہہ کر پکارتے ہیں۔

نسب میں جب قرآن سے آپؐ کے نسب کے بارے میں سوال کرتا ہوں تو قرآن مجھے سب سے پہلی بات تو یہ بتاتا ہے کہ آپؐ یتیم تھے " اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی " جو یتیم ہو جاتا ہے وہ عام طور پر تربیت سے محروم ہونے کے سبب بگڑ جاتا ہے لیکن فَاٰوٰی کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگرچہ آپؐ یتیم تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے آپؐ کی تربیت و پرورش کے دوسرے انتظامات کر دیئے تھے، بلکہ حقیقت تو کچھ یوں نظر آتی ہے کہ ظاہری سہاروں سے آپؐ کو عمدًا محروم رکھا گیا، والد کے سہارے سے محروم کر دیا گیا، والدہ کا سایہ اٹھا لیا گیا، دادا کی شفقت بھی کچھ زیادہ عرصہ آپؐ کو حاصل نہ رہی علماء کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ عام طور پر لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اولاد کے کمالات کو والدین اور بزرگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، تلامذہ کے کمالات کو اساتذہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر ربِ کریم کو یہ گوارا نہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی، اخلاقی کمالات کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے، بلکہ دنیا والے تسلیم کر لیں کہ یتیم مکہ کی تربیت نہ تو والد نے کی نہ والدہ نے کی، نہ دادا نے کی بلکہ آپؐ کی ذہنی اور فکری تربیت براہِ راست ربُّ العالمین نے کی آپؐ نے کسی استاد سے علوم نہیں سیکھے،

بلکہ آپؐ کے سینے کو خود علامُ الغیوب نے علوم سے منور کیا، آپؐ کے نسب کے سلسلے میں قرآن دوسری بات مجھے یہ بتاتا ہے کہ آپ کا نسبی تعلق حضرت ابراہیمؑ سے تھا اور آپؐ کی بعثت کی دعائیں حضرت ابراھیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت کی تھیں۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

(البقرہ ۔ ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار ہماری اولاد میں سے ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیری فرمانبردار ہو اور ہماری امت کے اندر انہیں میں سے ایک پیغمبر بھی پیدا کر دے جو ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا رہے اور ان کو پاک کر دے۔

آپ کی بعثت کی دعائیں تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی تھیں اور آپؐ کی آمد کی بشارت حضرت عیسٰی علیہ السلام نے چھ سو سال پہلے سنادی تھی۔

اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

(الصف، ع ۱)

یا د کرو جب عیسٰی بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں، تصدیق کرنے والا تورات کی جو مجھ سے پیشتر ہے اور بشارت سُنانے والا ہوں اس کی جو میرے بعد آنیوالا ہے اس کا نام احمد ہوگا۔

بلکہ حضرت موسیٰؑ کی تورات میں بھی آپؐ کا تذکرہ تھا

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ جو لوگ اس امّی نبی و رسول کی پیروی کرتے

الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا	ہیں جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ	ہیں تورات اور انجیل میں

(الاعراف ع ۹)

وطن میں قرآن سے آپؐ کے وطن کے بارے میں پوچھتا ہوں تو قرآن بتاتا ہے کہ آپؐ کا وطن وہ ہے جہاں آپؐ کے جدِّ امجد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا تھا وہ جگہ اس وقت بے آباد تھی، پھر وہ پوری دنیا کی آبادی کا ذریعہ بن گئی، وہ جگہ اس وقت بے نور تھی لیکن پوری دنیا میں نور پھیلانے کا سبب بن گئی۔
وہاں اس وقت زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا، لیکن پھر سارے عالم کو زندگی کا سامان وہیں سے ملا

ہدایت ملی تو وہیں سے ملی،

نور ملا تو وہیں سے ملا،

محبت ملی تو وہیں سے ملی،

انسانیت ملی تو وہیں سے ملی،

کلام اللہ ملا تو وہیں سے ملا،

سبیل اللہ ملا تو وہیں سے ملا؛

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اس بے آب وگیاہ جنگل میں بیوی بچے کو چھوڑتے ہوئے بڑے الحاح اور آہ وزاری کے ساتھ دعا کی تھی

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ	اے ہمارے پروردگار میں نے بسایا ہے اپنی
ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ	اولاد کو ایک بے فصل وادی میں تیرے محترم گھر
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا	کے قریب اے ہمارے پروردگار یہ اس لئے

لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ	کہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کے
اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىْٓ	دل ان کی طرف پھیر دے اور ان کو پھلوں
اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ	کا رزق دے تاکہ وہ لوگ شکرگزار
لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ	ہوں۔

غرض یہ کہ قرآن مجھے میرے حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف ابواب سُناتا ہے، آپؐ کے فضائل و خصائص بتاتا ہے، آپؐ کے جان نثاروں کا پتہ دیتا ہے آپؐ کے دشمنوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ آپؐ کے معجزات بیان کرتا ہے آپؐ کی خانگی اور ازدواجی زندگی کے مدو جزر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے یونہی نہیں کہہ دیا تھا کان خُلقه القرآن بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن نے میرے آقا کی حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے کو بیان کیا ہے۔
حد تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپؐ کو تنبیہ ہوئی تو قرآن نے اسے بھی ذکر کر دیا ہے، اور یہ قرآن کی حقانیت اور میرے آقا کی صداقت کی دلیل ہے اگر معاذ اللہ قرآن خود ساختہ کلام ہوتا تو اس میں وہ آیتیں نہ ہوتیں جن میں آپؐ کو تنبیہ کی گئی ہے۔

تنبیہات آپؐ نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا تو تنبیہ ہوئی

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى	نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے
حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ	قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ زمین میں
تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ	اچھی طرح خونریزی نہ کرلے، تم لوگ دنیا
وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ	کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○	(تمہارے) لئے آخرت چاہتا ہے اور
الانفال ع ۵	اللہ زبردست قوت و حکمت والا ہے۔

آپؐ نے عبداللہ بن اُبی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھ لی تو فرمایا گیا :

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ (التوبہ ع ۱۶)

آپؐ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں ، اگر آپؐ ان کے لئے ستّر بار بھی استغفار کریں جب بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔

آپؐ نے عبداللہ بن امّ مکتومؓ سے مصلحت کی خاطر تھوڑا سا اعراض کیا تو یہ آیات نازل ہوگئیں :

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۙ اَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۭ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۭ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ جَاۗءَكَ يَسْعٰى ۙ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ

(عبس : ع ۱)

چین بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا، اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا آیا، آپ کو کیا خبر شاید کہ وہ سنور ہی جاتا یا نصیحت قبول کر لیتا اور نصیحت کرنا اس کو فائدہ پہنچاتا۔ جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپؐ اس کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے، اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے، تو آپؐ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔

محاربات | قرآن آپؐ کے غزوات اور محاربات کا حال بھی بیان کرتا ہے آپؐ بدر میں جاتے ہیں تو قرآن واضح کرتا ہے :

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال : ع ۲)

(ان دشمنوں کو) آپ لوگوں نے نہیں مارا بلکہ اللہ نے مارا، آپؐ نے پتھر نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

آپؐ اُحد تشریف لے جاتے ہیں تو قرآن یوں منظر کشی کرتا ہے :

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (آل عمران : ع ۱۳)	وہ وقت یاد کیجئے جب ایک صبح آپؐ اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مناسب مقام کی طرف لے جاتے ہوئے اور اللہ بہت سننے اور جاننے والا ہے

غزوۂ احزاب پیش ہوا تو قرآن نے اللہ کی غیبی مدد کا یوں ذکر کیا :

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ (التوبہ : ع ۲)	اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب کئی کئی لشکر تمہارے اوپر آئے تھے پھر ہم نے ان پر آندھی اور ایسے لشکر بھیج دیئے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا تھا۔

آپؐ نے بیعتِ رضوان کی تو قرآن نے اس کا حال اپنے مقدس اوراق میں محفوظ کرلیا

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا	اللہ راضی ہوگیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور انہیں قریب ہی زمانے میں فتح عنایت کی۔

آپؐ حدیبیہ سے واپس پلٹتے ہیں تو آپؐ کو فتح مکہ کی بشارت سنائی جاتی ہے
اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا

قرآن نے غزوۂ حنین کے متعلق فرمایا :

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ	اور اللہ نے یقیناً بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی

اخلاق قرآن نے صرف آپؐ اور آپؐ کے نسب، خاندان، وطن اور محاربات ہی کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ قرآن ہمیں آپ کے خصائل وشمائل اور عادت و مزاج کے بارے میں بھی بتاتا ہے، فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران ع ۱۷)

اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپؐ ان لوگوں کے حق میں نرم ہیں اگر آپؐ تند خو، سخت مزاج ہوتے تو یہ سب آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپؐ انہیں معاف کر دیجیے اور ان کے لئے استغفار کیجئے۔

قرآن آپ کے اخلاق کے بارے میں بتاتا ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم: ع ۱)

اے پیغمبر آپؐ اخلاق کے عظیم پیمانے پر ہیں۔

قرآن بتلاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کی تباہ حالی اور ضلالت و گمراہی پر اس قدر غم تھا کہ معلوم ہوتا تھا ان کے ایمان نہ لانے پر شدتِ غم کی وجہ سے آپؐ جان ہی دیدیں گے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء: ع ۱)

شاید کہ آپؐ ان کے ایمان نہ لانے پر جان دیدیں گے۔

آداب قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب بھی بتاتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (حجرات: ع ۱)

اے ایمان والو اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو نہ اس طرح کھل کر جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

فرمایا میرے نبی کو پکارنا ہو تو ادب سے پکارو، بے ادبی کا طریقہ اختیار نہ کرو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (الحجرات : ۱ع)	بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

یہ بھی بتا دیا کہ ایسا کوئی لفظ استعمال نہ کرو جس سے میرے نبی کی بے ادبی کا کوئی پہلو نکلتا ہو

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (البقرہ ع)	اے ایمان والو رَاعِنَا مت کہو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو

اگرچہ رَاعِنَا کا ایک مفہوم اچھا بھی ہے مگر چونکہ اس میں بے ادبی کا بھی ایک پہلو تھا اس لئے اس لفظ کے بولنے سے ہی منع فرما دیا۔

دشمنوں کو جوابات | قرآن مجید میں ایسی متعدد آیات ہیں جن میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو جوابات دیئے گئے ہیں اور ان کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے۔

عبداللہ بن اُبی نے جب غزوۂ مریسیع سے واپسی پر اپنے غیظ و غضب کے اظہار کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پیچھے بعض صحابہؓ کے سامنے یہ کہا کہ مدینہ واپسی پر عزت والا (ابن ابی) ذلیل (معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد تھے) کو نکال دے گا، تو ربِّ کریم نے فرمایا :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (المنافقون ۱ع)	عزت تو بس اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کی ہے البتہ منافقین اس کو نہیں جانتے۔

آپ سے یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور اس پر عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے ازلی بدبختوں نے خوب بغلیں بجائی تھیں اور آپؐ کو ابتر یعنی بے نسل ہونے کا طعنہ دیا تھا یعنی نہ آپؐ کی نسل آگے چلے گی نہ آپؐ کا دین باقی رہے گا رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

ہم نے تجھ کو دی کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔ بیشک جو بیری ہے تیرا وہی رہا پیچھا کٹا

اس سورۃ میں بتا دیا گیا کہ آپ کے نام کو کوئی نہیں مٹا سکے گا آپؐ کی روحانی اولاد دنیا کے ہر گوشے میں آباد ہوگی، آپؐ کا نام ہر شہر اور ہر بستی میں بسایا جائے گا مگر آپؐ کے دشمنوں کا نام ونشان مٹ جائے گا کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ ان کی طرف اپنی نسلی اور نسبی تعلق کا اظہار بھی کر سکے۔

اسی طرح جب بدبخت ابولہب نے کوہِ صفا کے دامن میں کھڑے ہو کر نفرت وحقارت کا اظہار کرتے ہوئے کہا
(تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اس لئے بلایا تھا) تو اس موقع پر آپؐ خاموش رہے مگر ربِ محمد نے انتہائی جلالی انداز میں ابولہب کو ڈانٹ پلائی۔ فرمایا:

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا، اس کے مال نے اور جو کچھ اس نے کمایا اس کو کچھ نفع نہ دیا عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑے گا اور اس کی بیوی بھی

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِیْ جِیْدِهَا لکڑیاں لادکر لانے والی اس کی گردن
حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ہ میں ایک رسّی ہوگی خوب بٹی ہوئی

جلالی انداز حقیقت میں ربِ محمدؐ اپنے برگزیدہ نبی کے دفاع میں بڑا حسّاس ہے بعض اوقات تو دشمنانِ رسول کے ساتھ ایسا جلالی انداز اختیار فرمایا ہے کہ تعجب ہوتا ہے کہ وہ رحمٰن ورحیم آقا جو اپنے غضب پر اپنی رحمت کو غالب رکھتا ہے اس کا کلام میرے حضورؐ کے دشمنوں اور گستاخوں کے بارے میں آتش بیں ہوجاتا ہے۔

ولید بن مغیرہ نے جب میرے حضورؐ کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیا تو میرے جبّار و قہّار ربّ نے نو سنگین دفعات اس پر قائم فرمائے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ آپ ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت
مَّهِيْنٍ ۙ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے،
بِنَمِيْمٍ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ طعنہ باز ہے، چلتا پھرتا چغل خور ہے،
مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ عُتُلٍّ نیک کام سے روکنے والا ہے، حد سے
بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ گزرنے والا ہے، سخت گنہگار، سخت خُو۔
اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ اس کے علاوہ بدنسب بھی ہے باوجود اس
بَنِيْنَ ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ کے کہ وہ مال والا اولاد والا ہے جب
اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ہ ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی
سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ہ جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ پہلوں کی خرافات ہیں
(القلم ۱۴) ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگادیں گے۔

اور تو اور جب میرے حضورؐ کی حرم کے کردار پر انگشت نمائی کی گئی تو ان کی برأت اور کردار کی تطہیر کے لئے سترہ آیات نازل فرمادیں۔

نعتِ رسول اور ایسی آیات سے تو کلام اللہ بھرا پڑا ہے جن میں میرے حضورؐ کی شان اور نعت بیان کی گئی ہے جن آیات میں آپؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ آپؐ کی نعت ہیں۔

جن آیات میں آپؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے وہ آپؐ کی نعت ہیں۔

جن آیات میں آپؐ کی رسالتِ عام کا ذکر ہے ان میں آپؐ کی نعت ہے۔

جن آیات میں آپؐ کو نور اور بُرہان قرار دیا ہے وہ آپؐ کی نعت ہیں۔

جن آیات میں آپؐ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا گیا ہے وہ آپؐ کی نعت ہیں

جن آیات میں آپؐ پر درود پڑھنے کا حکم ہے وہ آپؐ کی نعت ہیں۔

سورۂ یٰسین میں آپؐ کی نعت ہے، سورۂ فتح میں آپؐ کی نعت ہے، سورۂ حجرات میں آپؐ کی نعت ہے، سورۂ نون میں آپؐ کی نعت ہے، سورۂ مزمل میں آپؐ کی نعت ہے، سورۂ ضحیٰ میں آپؐ کی نعت ہے، سورۂ الانشراح میں آپؐ کی نعت ہے، سورۂ کوثر میں آپؐ کی نعت ہے۔

حضرات! وقت نہیں ہے ورنہ میں آپ کو بتاتا کہ ان آیات اور ان سورتوں میں کس طرح میرے حضورؐ کی شان اور نعت بیان کی گئی ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن، صاحبِ قرآن کے ذکرِ خیر سے بھرا پڑا ہے۔ اگر قرآن کو سمجھنا ہے تو صاحبِ قرآن کو سمجھیے اور اگر صاحبِ قرآن کو سمجھنا ہے تو قرآن سمجھیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں کو سمجھنے کی اور اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

معجزات

حرم کو بندۂ لات و منات کیا جانے
ثبات چیز ہے کیا بے ثبات کیا جانے
جلال نخچۂ محمود واشگاف سہی
کمالِ ضربِ الٰہ سومنات کیا جانے
قمارخانۂ عقل و خرد کی ذرّیت
ادائے صوم نوائے صلوٰت کیا جانے
وہ دل جو نورِ یقیں سے خالی ہے
قبحِ سحر، حُسنِ معجزات کیا جانے

لہ بتغیر

" انسان کا مشاہدہ کہتا ہے کہ آگ جلاتی ہے، سمندر بہتا ہے، درخت ساکن ہیں، پتھر چل نہیں سکتے، سورج میں نور ہے اور اس کے برعکس نہیں ہوسکتا۔ لیکن مسلمان کا ایمان کہتا ہے کہ اس کے برعکس ہوسکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ آگ ہو مگر جلائے نہیں، سمندر ہو مگر بہے نہیں، درخت ہو مگر جُھک جُھک کر تعظیم بجالا رہا ہو، پتھر ہو مگر تیزی سے دوڑ رہا ہو، سورج ہو مگر نور سے خالی ہو کیونکہ مسلمان ان مادی عن سے بالاتر ایک ہستی کو مانتا ہے اور وہ طاقتور ہستی نہ تو اسباب کی محتاج ہے، نہ اسباب میں مقید اور محدود ہے وہ ہستی ظاہری اسباب کے بغیر بھی سب کچھ کرسکتی ہے۔

اس طاقتور ہستی کا حکم ہر چیز پر چلتا ہے، زمین و آسمان پر اس کا حکم چلتا ہے، پہاڑوں اور صحراؤں پر اس کا حکم چلتا ہے، آگ پانی اور ہوا پر اس کا حکم چلتا ہے، فضاؤں میں اس کا حکم چلتا ہے، ——— انسانوں، جنوں اور فرشتوں پر اس کا حکم چلتا ہے، چرندوں پرندوں اور درندوں پر اس کا حکم چلتا ہے، وہ قادر و مختار ہستی اگر دریاؤں کو حکم دے تو وہ پایاب ہوجاتے ہیں، وہ پہاڑوں کو حکم دے تو ان سے چشمے اُبلنے لگتے ہیں، وہ درختوں کو حکم دے تو چلنے لگتے ہیں، وہ آگ کو حکم دے تو وہ بَرْدًا وَسَلَامًا بن جاتی ہے، وہ صحراؤں کو حکم دے تو ان کی وسعتیں سمٹنے لگتی ہیں، وہ ہوا کو حکم دے تو وہ آندھی اور طوفان بن جاتی ہے، وہ کنکریوں کو حکم دے تو وہ بولنے لگتی ہیں، وہ عصا کو حکم دے تو سانپ بن جاتا ہے ——— اور یہی تو معجزہ ہے۔"

معجزات

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ (البقرہ - ع)

اور جن کو علم نہیں کہتے ہیں خدا خود ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، اُن سے پہلے لوگوں نے بھی اس طرح کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں کھول کر رکھ دیں (اے محمد) ہم نے تجھ کو سچائی دیکر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور دوزخیوں کی بابت آپ سے پوچھ گچھ نہ ہو گی۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

اور وہ کہتے ہیں اس (پیغمبر) پر اس کے

اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ہ اَوَلَمْ یَکْفِہِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْہِمْ ہ (عنکبوت ع ۵)	پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں، کہدے نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔
مَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ مِنَ الْاٰیٰتِ مَا مِثْلُہٗ اٰمَنَ عَلَیْہِ الْبَشَرُ ۔ (بخاری و مسلم)	ہر نبی کو کچھ ایسی چیزیں دی گئیں جنہیں دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔

محترم سامعین! انبیاء علیہم السلام کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب بھی انہوں نے اپنے ہم جنسوں کو اللہ کا پیغام قبول کرنے کی دعوت دی تو ان سے انکی قوم نے معجزات دکھلانے کا مطالبہ کیا[1] معجزہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا واقعہ جو عام انسانوں کی طاقت میں نہ ہو یا کوئی ایسا کرشمہ جس کی توجیہہ انسان اپنی ناقص عقل سے نہ کر سکے۔

انسان وسائل و اسباب کے ایک سلسلے میں جکڑا ہوا ہے اس کی عقل اور اس کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ سبب ہوگا تو اس کا اثر اور نتیجہ بھی ظاہر ہوگا سبب نہیں ہوگا تو نتیجہ بھی ظاہر نہیں ہوگا۔ نر اور مادہ میں ملاپ ہوگا تو توالد اور تناسل ہوگا اور اگر ملاپ نہیں ہوگا تو توالد اور تناسل بھی ناممکن ہے لیکن معجزات کو تسلیم کرنے والے اور اللہ کی قدرت ماننے والے انسان کا ایمان یہ کہتا ہے

---

[1] قرآن مجید کی اصطلاح میں انہیں آیات اور براھین کہا گیا ہے مگر چونکہ معجزہ کا لفظ زیادہ مشہور ہے اس لئے ہم نے یہ لفظ استعمال کیا۔

کہ اگر اللہ چاہے تو نر اور مادہ کے ملاپ کے بغیر بھی توالد اور تناسل ہو سکتا ہے بلکہ اگر نر اور مادہ کا سرے سے وجود بھی نہ ہو تو بھی وہ تخلیق کا عمل کر سکتا ہے۔

انسان کا مشاہدہ یہ کہتا ہے کہ آگ جلاتی ہے، سمندر بہتا ہے، درخت ساکن ہیں، پتھر چل نہیں سکتے، سورج میں نور ہے اور اس کے برعکس نہیں ہو سکتا۔ لیکن مسلمان کا ایمان کہتا ہے کہ اس کا عکس ہو سکتا ہے عین ممکن ہے کہ آگ ہو مگر جلائے نہیں، سمندر ہو مگر بہے نہیں، درخت ہو مگر جھک جھک کر تعظیم بجا لا رہا ہو، پتھر ہو مگر تیزی سے دوڑ رہا ہو، سورج ہو مگر نور سے خالی ہو کیونکہ مسلمان ان مادی عناصر سے ایک بالاتر ہستی کو مانتا ہے اور وہ طاقتور ہستی نہ تو اسباب کی محتاج ہے نہ اسباب میں مقید اور محدود ہے وہ ہستی ظاہری اسباب کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتی ہے اس نے عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا، اس نے عیسیٰؑ کے ہاتھوں مُردوں کو زندہ اور مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیا اس نے صالحؑ کی اونٹنی کو پتھر سے پیدا کر دیا۔ اس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا میں خشکی کا راستہ بنا دیا، اس نے اصحابِ کہف کو تین سو نو سال سُلا کر اٹھا دیا، اس نے مچھلی کے پیٹ میں یونسؑ کو زندہ رکھا اس نے مریم علیہا السلام کو بغیر موسم کے پھل دیئے، اس نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھُنی ہوئی مچھلی کو دوبارہ زندہ کر دیا، اس نے عزیر علیہ السلام کی اونٹنی کو سو سال بعد زندہ کر دیا، اس نے یوسف علیہ السلام کی قمیص سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی کو بحال کر دیا۔

اس طاقتور ہستی کا حکم ہر چیز پر چلتا ہے، زمین و آسمان پر اس کا حکم چلتا ہے، پہاڑوں اور صحراؤں پر اس کا حکم چلتا ہے، آگ، پانی اور ہوا پر اس کا حکم چلتا ہے، فضاؤں میں اس کا حکم چلتا ہے، انسانوں، جنوں اور

فرشتوں پر اس کا حکم چلتا ہے، چرندوں، پرندوں اور درندوں پر اس کا حکم چلتا ہے وہ قادر ومختار ہستی اگر دریاؤں کو حکم دے تو وہ پایاب ہو جاتے ہیں، وہ پہاڑوں کو حکم دے تو ان سے چشمے اُبلنے لگتے ہیں، وہ درختوں کو حکم دے تو وہ چلنے لگتے ہیں، وہ آگ کو حکم دے تو وہ برداً وسلاماً بن جاتی ہے وہ صحراؤں کو حکم دے تو ان کی وسعتیں سمٹنے لگتی ہیں وہ ہوا کو حکم دے تو وہ آندھی اور طوفان بن جاتی ہے ؎

مولانا رومی نے خوب فرمایا ہے ؎

باد و خاک وآب وآتش بندہ اند | بامن وتو مردہ، باحق زندہ اند
آں سبب راں آں سبب عامل کند | بازگاہے بے پر دعاطل کند

معاندین کے مطالبات

اس قدرت والے اللہ نے معاندین کے مطالبات کے جواب میں بارہا انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں معجزات ظاہر فرمائے لیکن ان میں سے اکثر کو ایمان کی دولت نصیب نہ ہوئی حضرت صالح علیہ السلام کی اُمت نے حضرت صالح علیہ السلام سے ایک نشانی طلب کی انہوں نے کہا یہ اونٹنی تمہاری نشانی ہے جو ایک دن میں ان کے چشمہ یا کنویں کا تمام پانی پی جاتی تھی۔ اور دوسرے دن ان کے جانوروں کو پانی ملتا تھا، لیکن اس نشانی کو دیکھ کر کہ اونٹنی تمام چشمہ یا کنویں کا پانی پی جاتی ہے، انہیں تسکین نہیں ہوئی اور اس اونٹنی کو مار ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پاداش میں وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

سورۂ شعراء میں ہے۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ
اے صالح تم ہماری طرح آدمی ہو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ،

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (شعراء ع ۸)	صالحؑ نے کہا یہ اونٹنی ہے، اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لئے ایک ایک دن کا مقررہ پانی پینا ہے اور اس کے ساتھ کوئی بُرائی نہ کرو، ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آئے گا تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، پھر نادم ہوئے تو انہیں عذاب نے آن گھیرا۔ اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے۔ صالحؑ کی قوم کے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو متعدد معجزات دکھائے۔ مگر ہر ایک کے جواب میں انہیں یہی سننا پڑا کہ تم جادوگر ہو"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو دیکھ کر، مصر کے جادوگر سجدے میں گر گئے۔ اور حضرت موسیٰ کی پیغمبری پر ایمان لے آئے مگر فرعون یہی کہتا رہا۔

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (طٰہٰ ع ۳)	یہ موسیٰؑ تمہارا سب سے بڑا جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔

تورات میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ فرعون کو جب کوئی معجزہ دکھاتے تھے تو ہر معجزہ کے بعد فرعون کے دل کی سختی اپنی ویسی حالت میں ہی باقی رہتی جس طرح معجزہ دیکھنے سے قبل۔

چنانچہ تورات میں تقریباً ہر معجزہ کے بعد یہ مذکور ہے لیکن فرعون کا دل سخت رہا، اور اس نے ان کی نہ مانی،

انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے سب سے زیادہ معجزات دکھائے، لیکن خود

انجیل میں مذکور ہے تقریباً ہر معجزہ کے بعد حاضرین کی دو جماعتیں ہو جاتی تھیں ایک تو ان کی معتقد ہو جاتی تھی اور یقین کرتی تھی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے جبکہ دوسری کہتی تھی کہ یسوع کے ساتھ شیطان ہے۔

ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ نے ایک گونگے کو اچھا کیا، لوگ حیرت زدہ رہ گئے لیکن فریسی یہودیوں نے کہا کہ "یہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے"۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے معاندین کے جواب میں فرمایا "تم کہتے ہو کہ میں دیوؤں کو بعل زبول (ایک دیوتا کا نام ہے) کی مدد سے نکالتا ہوں" حضرت عیسیٰؑ نے متعدد دفعہ لوگوں سے کہا کہ "تم معجزات دیکھتے ہو لیکن ایمان نہیں لاتے"۔

کفارِ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزوں کے طالب ہوتے تھے، مگر جب معجزے دیکھتے تھے تو کاہن اور جادوگر کہنے لگتے تھے، عرب میں پیشن گوئی کاہن کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئیوں کو دیکھ کر معاندین نے آپؐ کو کاہن کہا، اس لئے قرآن مجید نے کہا "

فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ (طور ع ۲)	اے پیغمبر تو اپنے رب کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ (حاقۃ ع ۲)	اور یہ کسی کاہن کی بات نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور خوارق کو وہ دیکھتے تو ان کو جادو کا اثر سمجھتے تھے۔

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ (مدثر ع ۱)	پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور غرور کیا اور کہا یہ تو جادو ہے جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے۔

کفار ایک دوسرے کو منع کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ

جایا کرو. کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَأْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ (انبیاء ع ۱)	یہ محمدؐ تو تمہاری طرح آدمی ہیں کیا تم جادو کے پاس آتے ہو اور تم دیکھ رہے ہو۔
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (احقاف ع ۱)	منکرین حق کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔[1]

ایمان لانے والے

یہ عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السّلام سے معجزات دکھانے کے مطالبات کئے ان میں سے اکثر کو رسالت کی ابدی سچائیوں کو تسلیم کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

اور جنہوں نے ایمان قبول کیا ان میں سے اکثر ایسے تھے جنہوں نے کسی معجزہ اور نشانی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

بلکہ کچھ اور اسباب تھے جو ان کے ایمان لانے کا وسیلہ اور ذریعہ بن گئے ان میں حضرت ابوبکرؓ تو صرف دعوئ نبوت سُن کر ایمان لے آئے محض دعوے کی صداقت نے ان کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح یہ دیکھ کر اسلام لے آئے کہ ابوبکرؓ جیسا دانشمند اس صداقت سے متاثر ہے، حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں، مگر یہ کہہ کر کہ آپؐ جیسے اخلاقِ عالیہ کا متصف انسان جو غریبوں کا مولیٰ، مقروضوں کا ماویٰ اور مسافروں کا ملجا ہے، کبھی شیطان کے پنجہ میں

[1] سیرت النبی صفحہ ۲۶۰ ج ۳

گرفتار نہیں ہو سکتا، حضرت انیس غفاریؓ اور حضرت عمروؓ بن عنبسہ سلمی یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپ مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی، حضرت جبیرؓ بن مطعم، نجاشی شاہ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلامِ ربانی سُن کر حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ ازدی نے صرف کلمہ طیبہ سُننے کے ساتھ ہی نعرہ حق بلند کیا، حضرت عبداللہ بن سلامؓ چہرۂ انور دیکھتے ہی پکار اٹھے یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں، حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ رئیس بنی سعد اس طرح ایمان لائے کہ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربارِ نبویؐ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دلائی کہ آپؐ کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے؟ اور جب آپؐ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے،

اوس و خزرج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سُنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے، جب انہوں نے آپؐ کی تقریر سُنی تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں فتح مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اس لئے اسلام لانے پر مجبور ہوئے کہ خانۂ خلیل ایک جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جا سکتا ایک پورا قبیلہ صرف آپکی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھا، متعدد شعرائے عرب اور اصحابِ علم صرف قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکے، متعدد قریشی جانباز جو معرکہ بدر سے مرعوب نہیں ہوئے تھے، مسلمانوں کے آداب و اخلاق دیکھ کر اسلام لے آئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ کے ہزاروں آدمیوں کو مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے، ابو سفیان جس کو نہ تو معجزات اور خوارق عادت متاثر کر سکے، اور نہ بدر و خندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتۂ دامادی

اس کے سخت دل کو نرم کرسکا، وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کو اعتراف سے نہ روک سکے، کہ قیصر روم اپنے تخت جلال پر بیٹھ کر، مکہ کے بوریا نشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے، ثمامہؓ بن آثال، ہند زوجۂ ابوسفیانؓ، ہبار بن الاسود، وحشیؓ قاتل حمزہؓ، یہ دیکھ کر مسلمان ہوگئے، کہ آپؐ دشمنوں کے ساتھ بھی کس محبت سے پیش آئے، قیصر روم صرف آپؐ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سن کر اظہار حق پر مائل ہوگیا، حضرت عدیؓ بن حاتم قبیلہ طے کے عیسائی رئیس تھے، وہ آپؐ کو بادشاہ سمجھ کر مدینہ آئے مگر یہاں انہوں نے دیکھا کہ مکہ کی ایک لونڈی آتی ہے اور آپؐ اسکی حاجت روائی کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا دل اندر سے پکار اٹھا کہ آپؐ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں[1]

مستثنیات

ہاں چند ایک ایسے بھی تھے جنہوں نے مادی معجزات دیکھ کر ایمان قبول کیا لیکن یہ لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں ایک سفر میں ایک قبیلہ کی عورت آپؐ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہتے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جاکر کہتی ہے کہ آج میں نے عرب کے سب سے بڑے جادوگر کو دیکھا، اوراسی استعجاب نے پورے قبیلہ کو مسلمان کردیا۔

متعدد یہودی اس لئے مسلمان ہوگئے کہ گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں، وہ حرف بحرف آپؐ میں صحیح نظر آتی تھیں، متعدد یہودی علماء نے آکر آپؐ کا امتحان لیا، اور جب آپؐ نے از روئے وحی ان کے جوابات صحیح دیئے تو وہ آپؐ کی نبوت پر ایمان لائے،

---

[1] سیرت النبی ص ۱۳۵ ج ۳

ایک شخص نے کہا میں اسوقت آپؐ کو سچا رسول تسلیم کروں گا، جب خرمے کا خوشہ آپؐ کے پاس آکر آپؐ کی نبوت کی شہادت دے، اور جب یہ تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو مسلمان ہوگیا، ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا، آپؐ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا آپؐ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے، آپؐ نے فرمایا "سامنے کا یہ درخت" اور یہ کہہ کر آپؐ نے اس درخت کو بلایا، وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپؐ کے پاس آکر کھڑا ہوا اور تین بار اس کے اندر سے کلمۂ توحید کی آواز آئی، یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہوگیا، سراقہؓ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آرہے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ آپؐ کی دعا سے تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، تو انہیں یقین ہوگیا کہ اسلام کا ستارۂ اقبال عروج پر پہنچ کر رہے گا چنانچہ حفظ امان حاصل کیا اور بعد کو مسلمان ہوگئے۔

بے شمار معجزات

لیکن مادی معجزات کو دیکھ کر ایمان قبول کرنے والے بہت تھوڑے تھے حالانکہ آپؐ کے معجزات بھی کچھ تھوڑے نہیں تھے بلکہ بے شمار تھے معراج کا سفر آپؐ کا معجزہ تھا کہ رات کے بہت تھوڑے حصے میں آپؐ نے مسجد حرام سے مسجد اقصٰی اور وہاں سے آسمانوں تک سفر کیا جنت دوزخ کا مشاہدہ کیا اس کے علاوہ جمادات، نباتات اور حیوانات سے ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جو عام حالات میں ظاہر نہیں ہوسکتیں۔

مسجد نبویؐ میں باقاعدہ منبر تیار ہونے سے پہلے آپؐ کھجور کے خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب منبر تیار ہوا تو آپؐ نے اس پر

کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو حاضرین نے ستون سے بچّوں کی طرح رونے کی آواز سُنی۔ غزوہ خندق میں تمام صحابہ مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمن سے بچنے کے لئے خندق کھود رہے تھے، اتفاق سے ایک جگہ بہت سخت چٹان نکل آئی، لوگوں نے ہر چند اس کو توڑنا چاہا مگر وہ نہ ٹوٹی، کدالیں اس پر پڑ پڑ کر اچٹ جاتی تھیں، آخر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر صورتحال عرض کی۔ آپؐ خود اٹھ کر تشریف لائے، اور کدال ہاتھ میں لیکر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریت ہو کر چور چور ہو گئی۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکّہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا ہے اس سے " السلام یا رسول اللہ " کی آواز آتی ہے اور میں اس کو سُن رہا تھا۔

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا، جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ کعبہ میں تشریف لے گئے، دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی، اور زبان پر یہ آیتِ کریمہ جاری تھی جَاءَ الْحَقُّ ط وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (حق آیا اور باطل مٹ گیا باطل مٹنے کے لئے ہے) آپؐ چھڑی سے جس بُت کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ بے چھوئے دھم سے گر پڑتا تھا۔

ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورہ بقرہ و آلِ عمران پڑھی آپؐ نے اس کے ذمہ کتابتِ وحی کی خدمت کی چند دنوں کے بعد وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا اور عیسائی ہو گیا، اور مشہور کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی دکھائی، یعنی اس کو موت دے دی، اس کے دوستوں نے اس کو دفن کیا، تو صبح کے وقت لاش قبر سے باہر تھی، اس کے دوستوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ یہ محمدؐ اور ان کے اصحاب کا کام ہے، چونکہ

یہ ان سے علیحدہ ہوگیا، اس لئے قبر کھود کر اسکو باہر پھینک دیا، اس خیال سے ان لوگوں نے ایک خوب گہری قبر کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کے وقت پھر مُردہ قبر سے باہر تھا، اب ان کا خیال پختہ ہوگیا کہ یہ مسلمانوں ہی کی حرکت ہے۔ پھر جس قدر وہ گہری قبر کھود سکتے تھے کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح دیکھا تو وہی منظر پھر سامنے تھا۔ اب ان کو یقین ہوا کہ یہ آدمی کا کام نہیں، چنانچہ اس کو اسی طرح زمین پر چھوڑ دیا۔

ایک بار آپؐ سفر میں قضائے حاجت کے لئے نکلے، حضرت جابرؓ پانی لئے ہوئے تھے آپؐ نے میدان میں اِدھر اُدھر دیکھا کوئی چیز آڑ کرنے کو نہ ملی، میدان کے کنارے صرف دو درخت تھے آپؐ ایک درخت کے پاس گئے اس کی ڈالی پکڑ کر کہا خدا کے حکم سے میری اطاعت کر وہ فرمانبردار اونٹ کی طرح آپؐ کے ساتھ ہو لیا۔ پھر دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے وہ بھی اسی طرح آپؐ کے ساتھ چل پڑا پھر آپؐ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا کہ "خدا کے حکم سے باہم جُڑ جاؤ" دونوں باہم مل گئے جب ان کی آڑ میں فراغت کر چکے تو پھر دونوں درخت الگ الگ اپنی جگہ پر آگئے۔

حضرت ابوطلحہؓ کا ایک گھوڑا نہایت سُست رفتار تھا، ایک دفعہ مدینہ میں شور وغل ہوا آپؐ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا وہ آپؐ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز ہوگیا کہ جب آپؐ واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ یہ تو دریا ہے، اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا[1]

بیماروں کو شفاء

اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں روحانی طبیب بن کر آتے ہیں اور

[1] سیرۃ النبی ص۲۲۴ ج ۳

دلوں کی بیماریوں سے انسانوں کو شفا دیتے ہیں مگر کبھی کبھی وہ جسمانی طبیب کا کام بھی کر لیتے ہیں طب و حکمت کے معاملات میں یوں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری احادیث منقول ہیں۔ لیکن بعض اوقات تو اس شعبہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سلمہ بن اکوعؓ اور حضرت سہل بن سعدؓ تین چشم دید گواہوں سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں جب آپؐ نے علم عطا فرمانے کے لئے علی بن ابی طالبؓ کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے کہ ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہ بن اکوعؓ) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے، آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا، وہ اسی وقت اچھی ہو گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔

غزوہ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہ ہوئی، صرف نشان رہ گیا تھا۔ حضرت عثمان بن حنیفؓ کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں مجھے سخت تکلیف ہے فرمایا "جاؤ وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو" اس کے بعد یہ دعا مانگو اور ایک دعا سکھلائی۔ عثمان بن حنیفؓ کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے، اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو اندھے پن کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں۔

حجۃ الوداع میں ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ بولتا

نہیں، آپ نے پانی منگوایا اور ہاتھ دھوئے اور کلی کی۔ اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلادو، اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ وہ بچہ بالکل اچھا ہوگیا اور بولنے لگا[1]

قبولیتِ دُعا

بعض اوقات انبیا علیہم السلام کے معجزات دعاؤں کی قبولیت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے نبوت اور برکت کی دُعا کی تو قبول ہوئی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے سمندر کی تہہ میں سے خدا کو پکارا تو اس نے سنا، حضرت زکریا نے خانوادہ نبوت کے لئے وارث مانگا تو دے دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مولی سے بہت کچھ مانگا بار بار مانگا ہر مصیبت اور راحت میں مانگے۔ حقیقت میں آپ نے اللہ سے اتنا مانگا کہ شاید کسی اور نے نہ مانگا ہو، اور آپ کی بعض دعائیں تو معجزانہ حیثیت اختیار کر گئیں حضرت عمرؓ اسلام کے سخت دشمن تھے، حضورؐ کا نام بھی گوارہ نہ تھا۔ آپ نے دُعا فرمائی ۔ اے اللہ ابوجہل و عمر میں سے تیرے نزدیک جو زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو معزز کر۔ اس دُعا کو چند روز ہی گذرے تھے کہ حضرت عمرؓ آستانہ نبوت پر غلام بن کر حاضر ہوگئے۔ اور ایمان قبول کر لیا نہ صرف یہ کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا، بلکہ ان کی ذات سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی جس کا چودہ سو سال کے بعد بھی دنیا کو اعتراف ہے، عبداللہ بن مسعودؓ گواہی دیتے ہیں کہ "ماذلنا اعزة منذ اسلم عمر"، حضرت عمرؓ جب سے اسلام

---

[1] سیرت النبی صنہ ۱۵ ج ۳

لائے، ہم مسلمانوں کو عزت وقوت حاصل ہوگئی۔ اسلام کی اس عزت کو اگر سوانح فاروقی کے کارناموں میں تلاش کریں تو، دعائے نبویؐ کے قبول واجابت کا پُرحیرت سماں نگاہوں کے سامنے گذر جائے گا جب آپؐ ہجرت کی غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے، تو کفار کے جاسوسوں میں سراقہ نے آپؐ کا پیچھا کیا، اور آپؐ سے اس قدر قریب آگیا کہ حضرت ابوبکرؓ گھبرا کر بول اُٹھے "ہم آلئے ہیں" آپؐ نے ان کی دلجوئی کی اور دُعا فرمائی جس کے اثر سے سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ "تم لوگوں نے میرے لئے بددُعا کی ہے" اب دعا کرو تو میں تمام لوگوں کو تمہارے تعاقب سے واپس لے جاؤں گا" آپؐ نے دعا فرمائی اور اس نے مصیبت سے نجات پائی وہاں سے واپس آیا تو تمام تعاقب کرنے والوں کو واپس لے گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں۔ اور آپؐ کی خدمت میں بطور خادم کے پیش کیا اور ان کے لئے دعا کی درخواست کی، آپؐ نے ترقی مال اور اولاد کی دُعا دی، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آج اس دُعا کی برکت سے میرے پاس بکثرت دولت ہے، اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ گئی ہے۔ اور اس دُعا کا اثر تھا کہ حضرت انس بن مالکؓ کا ایک باغ تھا جو سال میں دوبار پھل لاتا تھا۔ اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا جس سے مُشک کی خوشبو آتی تھی، ایک بار آپؐ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر کر رکھدیا، آپؐ نے ان کو تفقہ فی الدین کی دُعا دی، چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انہوں نے حبرالامۃ کا خطاب پایا، حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں۔ اور ابوہریرہؓ ان کو دعوت

اسلام دیتے تھے، لیکن وہ نہیں مانتی تھیں ایک دن انہوں نے حسب دستور دعوت اسلام دی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت تکلیف ہوئی، وہ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا، اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لئے دعا کیجیے، آپؐ نے دعا کی کہ خداوند ابو ہریرہؓ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما، حضرت ابو ہریرہؓ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر آئے، دیکھا کہ دروازہ بند ہے، ماں نے پاؤں کی آہٹ سن کر کہا کہ ٹھہرے رہو، حضرت ابو ہریرہؓ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی، جب وہ غسل کر کے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمہ شہادت پڑھا حضرت ابو ہریرہؓ خوشی کے مارے الٹے پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور آپؐ کو مژدہ سنایا، آپؐ نے خدا کا شکر کیا اور دونوں کو دعا دی۔

آپؐ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا آپؐ نے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے غرور سے کہا میں اس سے کھا نہیں سکتا چونکہ اس نے غرور سے کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "خدا کرے ایسا ہی ہو" چنانچہ اس کے بعد وہ دائیں ہاتھ کو اٹھا کر منہ تک نہ لیجا سکتا تھا۔

برکت

یہ بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ بعض اوقات تھوڑی سی چیز میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت دے دیتا تھا کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، غزوہ احزاب کا مشہور واقعہ ہے جب تمام مہاجرین وانصار خندق کھود رہے تھے حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت

بھوکے ہیں، وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تیرے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ انہوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی، حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا، گوشت دیگچی پر چڑھایا گیا تو حضرت جابرؓ آپؐ کو لینے چلے، بی بی نے کہا دیکھو آپؐ کے ساتھ اوروں کو لاکر مجھے رسوا نہ کرنا، حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپؐ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے آپؐ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے۔ لیکن آپؐ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ آؤ جابر نے دعوتِ عام کی ہے، اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آؤں چولہے سے دیگچی نہ اتاری جائے۔ اور روٹی نہ پکے، آپؐ تمام لوگوں کو لے کر چلے، حضرت جابرؓ گھر میں آئے تو بیوی نے برا بھلا کہنا شروع کیا، انہوں نے کہا کہ میں کیا کروں تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کردی، جب آپؐ آئے تو بی بی نے آپؐ کے سامنے آٹا پیش کردیا آپؐ نے اس میں اپنا لعابِ دہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی، پھر اسی طرح دیگچی میں لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی، اس کے بعد آپؐ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا، کم و بیش ایک ہزار آدمی تھے سب کھاکر واپس ہوئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ کھانے کے علاوہ بارہا رب کریم نے پانی میں برکت کا معجزہ بھی عطا فرمایا، بڑے بڑے کشورکشاؤں کو پانی کی کمیابی نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے سے عاجز کردیا، یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کے پُرجوش لشکروں کو پیاس نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی شکست دے دی۔ غور کیجئے اگر اسلام کے فاتحانہ لشکر پانی میں معجزانہ برکت سے محروم رہتے تو کیا ہوتا؟

تمام انبیاء میں صرف حضرت موسیٰؑ کی ذات ہے جن کے لئے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں، لیکن رسولِ عربؐ کے لئے مشکیزہ کا چمڑہ، گوشت پوست کی انگلیاں، خشک چشموں کے دھانے، سوکھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہانِ مبارک کی کلیاں متعدد دفعہ پانی کا چشمہ ثابت ہوئیں۔

ایک دن آپؐ مقام زوراء میں تھے عصر کا وقت آگیا، تو صحابہؓ نے پانی کی جستجو کی، لیکن صرف آپؐ کے لئے پانی ملا جب آپؐ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا، تو آپؐ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ انگلیوں سے پانی کا فوارہ چھوٹنے لگا۔ تقریباً تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا صلح حدیبیہ کے دن تمام صحابہؓ پیاس سے بے تاب ہوئے۔ آپؐ کے سامنے صرف چمڑے کے ایک مشکیزہ میں پانی تھا۔ آپؐ نے اس سے وضو کیا تو صحابہؓ تیزی سے آپؐ کی طرف بڑھے آپؐ نے بے تابی کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے عرض کی ہماری ضروریات کے لئے صرف یہی پانی تھا، آپؐ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا، آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ جاری ہوا چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے سب نے وضو کیا اور سیراب ہو کر پانی پیا۔

اصل معجزہ

بزرگو اور دوستو یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تھے،

معراج کا سفر معجزہ تھا،

چاند کا شق ہو جانا معجزہ تھا،

ستونِ حنانہ کا گریہ و بکا معجزہ تھا،

درختوں کا آپکو سلام کرنا معجزہ تھا،

اشارے سے بتوں کا گرنا معجزہ تھا،
گونگے کو گویائی اور اندھے کو بینائی ملنا معجزہ تھا،
کھانے میں برکت ہو جانا معجزہ تھا،
انگلیوں سے چشمے کا جاری ہو جانا معجزہ تھا،
کنکریوں کا آپؐ کے دستِ مبارک پر تسبیح پڑھنا معجزہ تھا،
لیکن آپؐ کا اصل معجزہ تو آپؐ کی سیرت تھی، آپؐ کا کردار تھا، آپؐ کی زندگی تھی، آپؐ کے شب و روز تھے۔ اسی لئے تو آپؐ نے منکرین اور مشرکین کے سامنے اپنی حیاتِ طیبہ کا رجسٹر کھول کر رکھدیا اور فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ۔ میں تمہارے اندر اس سے قبل زندگی کا ایک طویل حصّہ گذار چکا ہوں۔
نبوّت کا دعویٰ تو میں نے آج کیا ہے دعوئے نبوّت سے قبل چالیس سال کا طویل عرصہ میں نے تمہارے سامنے بسر کیا ہے، تم نے میرا بچپن دیکھا ہے، میری جوانی دیکھی ہے، تم نے میرے شب روز دیکھے ہیں، میرے اخلاق دیکھے ہیں، میری تجارت دیکھی ہے، میں تمہارے لئے اجنبی نہیں ہوں، میں کہیں سے اچانک نہیں آگیا ہوں تم ہی بتلاؤ کہ تم نے مجھے آج تک جھوٹ بولتے سنا ہے؟
کبھی معاملات میں غلط بیانی سے کام لیا ہو تو بتاؤ،
کبھی خیانت کی ہو تو بتاؤ،
تو میں اگر انسانوں پر جھوٹ نہیں بولتا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں انسانوں کے رب پر جھوٹ بولوں۔ لیکن میں اور آپ سب جانتے ہیں کہ آپؐ کی دعوت کے بڑے بڑے دشمن بھی آپؐ کے کردار کے کسی پہلو پر انگشت نمائی نہ کر سکے۔
انہوں نے یہ تو کہا کہ آپؐ لات و ہبل کو برا کہتے ہیں،

انہوں نے یہ تو کہا کہ کئی معبودوں کی جگہ صرف ایک معبود کا ہونا بڑی عجیب بات ہے،
انہوں نے یہ تو کہا کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ہمیں یقین نہیں،
لیکن وہ کبھی نہ کہہ سکے کہ آپؐ کے کریکٹر میں کوئی خرابی ہے،
آپؐ معاملات میں گڑبڑ کرتے ہیں،
آپؐ خلافِ واقعہ بات کرتے ہیں،

یہی وجہ تھی کہ جن سعادت مندوں کو ایمان کی سعادت نصیب ہوئی انہوں نے نہ تو معجزات کا مطالبہ کیا اور نہ معجزات دیکھ کر ایمان لائے۔ بلکہ آپؐ کی سیرت اور آپؐ کی ذات ہی ان کی نظر میں معجزہ تھی، حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لائیں مگر چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں، بلکہ یہ جان کر کہ آپؐ غریبوں کے دست و بازو ہیں، قرضداروں کی تسکین اور سہارا ہیں، مسافروں کا ملجا اور ماویٰ ہیں۔

حضرت ابوبکر، عمر، علی و عثمان رضی اللہ عنہم اور دیگر اصحاب کبارؓ میں سے کسی نے آپؐ کی صداقت اور راستی کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا، بلکہ انہوں نے آپؐ کے وجود کو، آپؐ کی سیرت کو، آپؐ کی دعوت کو اور آپؐ کے اخلاص کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی۔

سب سے بڑا معجزہ

محترم سامعین! جب معجزات کی بات ہوگی تو میں آپؐ کے سب سے بڑے معجزے کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، جو کل بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے، دوسرے معجزات کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر اسے ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ہم نے شقِ قمر نہیں دیکھا،

ہم نے درختوں کو سلام کرتے نہیں دیکھا، ہم نے ستونِ حنّانہ کا گریہ نہیں سُنا، ہم نے کنکریوں کی تسبیح نہیں سنی، ہم نے انگلیوں سے چشمہ جاری ہوتے نہیں دیکھا، ہم نے گونگوں کو بولتے اور اندھوں کو بینا ہوتے نہیں دیکھا، اگرچہ ہم ان تمام معجزات کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا، مگر اس معجزے کا مطالعہ اور مشاہدہ ہم دن رات کرتے ہیں یہ معجزہ ہر ملک ہر شہر، ہر بستی بلکہ اکثر گھروں میں بھی موجود ہے۔

یہ معجزہ قرآن حکیم ہے اس معجزے کا مقابلہ عام لوگ تو کیا کریں گے حقیقت میں دوسرے انبیاء کے معجزات بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے، نوحؑ کی کشتی، سلیمانؑ کا تخت، صالحؑ کی اونٹنی، موسیٰؑ کا عصا، عیسیٰؑ کا یدِ بیضا، مچھلی کے پیٹ میں یونسؑ کی زندگی، اور یوسفؑ کی قمیص ان میں سے کوئی چیز بھی قرآن کے مقابلے میں نہیں رکھی جاسکتی۔

قرآن حکیم اور ان معجزات میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ وہ معجزات عارضی اور فانی تھے، جبکہ قرآن دائمی اور ابدی معجزہ ہے،

وجہ صاف ظاہر ہے وہ یہ کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے، نبوت کی صداقت کا شاھد ہوتا ہے اور دلیل اور شاھد کی صرف اس وقت تک ضرورت ہوتی ہے جب تک دعویٰ ہو، جب دعویٰ ہی باقی نہ رہے تو دلیل اور شاھد کی ضرورت باقی نہیں رہتی، سابقہ انبیاء نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ ہماری نبوت دائمی ہے، ان کی نبوتیں ایک مخصوص وقت کے لئے اور مخصوص قوموں کے لئے ہوتی تھیں اس لئے ان کے معجزات بھی عارضی اور وقتی تھے،

لیکن سید الکونین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی ہے اس وقت تک کے لئے ہے جب تک زندگی کا سوز و ساز باقی ہے،

اس لئے آپؐ کو معجزہ بھی ایسا عطا کیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔
قرآن نے جیسے اپنے نزول کے زمانے کے انسانوں کو چیلنج کیا تھا، کہ اگر تمہیں
میری صداقت میں کوئی شک ہے تو کوئی مثل بنا کے دکھا دو۔
اسی طرح آج دنیا کے شرق و غرب کے تمام انسانوں کو بھی اس کا چیلنج ہے
کہ اگر تمہیں میرے کلام ربانی ہونے میں شک ہے تو لاؤ میری چھوٹی سی چھوٹی
سُورت کی مثل تیار کر کے۔
قرآن کا معجزہ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک مستقل دلیل ہے
اگر آپؐ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو آپؐ کو ایسا معجزہ نہ دیا جاتا جو ہمیشہ ہمیشہ
رہنے والا ہے، بلکہ دوسرے انبیاء کی طرح آپؐ کو بھی ایسا معجزہ دیا جاتا جو آپؐ
کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔
ایسا نہیں ہوا اس لئے نہیں ہوا کہ آپؐ خاتم النبیین تھے آپؐ کی نبوت
کو ہمیشہ رہنا تھا تو حضورؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ایسے
لوگ آسکتے تھے جو آپؐ کی نبوت اور صداقت کی نشانی مانگتے، جیسا کہ ہر
نبی سے اس کے زمانے کے لوگ نشانیاں مانگتے رہے ہیں اس لئے آپؐ کو
نبوت کی ایک ایسی ابدی نشانی عطا کر دی گئی جو ان لوگوں کا منہ بند کر سکے۔

عِلمی معجزہ

قرآن اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے درمیان ایک
دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن علمی معجزہ ہے جبکہ وہ معجزات مادی تھے، اصل میں
ان معجزات کے ظہور کا جو وقت تھا وہ انسان کے عہدِ طفولیت یا آغازِ شباب
کا وقت، سائنسی تحقیقات کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا اور قرآن جن
زمانوں کے لئے نازل ہو رہا تھا ان زمانوں میں علمی اکتشافات، سائنٹیفک

تحقیقات اور سائنسی ایجادات کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا، قرآن کو مستقبل کے چیلنجوں کا سامنا تھا قرآن کو نازل کرنے والا اللہ جانتا تھا کہ انسان علمی اعتبار سے دورِ شباب میں قدم رکھنے والا ہے، وہ وقت آرہا ہے جب کائنات کا گوشہ گوشہ کھنگالا جائے گا، ستاروں پر کمندیں ڈالی جائیں گی، شمس و قمر کی تسخیر کی کوشش کی جائے گی، معاشیات، نفسیات، سیاسیات اور اخلاقیات کے الگ الگ شعبے قائم ہوں گے اور ان پر ریسرچ ہوگی تو پیغمبر آقاؐ کو ایسا معجزہ عطا کیا، جس میں ان سب علوم کے اصول موجود ہیں، اسی لئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

مَنْ اَرَادَ التَّعْلِیْمَ فَعَلَیْہِ بِالْقُرْاٰنِ فَاِنَّ فِیْہِ خَبَرُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ [1]

جو شخص علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس پر قرآن کا دامن تھامنا لازم ہے کیونکہ قرآن میں پہلوں اور بعد والوں سب کا علم موجود ہے۔

اور ابن ابی الفضل المرسیؒ فرماتے ہیں۔

جَمَعَ الْقُرْاٰنُ عُلُوْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ بِحَیْثُ لَمْ یُحِطْ عِلْمًا حَقِیْقَۃً اِلَّا الْمُتَکَلِّمُ ثُمَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ [2]

اس قرآن نے اول سے آخر تک ابتداء سے انتہا تک تمام علوم کو اس طرح اپنے اندر جمع کر لیا ہے کہ حقیقت میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے۔ ان علوم کا نہ آج تک کوئی احاطہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔

اور محقق ابن سراقہؒ کتاب الاعجاز میں لکھتے ہیں:

مَا مِنْ شَیْءٍ فِی الْعَالَمِ

کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا

---

[1] تفسیر الاتقان [2] تفسیر الاتقان

اِلَّا وَهُوَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ [1] ذکر قرآن میں موجود نہ ہو۔

تو علمی اور سائنسی دور کے اعتبار سے آپؐ کو علوم و معارف کا ایسا بیمثال انسائیکلوپیڈیا عطا کیا گیا جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے آپؐ دنیا کے کسی مفید علم و فن کی نشاندہی نہیں کر سکتے جس کی اصل قرآن میں موجود نہ ہو، اس میں علم تاریخ ہے، علم قصص ہے علم قرأت و تجوید ہے علم نحو ہے علم اصول اور علم کلام ہے علم تذکیر اور وعظ ہے علم میراث ہے علم معانی اور بیان اور بدیع ہے، علم تصوف ہے، فلسفہ ہے بعض علماء نے تو قرآن سے سائنس، طب، ہیئت، ہندسہ، جدل اور جبر و مقابلہ تک کے اصول بھی اخذ کئے ہیں۔

فصاحت و بلاغت

ایک تیسری بات بھی پیش نظر رکھیں وہ یہ کہ مختلف انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ ان کے دور کے ذوق اور حالات کے اعتبار سے دیئے گئے، حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جادو کا بڑا زور تھا جادوگر اپنے فن پر اتراتے پھرتے تھے اور عوام تو کیا خواص بھی ان سے بڑے متاثر تھے، تو حضرت موسیٰؑ کو ایسا معجزہ دیا گیا جس نے جادوگروں کو سرِ عام شکست سے دوچار کیا، حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں جنّات کی ہیبت دلوں پر چھائی ہوئی تھی، اور وہ اپنی طاقت کے بل پر عجیب عجیب کرشمے دکھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا جو ان سے ہر طرح کی خدمت لیتے تھے اور وہ زرخرید غلاموں کی طرح ان کے حکموں کی بجا آوری میں مصروف رہتے تھے۔ اسی طرح ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے لئے

---

[1] تفسیر الاتقان

مسخر کردیا جس کے دوش پر سوار ہو کر وہ جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے، اور یہ ایک ایسا معجزہ تھا جس کی مثال پیش کرنے سے جن وانس عاجز تھے، حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں طب وحکمت کا بڑا چرچا تھا۔ حکماء اور اطباء ایسی ایسی دوائیں اور مرہمیں تیار کرتے تھے کہ عقل ان کی قوتِ تاثیر پر دنگ رہ جاتی تھی۔ پرانے پرانے مریض شفایاب ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں میں ایسی شفا رکھدی کہ مادر زاد اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے تھے تو اس کی بینائی بحال ہو جاتی تھی۔ کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کا کوڑھ ختم ہو جاتا تھا، اور اس کی جلد خوبصورت ہو جاتی تھی۔ اپاہج کی ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ چلنے لگتا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں یہ میرا کوئی ذاتی کارنامہ نہیں ہے۔ اور اس بات کی وضاحت اللہ کا ہر رسول کرتا رہا ہے عام لوگوں میں انبیاء کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا، کہ وہ براہِ راست عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کو جس طریقے سے پیش کیا ہے، اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰؑ کے قبضہ قدرت میں تھی۔ اور وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دینِ حق کی دیوار کج کھڑی کی، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی، قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے، کہ معجزات اور نشانات پیغمبر کی قوت اور ارادہ سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (انعام ع ۳) — کہہ دے اے پیغمبر کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً (انعام ع ۴) — کہدے اے پیغمبر کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشانی اتارے۔

سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (رعد ع ۶) — کسی رسول کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لائے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰ کے معجزات جس عبارت اور لب ولہجہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ان کا صاف منشا یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کردی گئی تھی۔ اس لیے وہ خاص اپنی قدرت سے جو چاہتے تھے کردیتے تھے۔ لیکن قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا، اس نے حضرت عیسیٰ کے تمام معجزات کو بیان کردیا ہے، مگر اس کے ساتھ اس عقیدۂ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کردیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا، خدا کی قدرت سے تھا۔ حضرت عیسیٰ کے اختیار سے نہیں چنانچہ خود حضرت عیسیٰ کی زبان سے قرآن کہتا ہے۔

اِنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ — میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں۔ تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہوجاتا ہے اور

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران ع ۵)

مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مُردے کو زندہ کرتا ہوں خدا کے حکم سے

بہر حال چونکہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں طب اور حکمت کا بڑا شہرہ تھا اس لئے انہیں طب اور حکمت کی صورت میں ایسا معجزہ دیا گیا جس کی مثال لانے سے ان کے مخاطب قاصر تھے ظاہر ہے کہ وہ سر اور پیٹ کی بیماریوں کا علاج کر سکتے تھے، زخموں کو مرہم سے صحیح کر سکتے تھے، جوڑوں کے درد کی دوا دے سکتے تھے، مگر اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں کو تندرست کرنا اور اپاہجوں کو چلتا کر دینا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اسی طرح سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت جس خطّے میں ہوئی اور جہاں آپؐ کو نبوت سے نوازا گیا اس خطّے کے باسیوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طریقے سے ہم مافی الضمیر کا اظہار کر سکتے ہیں دنیا کی کوئی دوسری قوم اس طریقے سے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ اپنے مقابلے میں ساری دنیا کو گونگا (عجمی) سمجھتے تھے کسی بھی قبیلے کا شاعر اور ادیب اس قبیلے کی جان ہوتا تھا اور ہر قبیلے کا فرد اس پر فخر کرتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی نامی گرامی شاعر کسی نادار کے گھر میں قدم رکھ لیتا تھا تو اس گھر کی اور گھر والوں کی قسمت بدل جاتی تھی۔

تو چونکہ اہلِ عرب کو اپنی قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا غرور تھا اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فصاحت و بلاغت کا ایسا شاہکار عطا کیا گیا جس کی مثال لانے سے ان کی زبانیں گنگ اور ان کی قلم اور دواتیں

خشک ہوگئیں اور یہ صرف ماضی کی بات نہیں بلکہ آج بھی قرآن حکیم کی مثال لانے سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں رہنے والے سب عاجز ہیں۔ اور حقیقت میں قرآن مجید ایک معجزہ نہیں بلکہ کئی معجزوں کا مجموعہ ہے اس کا اندازِ بیان معجزہ ہے، اس کی فصاحت و بلاغت ایک معجزہ ہے، اسکی حفاظت معجزہ ہے، یہ جامعیت میں معجزہ ہے، یہ اثر آفرینی میں معجزہ ہے بلکہ جو خوش قسمت انسان قرآن میں ڈوب جاتا ہے اور قرآن کو اپنے قلب و دماغ اور سیرت و کردار میں سمو لیتا ہے اس کے اندر بھی اعجازی صفت پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم معجزہ کی قدر کرنے اور اس کے سارے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

انسانِ اوّل کی داستان کے دس اسباق

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں ہے
سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

" یہ عجیب بات ہے کہ ڈارون کے نظریہ کی تردید مسلمانوں نے اتنی شدّ ومد کے ساتھ نہیں کی ہے جتنی شدت کے ساتھ تحقیق اور سائنس کی روشنی میں خود یورپ کے سائنس دانوں نے کی ہے۔

نظریۂ ارتقاء والوں کے پاس جس سوال کا جواب نہیں ہے وہ یہ ہے کہ جب نباتات ترقی کر کے جونک بن سکتی ہے، جب مکوڑا ترقی کر کے بندر بن سکتا ہے، جب بندر ترقی کر کے بن مانس بن سکتا ہے تو پھر انسان ترقی کر کے کچھ اور کیوں نہ بنا، انسان پر آکر ترقی کا سفر کیوں رُک گیا۔ ان کے خودساختہ اصول کے مطابق تو اس سفر کو جاری رہنا چاہیے تھا۔ جب ارتقا نہیں ہو رہا، جب انسان انسان سے کچھ اور نہیں بن رہا تو ثابت ہوا کہ ان کا اصول غلط ہے اور قرآن کی بیان کردہ یہ حقیقت صحیح اور سچ ہے کہ خالق کائنات نے انسانِ اول کو آدم (علیہ السلام) کی شکل میں ہی پیدا کیا اور پھر اس کی طرح ایک ہم جنس مخلوق حوّا کو وجود دے کر اس زمینی کائنات پر نسلِ انسانی کا سلسلہ قائم کیا ــــــ قرآن کے بیان کردہ حقائق سے ہمیں جو پہلا سبق اور پہلی روشنی حاصل ہوتی ہے وہ یہ کہ انسانیت کا آغاز جہالت کے اندھیروں میں نہیں ہوا بلکہ علم کی روشنی میں اس کا آغاز ہوا۔ پہلا انسان پہلا نبی بھی تھا، اسے علم ہدایت بھی عطا کیا گیا تھا اور علم معاش اور علم معاشرت بھی دیا گیا تھا، اسے معلوم تھا کہ مجھے زندگی کیسے گزارنی ہے اور اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کیسے کرنی ہے۔

دنیا کا پہلا انسان معاذ اللہ انسان نما حیوان نہ تھا بلکہ ہر اعتبار سے وہ کامل انسان تھا۔"

انسانِ اوّل کی داستان کے دس اسباق

نَحمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْم اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(البقرہ - ع)

اور وہ وقت یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو نائب بنائے گا جو اس میں فساد برپا کریگا اور خون بہائے گا درانحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

حضرات! قرآن حکیم نے انسانیت کی ہدایت کے لئے جو مختلف اسلوب اختیار کئے ہیں ان میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ قرآن گذشتہ اقوام کے حالات اور ان کے عروج وزوال کی داستانیں بیان کرتا ہے لیکن ان واقعات کے بیان کرنے سے قرآن کا مقصد محض داستان طرازی نہیں ہے کہ لوگ وقت گزارنے اور لذت حاصل کرنے کے لئے سُنیں اور خوش ہوجائیں بلکہ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان واقعات کو سُن کر عبرت حاصل کریں۔ اسی لئے واقعات کے بیان کرنے کے سلسلہ میں

قرآن حکیم کا عمومی انداز یہ ہے کہ وہ جزئیات کو بیان نہیں کرتا، وہ شہروں اور بستیوں کے نام ذکر نہیں کرتا، وہ وقوع کی تاریخ اور دن اور وقت نہیں بتاتا بلکہ کسی بھی واقعہ کے صرف ان پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں لوگوں کے لئے عبرت و نصیحت کا سامان ہوتا ہے بلکہ اگر آپ قرآن حکیم کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے علاوہ کسی بھی نبی، کسی بھی قوم، کسی بھی شہر کی داستان کو ابتداء سے انتہا تک ایک جگہ بیان نہیں کیا ہے بلکہ ٹکڑوں کی شکل میں تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ قرآن نے اٹھائیس مقامات پہ کیا ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی داستانِ زندگی پچیس مقامات پر بیان ہوئی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر تقریباً اٹھاون مقامات پر آیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا نام قرآن حکیم کی پچیس آیات میں پچیس مرتبہ آیا ہے۔

ان واقعات کو مختلف آیات اور سورتوں میں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کا قاری ان واقعات کی جزئیات میں نہ کھو جائے بلکہ ان سے حاصل ہونے والے نتائج سے عبرت و نصیحت کا سامان فراہم کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بیان کردہ حقائق پر ایمان لے آئے۔

قرآن کا اعجاز

یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ وہ اگرچہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں اور آیات میں بیان کرتا ہے لیکن ہر جگہ اس کا انداز اچھوتا اور نیا ہوتا ہے۔ کہیں اس واقعہ کی تفصیل ہوتی ہے کہیں اجمال ہوتا ہے۔ کسی مقام پر اُس واقعہ کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا جاتا ہے لیکن دوسرے مقام پر اس پہلو کو سب سے زیادہ نمایاں کر دیا جاتا ہے، ایک جگہ اُسی واقعہ سے خوشی اور مسرت پیدا کرنے والے نتائج نکالے جاتے ہیں تو دوسری جگہ اسی واقعہ میں خوف اور دہشت کا نقشہ پیش کر دیا جاتا ہے بلکہ بعض مرتبہ تو ایک ہی مقام پر خوشی کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے اور خوف کا منظر

بھی ہوتا ہے، لذت کا پہلو بھی ہوتا ہے اور الم کا پہلو بھی ہوتا ہے لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہ ناممکن ہے کہ اس واقعہ کی حقیقت اور صداقت میں معمولی سا بھی تغیر پیدا ہو جائے۔[1]

انسانِ اول دنیا کے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی داستان میں بھی عبرت و موعظت کے بہت سارے پہلو اور ہدایت و ارشاد کی کئی روشنیاں ہیں لیکن میں زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتا بلکہ اس قصہ کے عیاں اور نہاں دس پہلو، دس سبق اور دس عبرتیں صرف آپ کے پیش نظر کرنا چاہتا ہوں۔

اس واقعہ سے ہمیں جو پہلا سبق اور پہلی روشنی حاصل ہوتی ہے وہ یہ کہ انسانیت کا آغاز جہالت کے اندھیروں میں نہیں ہوا بلکہ علم کی روشنی میں اس کا آغاز ہوا، پہلا انسان پہلا نبی بھی تھا اسے علم ہدایت بھی عطا کیا گیا تھا اور علم معاش اور علم معاشرت بھی دیا گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مجھے زندگی کیسے گزارنی ہے اور اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کیسے کرنی ہے، وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کن کاموں میں ہے اور اس کی ناراضگی کن اعمال میں ہے۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ کائنات میں اس کی کیا حیثیت اور مقام ہے اور اسے کائنات کو کیسے برتنا ہے۔ دنیا کا پہلا انسان معاذ اللہ انسان نما حیوان نہ تھا بلکہ وہ ہر اعتبار سے کامل انسان تھا

ڈارون کا نظریہ قرآن سے ڈارون کے نظریہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے جس کا خیال یہ ہے کہ انسان بہت سے مدارج طے

---

[1] قصص القرآن ص۱۸ ج ۱

کر کے لاکھوں برس کے بعد موجودہ انسان کی شکل میں ظہور پذیر ہوا یعنی انسان پہلے نباتات کی شکل میں تھا پھر وہ ہزار ہا برس کے بعد لبونہ یعنی پانی کی جونک بنا پھر اس نے کیڑے مکوڑوں کی شکل اختیار کی پھر ہوتے ہوتے وہ بندر اور بن مانس بنا پھر اس کی دُم غائب ہوگئی اور وہ انسان بن گیا۔ گویا ڈارون کے خیال میں انسان کا جدِ امجد بندر اور بن مانس ہے لیکن قرآن بتاتا ہے کہ انسان کا جدِ امجد بندر اور بن مانس نہیں بلکہ انسان ہی ہے اور انسان بھی حضرت آدم علیہ السلام جیسا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ڈارون کے نظریہ کی تردید مسلمانوں نے اتنی شدومد کے ساتھ نہیں کی ہے یعنی جتنی شدت کے ساتھ تحقیق اور سائنس کی روشنی میں خود یورپ کے سائنس دانوں نے کی ہے۔

نظریۂ ارتقاء والوں کے پاس جس سوال کا جواب نہیں ہے وہ یہ ہے کہ جب نباتات ترقی کرکے جونک بن سکتی ہے، جب مکوڑا ترقی کرکے بندر بن سکتا ہے، جب بندر ترقی کرکے بن مانس بن سکتا ہے، جب بن مانس ترقی کرکے انسان بن سکتا ہے تو پھر انسان ترقی کرکے کچھ اور کیوں نہیں بنا۔ انسان پر آکر ترقی کا سفر کیوں رُک گیا ہے۔ تمہارے خود ساختہ اصولِ ارتقاء کے مطابق تو اس سفر کو جاری رہنا چاہئے تھا۔ جب ارتقاء نہیں ہو رہا، جب انسان، انسان سے کچھ اور نہیں بن رہا تو ثابت ہوا کہ تمہارا اصول غلط ہے اور قرآن کی بیان کردہ حقیقت صحیح اور سچ ہے کہ خالقِ کائنات نے انسانِ اول کو آدم (علیہ السلام) کی شکل میں ہی پیدا کیا اور پھر اُس کی طرح ایک ہم جنس مخلوق حوا۔ کو وجود دے کر اس زمینی کائنات پر نسلِ انسانی کا سلسلہ قائم کیا۔

خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے ہمیں جو دوسری

روشنی حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آدم کی تخلیق اس واسطے ہوئی کہ اسے دنیا میں خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے لہذا آدم کی تخلیق مستقل تخلیق نہیں بلکہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں خلافت کا ایک اہم ترین مسئلہ بھی سمجھا دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (سورہ ص) یعنی اے داؤد ہم نے آپ کو دنیا میں خلیفہ بنایا ہے۔ قرآن پاک میں خلیفہ دو معانی میں آتا ہے پہلا معنی وہی ہے جو آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ میں آپ کو اپنا خلیفہ یعنی نائب بنانے والا ہوں خَلَفَ يَخْلُفُ دوسرے کے پیچھے آنے یعنی نیابت کرنے والے کو کہتے ہیں قرآن پاک میں بھی آتا ہے هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ (سورۃ الانعام) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس نے تمہیں ایک دوسرے کا جانشین یا خلیفہ بنایا۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کا جانشین ہوتا ہے۔ خلیفہ کا دوسرا معنی جو اس مقام پر واضح ہوتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ یعنی نیابت انجام دینے والا پیدا کیا۔ انسان کے علاوہ باقی بے شمار مخلوقات بھی اس زمین پر پیدا کی گئی ہیں مگر خلافت کا حق اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت انسان کو دیا اور اس سے بھی مراد یہ ہے کہ زمین اور ساری کائنات کی اصل بادشاہت تو اللہ تعالیٰ کی ہے آدم علیہ السلام کو صرف نیابت تفویض ہوئی ہے گویا انسان دنیا میں خلافت اپنی مرضی سے انجام نہیں دے گا بلکہ حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہوگا اور انسان اس حکم کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے جس خلافت کا وعدہ کیا اور جس کو پورا کیا یہی خلافت ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ (سورۃ النور)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ نظام خلافت ہے۔ دین میں ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ کی کوئی حیثیت نہیں۔ انسان تو اس زمین میں اللہ تعالیٰ کا نظام نافذ کرنے والا ادارہ ہے اس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے کہ جس قسم کے احکام چاہے نافذ کرے بلکہ اسے احکام تعالیٰ سے ہی حاصل کرنے ہوں گے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ خلیفہ مُنتخب ہونا چاہیئے صرف ایک خارجی فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے حکومت صرف اللہ ہی کی ہے کوئی اس کا خلیفہ نہیں ہے۔ یہ انارکسٹ لوگ ہیں جو خلافت کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی تخلیق ہی بطور خلیفہ کے کی ہے اس معاملہ میں شیعہ مذہب بھی باطل ہے کہ اس کے پیروکار خلیفہ یا حاکم اور امام کو معصوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ مانتے ہیں، یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ خلیفہ کو منتخب کرنے والے عام لوگ ہیں اور وہی اسے معزول بھی کر سکتے ہیں۔
اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کا نظریہ بالکل واضح ہے کہ خلیفہ کا انتخاب واجب ہے، اس کو منصوص اور مقرر نہیں کیا گیا بلکہ جماعت المسلمین پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ اپنے میں سے بہتر شخص کو اس منصب پر فائز کرلیں خلیفہ کے بغیر نظام ارضی کا چلانا درست نہیں ہے۔ صحابہ کرام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے چنانچہ حضور علیہ السلام کی وفات پر مسئلہ خلافت آپ کے دفن سے پہلے طے کرلیا گیا۔

افضل اور اجمل حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے جو تیسری روشنی ہم کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان ساری مخلوق سے افضل ہے کیونکہ اسے خالق کی خلافت و نیابت کا شرف حاصل ہے اور امانتِ الٰہی کا بارِ گراں جس کے اٹھانے سے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے انکار

کردیا تھا اس بارِ گراں کو انسان نے اٹھالیا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (سورۃ الاحزاب)

ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے کل کائنات لطائف الٰہی کے بار کو اٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس بارِ گراں کو اٹھالیا۔

دوسری جگہ صاف صاف فرمادیا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ

بے شک ہم نے نسلِ آدم کو کائنات پر بزرگی اور برتری بخشی۔

فرشتوں کے سامنے انسان کی افضلیت کو ظاہر کرنے کے لئے انہیں حکم دیا گیا کہ وہ آدم کے سامنے سجدہ کریں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف)

اور دیکھو یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا) پھر تمہاری یعنی نوعِ انسان کی شکل وصورت بنائی پھر وہ وقت آیا کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ۔ اس پر سب جھک گئے مگر ابلیس کہ جھکنے والوں میں سے نہ تھا

فرشتوں کا سجدہ کرنا اس حقیقت کا اظہار بھی تھا کہ انسان اگر صحیح معنی میں انسان ہو تو وہ فرشتوں سے افضل اور اعلیٰ ہوتا ہے اور اس حقیقت کا اعلان بھی تھا کہ فرشتے انسان کے تابع ہیں اور اس کی خدمت کے لئے ہیں

کوئی اس کے لئے ہواؤں کا نظام سنبھالے ہوئے ہے، کوئی بادلوں کو ہنکانے پر مقرر ہے، کسی کے ذمّہ اس کے اعمال کو درج کرنا ہے، کسی کے ذمہ اس کی ہدایت کے لئے وحی لانا ہے، ایسے فرشتے بھی ہیں جو نیک انسانوں کے لئے دعاء اور استغفار میں مصروف رہتے ہیں اور ان کی مجالس کا احاطہ کئے رہتے ہیں۔ انسان ساری مخلوقات سے صرف افضل ہی نہیں ہے بلکہ اجمل بھی ہے، یہ کائنات کی حسین ترین مخلوق ہے خواہ وہ رنگ کا کالا ہی کیوں نہ ہو بہر حال انسان، سورج، چاند ستاروں اور پھولوں سے زیادہ خوب صورت ہے اس لئے کہ ربّ کریم نے قرآنِ عظیم میں چار قسمیں اٹھا کر انسان کے حسن وجمال کو بیان فرمایا ہے۔

وَالتِّيْنِ ٥ وَالزَّيْتُوْنِ ٥ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ	قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سیناء کی اور اس امن والے شہر کی، کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

تکبّر اور حسد اس واقعہ سے ہمیں جو چوتھی روشنی حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کائنات میں جو سب سے پہلا گناہ کیا گیا وہ تکبّر اور حسد تھا۔ ابن منذرؒ نے عبادہ بن ابی اُمیہ رحؒ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ اس کائنات میں سب سے پہلا گناہ حسد تھا جو ابلیس نے آدم علیہ السلام پر کیا[1]۔ اور اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ تکبّر اور حسد کا مرض اچھے اچھے لوگوں کو لاحق ہو سکتا ہے۔ اور انہیں ایمان تک سے محروم کر سکتا ہے شیطان بڑا عبادت گذار تھا۔ حضرت یحییٰ منیریؒ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ

---

[1] تفسیر عزیزی صـ۱۴۹

اور بڑے پائے کے عالم اور بزرگ تھے انہوں نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ ابلیس نے سات لاکھ سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور آدمؑ کے مقام اور مرتبہ کو دیکھ کر جل بھن گیا۔ اس چیز نے اُسے بارگاہِ الٰہی میں مردود اور مغضوب بنا دیا۔ قرآن حکیم میں ہے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا	اور پھر دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ	کو حکم دیا تھا کہ آدم کے آگے سر بسجود ہو جاؤ
اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ	وہ جھک گئے مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی اس
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝	نے نہ مانا اور گھمنڈ کیا اور حقیقت یہ ہے
سورۃ البقرہ)	کہ وہ کافروں میں سے تھا

اللہ تعالیٰ اگرچہ عالم الغیب اور دلوں کے بھیدوں سے واقف ہیں اور ماضی، حال اور استقبال سب ان کے لئے یکساں ہیں مگر اس نے امتحان و آزمائش کے لئے ابلیس (شیطان) سے سوال کیا

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ	کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا

ابلیس نے جواب دیا:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ	اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں
وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (سورۃ الاعراف)	تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اُسے مٹی سے

شیطان کا مقصد یہ تھا کہ میں آدم سے افضل ہوں اس لئے کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور آگ بلندی اور رفعت چاہتی ہے اور آدم مخلوقِ خاکی۔ بھلا خاک کو آگ سے کیا نسبت! اے خدا پھر تیرا یہ حکم کہ ناری خاکی کو سجدہ کرے کیا انصاف پر مبنی ہے، میں ہر حالت میں آدم سے بہتر ہوں لہذا وہ مجھے سجدہ

کرے نہ کہ میں اس کے سامنے سربسجود ہوں۔ مگر بدبخت شیطان اپنے غرور و تکبر میں یہ بھی بھول گیا کہ جب تو اور آدم دونوں خدا کی مخلوق ہو تو مخلوق کی حقیقت خالق سے بہتر خود وہ مخلوق بھی نہیں جان سکتی وہ اپنی تمکنت اور گھمنڈ میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مرتبہ کی بلندی و پستی اس مادہ کی بناء پر نہیں ہے جس سے کسی مخلوق کا خمیر تیار کیا گیا ہے بلکہ اس کی ان صفات پر ہے جو خالقِ کائنات نے اس کے اندر ودیعت کی ہیں

تکبر عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات متکبر انسان اللہ تعالیٰ کے مقابل میں بھی آجاتا ہے۔ فرعون، قارون، ہامان اور شداد جیسوں کو تکبر ہی نے اپنے خالق و مالک کے مقابلے میں لا کھڑا کیا تھا اور یہ ایسا خبیث اور دقیق مرض ہے کہ بسا اوقات انسان اس میں مبتلا ہوتا ہے لیکن اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں اس مرض میں مبتلا ہوں۔ بہت سارے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو خاکسار، عاجز، لاشئ، حقیر اور فقیر کہتے ہیں حالانکہ ان کے باطن میں تکبر کے جراثیم ہوتے ہیں۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ بڑی کٹھن ریاضت اور عبادت کرنے والوں اور اپنی اصلاح اور باطن کے تزکیہ کی کوشش کرنے والوں کے دل و دماغ سے بھی جو چیز سب سے آخر میں نکلتی ہے وہ حُبِ مال اور حُبِ جاہ ہوتی ہے۔ حُبِ جاہ اسی میں ہوتی ہے جس میں تکبر ہوتا ہے۔

قرآن و سُنت میں متکبروں اور تکبر کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "میں ان لوگوں کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں[1]"۔ دوسری جگہ فرمایا: "آج (قیامت کے دن) تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم زمین پر ناحق تکبر کرتے تھے[2]"۔ تیسری جگہ فرمایا "بیشک جو

---

[1] سورۃ الاعراف [2] سورۃ الاحقاف

لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے "[1]
چوتھی جگہ فرمایا: "کیا جہنم میں متکبرین کا ٹھکانہ نہیں ہے"[2] پانچویں جگہ فرمایا:
"بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"[3]

تکبّر کی مذمت احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

الا اُخبِرُکُمْ باھل النَّارِ کُلِّ عُتُلٍّ جَوّاظٍ مُسْتَکْبِرٍ۔[4]

کیا میں تمہیں جہنّمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں (یاد رکھو) ہر وہ شخص ہے جو چھوٹی بات پر سخت جھگڑا کرے، مال جمع کرے اور بخل کرے اور متکبّر ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپؐ کی ایک حدیث یوں بیان فرمائی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَایَدخُلُ النَّارَ اَحدٌ فِی قَلْبِہٖ مثقال حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ وَلَایَدخُلُ الجَنَّۃَ اَحدٌ فِی قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وہ (ہمیشہ کے لئے) دوزخ میں داخل نہ ہوگا اور جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبّر ہوگا وہ جنّت میں نہ جائے گا

حضرت ابوہریرہ نے تکبّر کے بارے میں آپؐ کا ارشاد یوں نقل کیا ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ الکبریاءُ رِدائی والعظمۃُ ازاری فمن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تکبّر (ذاتی بزرگی) میری چادر ہے اور عظمت (صفاتی بزرگی) میرا تہبند ہے،

---

[1] سورہ غافر [2] سورۃ الزمر [3] سورۃ النحل [4] بخاری و مسلم [5] مسلم

فَأَزعَنِی وَاحِدًا منهما اُدخلتہ النَّارَ
وفی روایۃٍ قَذَفتُہُ فی النَّارِ[1]

پس جو شخص کر ان دونوں میں سے کسی ایک کو چھینے (ذات اور صفات کے اعتبار سے تکبر کرے) اسے جہنم میں ڈال دوں گا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔

ڈنگر اور حیوان | تکبر کرنا یہ حیوانوں کا شیوہ ہے عقلمند انسان کبھی تکبر نہیں کرتا کیونکہ اس کی نظر اپنی کمزوریوں پر رہتی ہے وہ اپنی حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔

تکبر بود عادتِ جاھلان
تکبر نیاید ز صاحبدلان

ہمارے استاد فرماتے تھے کہ متکبر انسان بظاہر تو یوں کہتا ہے کہ "ہم چو ما دیگرے نیست" (ہمارے جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے) لیکن حقیقت میں وہ یوں کہتا ہے کہ "ہم چو ما ڈنگرے نیست"۔ (ہمارے جیسا ڈنگر اور حیوان کوئی نہیں ہے)۔

انسان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضعیف اور کمزور سمجھے، خطا کار اور گنہگار سمجھے، اللہ تعالیٰ کا محتاج اور فقیر سمجھے، وہ اپنے آپ کو جتنا جھکائے گا اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی اٹھائے گا لیکن اگر وہ حیوان اور درندہ بن کر ناحق اپنی گردن اٹھائے گا اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ کر رکھدے گا، اگر موقع ملے تو تاریخِ انسانی میں عاجزوں کے انجام کا بھی مطالعہ کر لیجئے اور متکبروں کے انجام کا بھی۔ انشاء اللہ آپ میری بات کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جن اللہ والوں نے اپنے کو مٹا کر رکھا اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا نام اور کام دنیا میں چمکا دیا۔ لیکن جو بدبخت بڑے بڑے بول بولتے تھے اور دھرتی پر اکڑ اکڑ چلتے تھے ان کا نام لینے والا بھی آج کوئی نہیں ہے

ازلی دشمن | انسانِ اول کی داستانِ حیات میں ہمارے لئے ایک سبق یہ ہے کہ ابلیس ہمارا ازلی دشمن ہے اس نے نہ صرف یہ کہ انسانیت کے محترم باپ کے سامنے جھکنے سے انکار کیا بلکہ اس

---

[1] مسلم

نے رب العالمین کے سامنے اُسی وقت صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب جبکہ مجھے آغوشِ رحمت سے مردود اور جنت سے محروم کر دیا گیا ہے تو جس آدم کی وجہ سے مجھے رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے میں اپنی رسوائی کا انتقام اُس کی اولاد سے لوں گا اور انتقام کی صورت یہ ہوگی کہ میں ہر طریقے سے ہر راستے سے ہر انداز سے ہر جانب سے اُسے گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا اور انہیں تیرے نافرمان اور ناشکرے بنا کر چھوڑوں گا۔ رب العالمین نے فرمایا ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہم نہ کسی کی بندگی کے محتاج ہیں نہ اطاعت اور فرمانبرداری کے، ہمارا قانونِ مکافات اٹل ہے جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

سورۃ الاعراف میں ہے :

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ	بولا کہ چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے میں بھی لوگوں
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ	کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا
مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ	پھر ان کو ان کے سامنے سے بھی آلوں گا اور ان
وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ	کے پیچھے سے بھی اور ان کے داہنے سے بھی اور ان
وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ قَالَ	کے بائیں سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار
اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا	نہ پائیں گے۔ اللہ نے فرمایا یہاں سے تو نکل
لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ	ذلیل و خوار ہو کر ان میں سے جو کوئی تیری پیروی
مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝	کرے گا سو میں سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا۔

وسوسہ چھٹا سبق اس واقعہ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ وساوس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے اور زندہ حقیقتوں کو چھوڑ کر شیطانی وساوس پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہئے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے قسمیں اٹھائیں کہ ممنوعہ درخت کا پھل اگر آپ استعمال کرلیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے اور مختلف وساوس ان کے دل میں ڈالے تھے سورۃ الاعراف میں ہے :

---

۱۷ سورۃ الاعراف

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا

ربِ کریم نے وساوس سے پناہ مانگنے کے لیے ایک مستقل سورت (سورہ ناس) نازل فرمائی ہے اور اپنی تین عظیم الشان صفات ذکر فرما کر جنوں اور انسانوں کے وساوس سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ربّ الناس کی پناہ، الٰہ الناس کی پناہ، ـــــ وساوس سے پناہ مانگنے کا اتنا اہتمام اس لیے فرمایا کیونکہ وساوس انسان کی تمدنی معاشرتی ازدواجی دینی اور دنیاوی زندگی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ وساوس میاں کو بیوی سے اور بیوی کو میاں سے متنفر کر دیتے ہیں۔ وساوس اولاد کو والدین سے اور والدین کو اولاد سے دُور کر دیتے ہیں، وساوس گھر اور شہر کو تلخیوں سے بھر دیتے ہیں، وساوس انسان کو دین سے، ایمان سے، یقین سے محروم کر سکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل پر خیالات یا خطرات اس طرح ہوتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے برستے ہیں مگر انسان یہ جاننے سے قاصر ہے کہ خیالات کے وارد ہونے کے اسباب کیا ہیں۔ یہ خیالات جم جائیں یعنی پختہ ہو جائیں تو انسان کا عقیدہ بن جاتا ہے جب عقیدے میں پختگی آتی ہے تو ارادہ بنتا ہے اس کے بعد انسان عزم کرتا ہے اور پھر فعل کرتا ہے اس چیز سے ہٹانے کے لئے شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے جس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرے اور اس کا ذکر کرے تو اس وسوسے سے بچ سکتا ہے۔ انسان کا عقیدہ اس کا قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، اس کو خراب کرنے کے لئے شیطان ہر وقت اس کے پیچھے لگا رہتا ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح اسے ایمان کی دولت سے محروم کر دے مگر اس کے شر سے وہ بچ سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی پناہ میں آجائے گا اور وہ علاج کرے گا جو کہ شریعتِ مطہرہ نے تجویز کیا ہے۔

استغفار اور اصرار اس واقعہ سے ہمیں ساتواں سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ غلطی ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، غلطی پر اڑ جانا، اس پر اصرار کرنا اور اس کی تاویلیں کرنا یہ خطرناک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہو گئی تو وہ فوراً ربّ العالمین

کی طرف متوجہ ہوئے، توبہ کی، روئے، گڑگڑائے اتنی آہ وزاری کی کہ رحمتِ حق متوجہ ہو کر رہی۔

امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب شعب الایمان میں روایت بیان کی ہے کہ اپنی لغزش پر آدم علیہ السلام اس قدر روئے کہ

لو وُزِن دُمُوعُ اٰدَم بجمیع دموعِ وَلَدِہٖ لَرَجَحَ دُمُوعُہٗ عَلَی الجمیعِ دُمُوعِ وَلَدِہٖ[1]

اگر آدمؑ کے آنسوؤں کا مقابلہ ان کی ساری اولاد کے آنسوؤں کے ساتھ کیا جائے تو آدم کے آنسو غالب آجائیں۔

لیکن دوسری جانب شیطان اپنی غلطی پر اڑ گیا اس کی علت اور وجہ بتانے لگا اس نے ایک لفظ بھی اظہارِ ندامت کے لئے اپنی زبان سے نہ نکالا چنانچہ وہ مردود ٹھہرا۔

گناہ پر اصرار یہ صغیرہ کو بھی کبیرہ بنا دیتا ہے اور گناہ پر ندامت اور استغفار یہ کبیرہ کو بھی ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا کر دیتا ہے۔ مشہور قاعدہ ہے

لا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار۔

صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار کرنے سے کبیرہ بھی کالعدم (معاف) ہو جاتا ہے۔

رزقِ حلال | انسانِ اول کی زندگی سے ہمیں آٹھویں روشنی یہ حاصل ہوتی ہے کہ رزقِ حلال کی تلاش ہر مسلمان پر لازم ہے اور محنت تجارت، مزدوری، کاشتکاری، ملازمت ان میں سے کوئی چیز بھی توکل کے منافی نہیں ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو بعض روایات کے مطابق تیس پھلوں کے بیج ان کے ساتھ آئے۔[2] بعض دوسری روایات میں ہزار قسم کا ذکر آتا

---

[1] بیہقی شعب الایمان [2] تفسیر عزیزی ص ۱۹۲

ہے۔ بعض روایات میں خوشبو کا تذکرہ ملتا ہے اس لئے کہتے ہیں کہ خوشبو جنت کا تحفہ ہے اگر کوئی پھول یا گلدستہ پیش کرے تو اس کو رد نہیں کرنا چاہئے فَاِنَّہٗ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّۃِ[1] کیونکہ یہ جنت سے آئی ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں آتا ہے کہ سندان، چمٹا اور ہتھوڑا بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوا تاکہ دنیا میں کام کاج کر سکیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے اور کپڑے بننے کا کام بھی آپ ہی سے شروع ہوا۔ دراہم اور اشرفیاں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے بنائیں دیگر انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت نوح علیہ السلام نجاری یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے، حضرت ہود اور صالح علیہما السلام تاجر تھے۔ حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام نے کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام مویشی پالتے تھے اور ان کا دودھ اور اون وغیرہ فروخت کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیشہ گلہ بانی تھا۔ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام روئے زمین کی عظیم سلطنت کے بادشاہ ہونے کے باوجود اپنی گزر اوقات کے لیے ٹوکریاں بناتے تھے[2]۔

ہابیل اور قابیل ہابیل اور قابیل حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے ان کے واقعہ کو بھی قرآن حکیم میں بڑے اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق حافظ حدیث عماد الدین بن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں سدی کی سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

---

[1] شمائل ترمذی ص۵۸۳ [2] معالم العرفان

اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اس کا مضمون یہ ہے :

دنیائے انسانی میں اضافہ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ حوّا سے توام (جوڑیا) پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا عقد دوسرے پیٹ سے پیدا ہونے والے تمام بچوں کے ساتھ کر دیا کرتے تھے اسی دستور کے مطابق ہابیل وقابیل کی شادی کا معاملہ پیش تھا قابیل عمر میں بڑا تھا اور اس کی ہمشیرہ ہابیل کی ہمشیرہ سے زیادہ حسین وخوبرو تھی اس لئے قابیل کو یہ انتہائی ناگوار تھا کہ دستور کے مطابق ھابیل کی ہمشیرہ سے اس کی شادی ہو اور ھابیل کی اس کی ہمشیرہ سے ، معاملہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت آدم ؑ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اپنی اپنی قربانی حق تعالیٰ کی جناب میں پیش کریں جس کی قربانی منظور ہو جائے وہی اپنے ارادہ کے پورا کر لینے کا مستحق ہے۔ جیسا کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے اُس زمانہ میں قربانی (نذر) کی قبولیت کا یہ الہامی دستور تھا کہ نذر وقربانی کی چیز کسی بلند جگہ پر رکھ دی جاتی اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ اس قانون کے مطابق ھابیل نے اپنے ریوڑ میں سے ایک بہترین دُنبہ خدا کی نذر کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی کے غلہ میں سے ردی قسم کا غلہ قربانی کے لئے پیش کیا دونوں کی حسن نیت اور نیتِ بد کا اندازہ اسی عمل سے ہو گیا لہٰذا حسبِ دستور آگ نے آکر ھابیل کی نذر کو جلا دیا اور اس طرح قبولیت کا شرف اس کے حصہ میں آیا۔ قابیل اپنی اس توہین کو کسی طرح برداشت نہ کر سکا اور اس نے غیظ وغضب میں آکر ھابیل سے کہا کہ میں تجھ کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا تاکہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔ ھابیل نے جواب دیا میں تو کسی طرح تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ باقی تیری جو مرضی آئے وہ کر۔ رہا قربانی کا معاملہ سو خدا کے ہاں نیک نیت ہی کی نذر قبول ہو سکتی ہے وہاں بدنیت کی نہ دھمکی کام آسکتی ہے اور نہ بے وجہ کا غم وغصہ۔ قابیل پر اس نصیحت کا اُلٹا اثر

پڑا اور اس نے غصے سے مشتعل ہو کر اپنے بھائی ھابیل کو قتل کر دیا مگر قرآن عظیم میں شادی کا قصہ مذکور نہیں ہے صرف قربانی (نذر) کا ذکر ہے اور اس روایت سے زائد قرآن حکیم میں جو اضافہ ہے وہ یہ ہے کہ قتل کے بعد قابیل حیران تھا کہ اس کی نعش کا کیا کرے ابھی تک نسلِ آدم موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ اور اس لیے حضرت آدم ؑ نے مردہ کے بارے میں کوئی حکمِ الٰہی نہیں سنایا تھا۔ یکایک اس نے دیکھا کہ ایک کوّے نے زمین کرید کر گڑھا کھودا، قابیل کو تنبیہ ہوا کہ مجھے بھی اپنے بھائی کے لئے اسی طرح گڑھا کھودنا چاہئے اور بعض روایات میں ہے کہ کوّے نے دوسرے مُردہ کوّے کو اس گڑھے میں چھپا لیا قابیل نے یہ دیکھا تو اپنی ناکارہ زندگی پر بے حد افسوس کیا اور کہنے لگا کہ میں اس حیوان سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اپنے اس جرم کو چھپانے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا، ندامت سے سر جھکا لیا اور پھر اسی طرح اپنے بھائی کی نعش کو سپردِ خاک کر دیا۔

حسد بدترین گناہ اگر آپ غور فرمائیں تو ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ قابیل کا حسد تھا وہ یہ دیکھ کر جل بھن گیا کہ ہابیل کی بیوی میری بیوی سے زیادہ حسین کیوں ہے اور اس کا حسد میں مبتلا ہونا اسے قتل ناحق جیسے گناہِ کبیرہ تک لے گیا۔ شیطان نے حسد کیا تو وہ کفر تک جا پہنچا اور قابیل نے حسد کیا تو وہ قتلِ ناحق تک جا پہنچا۔ گویا دنیا میں انسان کے آباد ہونے سے پہلے جو سب سے پہلا گناہ کیا گیا وہ حسد اور تکبر تھا اور زمین پر انسان کے آباد ہونے کے بعد جو سب سے پہلا گناہ کیا گیا وہ بھی حسد تھا۔ حسد وہ بیماری ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا ڈالتی ہے۔

حافظ سید وارث علی شاہ ایک بزرگ گزرے ہیں انہوں نے ایک عجیب

نکتہ بیان کیا ہے ان سے کسی نے پوچھا کہ ۷۳ فرقوں میں ناجی فرقہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا "جس میں حسد نہ ہو اور حسد کے ۷۲ عدد نکلتے ہیں"

جمل کے حساب سے حسد کے ۷۲ عدد بنتے ہیں یعنی "ح" کے ۸ "س" کے ۶۰ اور "د" کے ۴۔ یہ سب مل کر کُل بہتّر ہوئے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۷۲ فرقے جو دوزخی ہوں گے ان میں حسد ہوگا اور ایک فرقہ جو حسد سے پاک ہوگا وہی ناجی ہوگا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ فرقہ واریت کی وجہ بھی ایک دوسرے سے حسد ہے۔

اہم سبق | اس واقعہ سے ہمیں جو نواں سبق حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث بتاتی ہے کہ دنیا میں جتنے قتل قیامت تک ہوں گے ان سب کے گناہ میں قابیل برابر کا شریک ہوگا۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا کَانَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ کِفْلٌ مِنْ دَمِھَا لِاَنَّہٗ کَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جب بھی کوئی ظلم سے قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدم کے پہلے بیٹے قابیل کی گردن پر ضرور ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتداء کی اور یہ ناپاک سنت جاری کی۔

یہی بات قرآن حکیم سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] مسند احمد

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ	اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ
اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا	جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ	کے یا بغرض فساد کرنے کے ملک میں تو گویا
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ	قتل کر ڈالا ان سب لوگوں کو اور جس نے
مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا	زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا
النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ[1]	سب لوگوں کو۔

سورۂ مائدہ کی بیان کردہ آخری آیت اور مسند احمد کی یہ حدیث ہم پر یہ حقیقت آشکارا کرتی ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں ہرگز کسی گناہ کی ایجاد نہ کرنی چاہیے تاکہ وہ کل کو بدکاروں اور ظالموں کے لئے ایک نئے حربہ کا کام نہ دے ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات میں جو شخص بھی آئندہ اس بدعت کا اقدام کریگا تو بانیٔ بدعت بھی اس گناہ کا حصہ دار بنتا رہے گا اور موجد ہونے کی وجہ سے ابدی ذلت وخسران کا مستحق ٹھہرے گا۔ گناہ بہرحال گناہ ہے لیکن گناہ کی ایجاد موجد کے لئے ہمیشہ کا وبال سر سے باندھ دیتی ہے۔

اصل مقام سیدنا آدم علیہ السلام کے قصہ میں ہمارے لئے جو دسویں روشنی اور نصیحت ہے وہ یہ ہے کہ انسان کا اصل مقام جنت ہے انسانوں کے جدِ امجد کو کچھ روز کے لئے جنت میں رکھ کر اور وہاں کی راحتوں، نعمتوں اور آسائشوں کا مشاہدہ کروا کر یہ بتا دیا گیا کہ آپ جب دنیا کی نعمتوں کو جنت کی نعمتوں کے ساتھ موازنہ کروگے تو جان لوگے کہ دنیا کی ہر شئ جنت کی ہر شئ کے مقابلہ میں ہیچ بلکہ لاشئ ہے۔ لہٰذا اے اولادِ آدم! دنیا کے حسن پر، اس کی ظاہری کشش اور لذت پر فریفتہ نہ ہوجانا بلکہ اپنے اصلی مقام کو یاد رکھنا اور اس سیدھے راستے پر چلتے رہنا

---

[1] سورۃ المائدۃ

جو تمہیں واپس جنت میں لے جائے۔ اگر تم نے اس سیدھے راستے کو چھوڑ کر ٹیڑھے میڑھے راستوں پر چلنے کی کوشش کی تو نہ صرف یہ کہ تم اصلی گھر (جنت) میں واپس نہیں جاسکو گے بلکہ ممکن ہے کہ تم اللہ کے دشمنوں اور مردودوں کے گھر یعنی جہنم میں جا پہنچو۔ قرآن حکیم میں ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اھْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ ھُدًى فَمَنْ تَبِعَ ھُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ)	پس (آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے پس اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا آدم کی طرف مہربانی کے ساتھ بیشک وہ رجوع کرنے والا بے حد مہربان ہے۔ ہم نے کہا تم سب اتر جاؤ پس جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے گی پس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ غم کھائیں گے، اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

میرے بزرگو اور دوستو! یوں تو انسانی تاریخ کے اس پہلے قصہ میں عبرت کے کئی ایک دوسرے پہلو بھی ہیں مگر میں نے اختصار کے ساتھ صرف اسباق اور عبرتیں بیان کی ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تکبر اور حسد سے اور ان کے علاوہ بھی تمام قلبی امراض سے پاک فرمائے۔ مولا کریم، شیطان اور اس کے وساوس سے ہماری حفاظت فرمائے ہمیں صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے سچی توبہ کی توفیق نصیب فرمائے، ہمیں فراوانی کے ساتھ رزقِ حلال عطا فرمائے اور ہمیں اپنے اصلی ٹھکانے

یعنی جنّت میں لے جانے والے اعمال کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمیں قرآن کریم کے بیان کردہ ہر واقعہ سے، ہر تمثیل سے، ہر سرگذشت سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی سعادت بخشے

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

اپنی حالت کے مطابق چاہیے طرزِ عمل
اس سے کیا ہوتا ہے باپ دادا نوحؑ[1] اور فغفور تھے
اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں
پاس گو بیٹھے تھے لیکن ان کے دین سے دور تھے

[1] بتغیر یسیر

ہمارے ہاں بے شمار گدی نشیں، پیرزادے اور صاحبزادے ایسے ہیں جن کے اندر ذاتی کمال کچھ نہیں بلکہ کمال کے بجائے ان کے اندر بے شمار عیوب پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض مُرغوں، کُتّوں اور ریچھوں کی لڑائیاں کراتے ہیں، ڈاکے ڈلواتے ہیں، اغوا کراتے ہیں، رنڈیوں کے مُجرے کرواتے ہیں، نماز روزے کے قریب نہیں جاتے۔ مگر سجادہ نشینی کی بنیاد پر وہ زمانہ کی قیادت اور امامت کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔

ہائے انسان اور اس کی ناقص عقل اور ناقص تدبیریں! اس کی نظر ہمیشہ ظاہری اسباب پر رہتی ہے، وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ جب مسبّب الاسباب کا حکم آتا ہے تو اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، وہ جب حکم دیتا ہے تو بچانے والے اسباب ہلاکت کا سامان بن جاتے ہیں، وہ جب حکم دیتا ہے تو صحراؤں کو گلشن بنانے والی بارش تباہی کا پیغام بن جاتی ہے، اس کی جب مرضی ہوتی ہے تو وہ اسباب سے تاثیر سلب کر لیتا ہے، وہ قادر ہے، وہ آفتاب سے روشنی اور ماہتاب سے چاندنی سلب کر سکتا ہے، وہ گردشِ دوراں روکنے پر قادر ہے، وہ زمین و آسمان کو پلٹنے پر قادر ہے۔ مگر انسان بڑا نادان ہے، حقیقی اور ابدی مالک کو چھوڑ کر مصنوعی اور عارضی وسائل پر یقین جما لیتا ہے وہ ڈوبنے لگتا ہے تو تنکوں کا سہارا لیتا ہے۔ اس کے گلشن کو آگ لگتی ہے تو پتوں سے امید رکھتا ہے کہ وہ اس آگ کو بجھا دیں گے لیکن ہوتا اس کے برعکس ہے۔

طوفانِ نوحؑ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّىْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ
اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ۝ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ
وَاَطِيْعُوْنِ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ
وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ
لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالَ
رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا
وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ
اِلَّا فِرَارًا (نوح ع ۱)

ہم نے بھیجا نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف کہ
ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے ان پر عذاب
دردناک، بولا اے میری قوم میں تم کو واضح
طور پر ڈراتا ہوں۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اور
اسی سے ڈرو اور میرا کہا مانو تا کہ وہ تمہارے
کچھ گناہ بخش دے اور ڈھیل دے
تم کو ایک مقررہ وعدہ تک۔ وہ جو وعدہ
کیا ہے اللہ نے جب آپہنچے گا تو اس میں
مزید تاخیر نہ ہوگی اگر تمہیں کچھ سمجھ ہے۔
بولا (نوحؑ) اے میرے رب میں بلاتا
رہا اپنی قوم کو دن رات، پھر میرے بلانے
سے اور زیادہ بھاگنے لگے۔

گرامی قدر حاضرین ! حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جنہیں رسالت عطا کی گئی، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو توحید کی تعلیم دی تھی اور وہ عرصہ تک اسی تعلیم پر قائم رہے لیکن پھر وہ رفتہ رفتہ شرک کرنے لگے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان کے شرک کرنے کی اصل وجہ غلو تھا، غلو کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی عقیدت و محبت میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ سورۂ نوح میں ان کے جن پانچ بتوں یعنی ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کا ذکر کیا گیا ہے یہ حقیقت میں ان کے نیک اور عبادت گذار بزرگوں کے نام تھے۔ اور یہ بات بخاری شریف میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں موجود ہے۔ لیکن ان نیک لوگوں کے ساتھ عقیدت و محبّت میں غلو نے ان لوگوں کو گمراہ کردیا۔ پہلے پہل وہ ان کو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے رہے لیکن آہستہ آہستہ انھوں نے ان کو معبود ٹھہرالیا۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کو غلو سے بچنے کی تلقین کی ہے کیونکہ جو قوم اور جو فرد غلو کا شکار ہو جائے اس کا گمراہی سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ غلو کسی بھی چیز میں ہو اچھا نہیں ہے، مال کمانے میں غلو ہو، مال خرچ کرنے میں غلو ہو، عقیدت و محبت میں غلو ہو، نفرت میں غلو ہو، دوستی میں غلو ہو، دشمنی میں غلو ہو۔ یہاں تک کہ اگر عبادت میں بھی غلو ہو تو جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے عبادت میں اتنا غلو کیا کہ بیوی بچوں کو بھول گیا، بوڑھے والدین سے کنارہ کشی کرلی، بچے در بدر ٹھوکریں کھارہے ہیں اور اسے پرواہ نہیں تو اس غلو کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اگر توحید میں ایسے غلو کرے کہ انبیاء، صلحاء اور اولیاء کی تحقیر کرنے لگے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیطان اس قسم کے غلو کا شکار ہوا تھا۔ اسے جب آدم علیہ السلام کو

سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے جواب دیا اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرسکتا اس نے یہ نہ دیکھا کہ حکم دینے والا کون ہے، بس اڑ گیا کہ میں تو انسان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتا، تو یہ بھی غلو ہے۔

اسی طرح اگر اولیاء کے بارے میں غلو کرے اور انہیں انبیاء کی صف میں لا کھڑا کرے یا انبیاء کی عقیدت و محبت میں غلو کرے اور انہیں اللہ کا ہم پلہ قرار دے دے تو بھی غلو ہے اور ناجائز و حرام ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اس قسم کے غلو کا شکار ہوگئی تھی اور ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جو حقیقت میں اللہ کے نیک بندے تھے، ان کو انہوں نے معبود بنا لیا اور ان کی مورتیوں کے سامنے ماتھا ٹیکنے لگے اور ان سے اپنی مرادیں مانگنے لگے۔

ہٹ دھرمی حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی کہ جو بندہ ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا، جو ساجد ہو وہ مسجود نہیں ہوسکتا، جو مملوک ہو وہ مالک نہیں ہوسکتا، جو مالک ہو وہ حاجت روا نہیں ہوسکتا، جو خود مشکلات کی زد میں ہو وہ مشکل کشا نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ ہٹ دھرمی پر تُل گئے اور آپ کی دو اور دو چار کی طرح واضح بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی، اور سمجھ آتی بھی کیسے، ضد، تکبر، ہٹ دھرمی، اور شرک نے ان کی عقل پر پردہ نہیں بلکہ پردے ڈال دیئے تھے اور اگر مشرکوں کی نفسیات کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر مشرک ایسے ہی ہوتے ہیں اگرچہ وہ دنیا کے بارے میں چالاک اور ہوشیار ہوں لیکن دین کے معاملے میں عقل سے پیدل اور شعور سے خالی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا یَشْعُرُوْنَ کہ یہ شعور نہیں رکھتے حالانکہ شعور تو ایک ایسی چیز ہے جو حیوان بھی رکھتے ہیں، اونٹ، بیل اور گدھے کو بھی شعور ہوتا ہے لیکن مشرک علم سے تو خیر کورا ہوتا ہی ہے وہ شعور سے بھی خالی ہوتا ہے۔

وہ ایک مشرک کی کہانی مشہور ہے کہ اس نے بُت بنا سجا کر رکھا ہوا تھا اور اس کے سامنے سر جھکائے رہتا تھا ایک دن کام سے اِدھر اُدھر ہوا تو کہیں سے کُتا نکل آیا اسے پیشاب نے ستایا ہوا تھا، اس نے ٹھیک کھوپڑی کا نشانہ باندھ کر فراغت حاصل کرلی۔ یہ بیوقوف مشرک سارا منظر دیکھ رہا ہے مگر کہتا کیا ہے، ہائے میرے بھگوان آپ کتنے مہربان ہیں کتا سر پر پیشاب کر رہا ہے مگر آپ خاموش ہیں اس سے انتقام بھی نہیں لے رہے۔

تو مشرک اصل میں ہٹ دھرمی، حماقت اور اپنی آباء پرستی کی وجہ سے شرک سے باز نہیں آتا ورنہ ایسا انسان جس کی عقل زنگ آلود نہ ہو چکی ہو اور جو سچی بات اور صحیح پروگرام کو ماننے کا حوصلہ رکھتا ہو وہ شرک نہیں کر سکتا حضرت نوحؑ کی قوم بھی ہٹ دھرمی کا شکار ہوگئی۔ اگرچہ عوام میں سے بعض عقیدۂ توحید ماننا چاہتے تھے مگر ان کے سردار آڑے آگئے اور انہوں نے ہر گلی کوچے میں اعلان کر دیا:

لَا تَذَرُنَّ وُدًّا وَّلَا	اور وہ سردار (اپنی عوام سے) کہنے لگے
سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَلَا يَعُوْقَ	ہرگز نہ چھوڑنا ودّ، سواع، یعوق اور
وَنَسْرًا (نوح - ع ۲)	نسر کو۔

سرداروں کی سوچ اور یہ جو سرداروں نے مخالفت اور عداوت کا راستہ اختیار کیا اور نہ تو خود ہدایت کا پروگرام قبول کیا اور نہ اپنی بساط کے مطابق کسی اور کو قبول کرنے دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ توحید کا پروگرام اگر ہمارے عوام نے قبول کر لیا تو ہماری سرداریاں اور چودھراہٹیں ختم ہو جائیں گی ہمیں کوئی نہیں پوچھے گا، ہمارے سامنے کوئی نہیں جھکے گا ہمارا حکم کوئی نہیں مانے گا کیونکہ عقیدۂ توحید انسان کو سب سے

توڑ کر اللہ سے جوڑ دیتا ہے۔ موحد انسان اسی سے جوڑتا ہے جس سے جوڑنے کا حکم اللہ دیتا ہے اور ہر اس فرد سے رشتہ توڑ ڈالتا ہے جس سے توڑنے کا اللہ کا حکم دیتا ہے۔ صحابہؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے انہیں جب ایمانی فرض نے پکارا تو خون کے رشتے چھوڑ دیئے اور ایمانی رشتوں پر اپنا سب کچھ قربان کر لیا۔

عقیدۂ توحید میں اللہ نے تاثیر ہی کچھ ایسی رکھی ہے کہ جب وہ پوری طرح کسی کے دل میں بیٹھ جاتا ہے تو اس کی شخصیت بدل جاتی ہے، موحد میں ان دیکھی طاقت آجاتی ہے وہ بڑی سے بڑی شخصیت بلکہ جماعتوں سے ٹکرانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، وہ کسی صاحبِ اقتدار اور سردار و سرمایہ دار کو خاطر میں نہیں لاتا۔ جس سوسائٹی میں توحید کا پروگرام عام ہو جاتا ہے وہاں شخصیتوں کے بت ٹوٹ جاتے ہیں اور مصنوعی عظمتوں کے مینار زمیں بوس ہو جاتے ہیں۔

بس یہی خطرہ حضرت نوحؑ کی دعوت سے سرداروں کو لاحق تھا۔ انہوں نے توحیدی پروگرام کی اشاعت کو روکنے کے لئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کیا اور کمینی حرکتوں پر اتر آئے۔ انہوں نے کبھی تو آپ کی ذات کو نشانہ بنایا اور کہا کہ آپ کوئی انوکھی شخصیت تو نہیں ہیں۔ بس ہمارے جیسے ایک انسان ہی ہیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ رسول انسان نہیں بلکہ کوئی ماورائی مخلوق ہوتا ہے وہ کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے، بشری عوارض لاحق نہیں ہوتے، وہ کرشمے دکھلاتا ہے اور اس سے عجائبات صادر ہوتے ہیں۔ سرداروں نے کہا:

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ (ھود ع ۳)	اس قوم کے سرداروں نے جس نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، کہا ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ تم ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو۔

جب سردار یہ دیکھتے کہ چند گنے چنے لوگ حضرت نوحؑ کی اتباع کرنے والے ہیں وہ قوم کے غریب اور کمزور افراد ہیں تو بڑی حقارت سے کہتے کہ ہم ان کی طرح نہیں کہ تیری بات مان لیں اور تجھے اپنا مقتدا مان لیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ تھرڈ کلاس کے لوگ ہیں یہ اچھا بھلا سوچنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اگر نوح کے پیغام میں کوئی سچائی اور بھلائی ہوتی تو اسے ماننے میں اونچی سوسائٹی کے لوگ پیچھے نہ رہتے۔ گویا وہ سچائیوں اور بھلائیوں کو بھی اپنی میراث سمجھتے تھے۔ اور ماتھے پر بل ڈال کر کہتے تھے :

مَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ	ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری
بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ ۝	نہیں پاتے بلکہ تمہیں ہم جھوٹا سمجھتے ہیں۔

اس اعتراض میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ ہم ان غریبوں کے ساتھ ایک مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے اور ان کی موجودگی میں ہم آپ کی بات سننے کو تیار نہیں ہیں، مشرکینِ مکہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہا تھا اور جب ایک موقع پر آپؐ نے بعض مشرک سرداروں کی موجودگی کی وجہ سے ایک نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم سے وقتی طور پر اعراض کیا تو اس پر تنبیہاً یہ آیات نازل ہوئیں :

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۝ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ۝	(آپ) چیں بجبیں ہو گئے اور منہ پھیر لیا
وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰٓی ۝	اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا آیا، اور
اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی ۝	آپ کو کیا خبر شاید کہ وہ سنور ہی جاتا
اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۝ فَاَنْتَ	یا نصیحت قبول کر لیتا اور اس کو نصیحت
لَہٗ تَصَدّٰی ۝ وَمَا عَلَیْکَ	کرنا فائدہ ہی پہنچاتا سو جو شخص (دین سے)
اَلَّا یَزَّکّٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ	بے پروائی کرتا ہے، آپ اس کی تو فکر میں

جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ

(عبس - ۱۴)

پڑ جاتے ہیں، حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے، اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خشیت رکھتا ہے، تو آپ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں، ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن مجید تو ایک نصیحت ہے، سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے

انبیاء کی سیرتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ ان کی اتباع و نصرت میں ہمیشہ غرباء اور کمزور افراد پیش پیش رہے کیونکہ انہیں انبیاء علیہم السلام کے پروگرام میں اپنا صحیح مقام اور حقوق زندہ ہوتے دکھائی دیتے تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ ظالم سرداروں، فرعونوں اور قارونوں سے نجات بھی ملتی نظر آتی تھی۔ آج بھی یہی پروگرام پسے ہوئے انسانوں کو یورپ کے فرعونوں سے نجات دے سکتا ہے۔

نوح علیہ السلام کا جواب

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے گھسے پٹے اعتراضات کے جواب میں ارشاد فرمایا

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ

نوح نے کہا اے میری قوم کیا اس بات پر بھی تم نے غور کیا اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیلِ روشن پر ہوں اور اس نے اپنے حضور سے ایک رحمت بھی مجھے بخش دی ہو (راہِ حق دکھا دی ہو) مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے تو کیا ہم جبراً تمہیں وہ راہ

لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ○ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

(هود ع ۲)

دکھلادیں حالانکہ تم اس سے بیزار ہو، لوگو! میں جو کچھ کر رہا ہوں اس پر تم سے مال کا طالب نہیں، میرے اس کام کا جو کچھ بدل ہے اللہ پر ہے، اور یہ جان لو جو لوگ ایمان لائے ہیں میں انہیں اپنے پاس سے دھتکارنے والا نہیں انہیں بھی اپنے پروردگار سے ایک دن ملنا ہے لیکن تم (حقیقت میں) ایک جاہل جماعت ہو۔ اے میری قوم تم مجھے بتلاؤ اگر میں انہیں اپنے پاس سے نکال باہر کروں تو اللہ کے مقابلے میں کون میری مدد کریگا ؟ کیا تم غور نہیں کرتے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ میرا یہ دعوٰی ہے کہ میں فرشتہ ہوں میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، اللہ انہیں بھلائی نہیں دے گا (جیسا کہ تمہارا اعتقاد ہے) اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے (اگر میں تمہاری خواہش کے مطابق کروں کہ انہیں چھوڑ دوں) تو میں ظالموں میں سے ہوں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان دونوں اعتراضات کا جواب دے دیا فرمایا ہاں مجھے اقرار ہے کہ میں بشر ہوں، میرے پاس خزانے نہیں، میں غیب کا علم نہیں جانتا، مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ نہیں ہے، لیکن میرے پاس میرے رب کی عطا کردہ روشن دلیل ہے اور اللہ نے مجھ پر اپنی خصوصی رحمت نازل کی ہے مجھ پر وحی آتی ہے میرے سینے کو اس نے ان علوم کے لئے کھولا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہیں اور جس پر وحی نازل ہو جائے وہ انسان ہوتے ہوئے بھی انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے وہ سیرت کا اجالا ہوتا ہے وہ کردار کا سویرا ہوتا ہے، وہ سچائی کا ہمالہ ہوتا ہے، وہ علم کا سمندر ہوتا ہے، وہ تقویٰ کا معیار ہوتا ہے، وہ حقائق کا علمبردار ہوتا ہے، وہ یتیموں، بے کسوں کا غمخوار ہوتا ہے، وہ فطرت کا شاہکار ہوتا ہے، وہ انسانوں کا سردار ہوتا ہے، وہ انسانیت کی پیشوائی کے لئے آتا ہے، زمانہ اس کا مقتدی اور وہ مقتدیٰ ہوتا ہے۔

ان کے دوسرے اعتراض کے جواب میں صاف صاف بتا دیا کہ میں تمہارے کہنے پر ان غریب اور کمزور انسانوں سے تعلق نہیں توڑوں گا نہ ہی اپنی مجلس سے انہیں ہٹاؤں گا، جانتے ہو یہ اللہ کو کتنے پیارے ہیں ان کے کھردرے ہاتھ اللہ کو پسند ہیں، ان کے پھٹے ہوئے کپڑوں پر اسے رحم آتا ہے، ان کی سیدھی سادھی صورتوں پر حوروں کا حسن قربان کیا جا سکتا ہے، اگر میں انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دوں تو اللہ کے مواخذہ سے کون مجھے بچائے گا۔

اور ساتھ ساتھ وہ بات بھی کہہ دی جو ہر پیغمبر اپنی قوم سے کہتا آیا ہے۔ یعنی مجھے مال کی ہوس نہیں، مجھے معاوضے کی خواہش نہیں میری اجرت

کی ادائیگی کا وعدہ تو اللہ کر چکا ہے۔ اور میں اسی سے امید رکھتا ہوں تم سے نہ امید ہے نہ کوئی لالچ ہے۔

اصل میں دنیا دار لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ اللہ کا کوئی بندہ مادی مفادات کے بغیر بھی کوئی دعوت دے سکتا ہے یا قربانی دے سکتا ہے۔ وہ ہر داعی کو پہلے پہل مادیت کے ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے پرکشش ترغیبات کے ذریعے راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے آقا کو بھی کچھ لوگوں نے دولت کے ترازو میں تولنا چاہا تھا میرے آقا نے صاف صاف فرمادیا کہ اے سونے چاندی کے چند ٹھیکروں سے نبی کا مول لگانے والو! اگر تم آسمان سے سورج چاند بھی توڑ کر میرے دائیں بائیں ہاتھ پر رکھ دو تو بھی میں نہیں بک سکتا۔ میں انمول ہوں اور میری دعوت بھی انمول ہے، اس کا مول لگایا ہی نہیں جا سکتا۔

مادیت کی اس سوچ کی وجہ سے اللہ کا ہر نبی ڈنکے کی چوٹ کہتا رہا ہے کہ میں سیم وزر کا طلبگار نہیں ہوں، میں تو اُن سینوں کا متلاشی ہوں جو نورِ ایمان کو جگہ دے سکیں۔

یہاں یہ بات بھی سُن لیں کہ اللہ کے پیغمبر اپنی معاشی ضروریات محنت اور مزدوری سے پوری کرتے رہے ہیں۔ کسی نے بکریاں چرائیں، کسی نے کاشت کاری کی، کسی نے آہن گری کا کام کیا، کسی نے زنبیلیں تیار کیں، کسی نے تجارت کی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی نذرانوں کا امید وار نہیں رہا، بلکہ صاف صاف بتاتا رہا ہے کہ مجھے تمہارے نذرانے [illegible] نہیں ایمان لانے کی آرزو ہے

[illegible] کی استقامت باوجودیکہ ان سے نہ اُجرت کا سوال تھا، نہ [illegible] کی طلب تھی، لیکن وہ کسی طور آپ کی بات ماننے کے لیے

تیار نہیں ہوئے بلکہ ان کے تمرد اور سرکشی میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا لیکن آپؑ نے پوری استقامت کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور دو چار، دس، بیس، پچاس سو برس نہیں بلکہ پورے ساڑھے نو سو سال دعوت دیتے رہے دن دیکھا نہ رات، صبح دیکھی نہ شام نہ گرمی نہ سردی، نہ بہار، نہ خزاں ہر وقت دعوت ہر شخص کو دعوت اور ایک ہی بات کی دعوت " اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝ "

"اللہ ہی کی عبادت کرو اسی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

آپ نے دعوت دینے میں حد کر دی اور قوم نے نفرت کرنے میں حد کر دی۔ کبھی آپ کو آتا ہوا دیکھتے تو چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ دیتے کہ معاذ اللہ ہم تیری شکل ہی دیکھنا نہیں چاہتے، آپؑ بات کرنا چاہتے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ ہم تیری آواز ہی نہیں سننا چاہتے آپؑ پر آوازے کستے، تمسخر اڑاتے، مار پیٹ سے بھی باز نہ آتے لیکن آپؑ اپنا کام کرتے رہے۔

حاضرینِ گرامی! اندازہ لگایئے کہ داعی میں کتنی استقامت ہو[illegible] چاہیئے وہ داعی ہی کیا جو دو چار باتیں سن کر ٹھنڈا ہو جائے اور [illegible] اندر مصائب کو برداشت کرنے اور طعنے سننے کی سکت ہی نہ ہو، سا[illegible] نو سو سال زبان سے کہہ دینا آسان ہے مگر کوئی شخص نو سال بلکہ [illegible] مہینے بلکہ نو ہفتے بھی ان مصائب کا سامنا تو کر کے دیکھے جن کا سامنا [illegible] جلیل القدر پیغمبر حضرت نوحؑ نے کیا، ذرا ان آیات میں تو غور [illegible] کتنی بے چارگی اور بے بسی کے ساتھ اپنا معاملہ اللہ کے حضور [illegible] کرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ	بولے (نوح) اے میرے رب بلاتا
لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ	رہا (تیری طرف) میں اپنی قوم کو رات دن
دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ۚ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا	پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے
دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا	لگے، اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تاکہ
اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ	تو انہیں بخشے، اپنے کانوں میں انگلیاں
اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا	ڈالنے لگے اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے
وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ ثُمَّ	اور ضد کی اور غرور کیا بہت زیادہ غرور
اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ۙ ثُمَّ اِنِّیۡۤ	پھر میں نے ان کو برملا بلایا اور میں نے
اَعۡلَنۡتُ لَہُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ	انہیں واضح طور پر کہا اور اکیلے میں آہستہ
اِسۡرَارًا ۙ فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا	سے بھی کہا، کہ گناہ بخشواؤ اپنے رب سے
رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ۙ	بے شک وہ بخشنے والا ہے۔

استغفار کی برکتیں | اور پھر یہ خوشخبری بھی سنائی کہ استغفار کروگے تو اللہ رحمتوں کی بارش کرے گا

یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ۙ	کہ چھوڑ دے آسمان تم پر دھاریں۔ اور
وَّ یُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ	بڑھتی دے تم کو مال اور بیٹوں سے اور
لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا ؕ	بنادے تمہارے لئے باغ اور نہریں۔

غالباً حسن بصریؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور رزق کی تنگی کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ کثرت سے استغفار کرو، دوسرے نے قحط سالی کی بات کی آپ نے اسے بھی کثرتِ استغفار کا حکم دیا، تیسرے نے اولاد ہونے کا وظیفہ دریافت کیا آپ نے اس کو بھی بار بار استغفار کرنے کی تلقین کی کسی شاگرد نے بعد میں پوچھا حضرت کیا بات ہے کہ سائلین

مختلف تھے لیکن آپ نے سب کو ایک ہی وظیفہ بتلایا، فرمایا کہ تم نے سورۂ نوح میں نہیں پڑھا، اللہ تعالیٰ نے استغفار کرنے پر بارش کا بھی وعدہ فرمایا ہے مال و اولاد کی بشارت بھی سنائی ہے۔

حضرت نوحؑ کی ان بشارتوں کا مشرکوں پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ وہ اُلٹا چیلنج کرنے لگے

قَالُوا يٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَكۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا يَاۡتِيۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ اِنۡ شَآءَ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ

وہ (مشرکین) کہنے لگے اے نوح تم نے ہم سے بہت جھگڑا کر لیا "اس کو ختم کر" اور جو تو نے ہم سے (عذاب الٰہی کا) وعدہ کیا ہے وہ لے آ اگر تو سچا ہے نوحؑ نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو اس عذاب کو لے آئے گا تم اس کو ٹالنے والے نہیں ہو۔

(ھود - ع ۳)

شکستہ دل کی دُعا اب ایک طرف قوم کے ساتھ پڑنے والا سابقہ اور تجربہ تھا جو اس حقیقت کا اعلان کر رہا تھا کہ ان میں سے اب کوئی بھی ایمان لانے والا نہیں ہے ساڑھے نوسو سال کی طویل محنت، شب و روز کی دعوت اور ان کی طرف سے ہر ہر مرحلے پر شدت کے ساتھ مخالفت اور نفرت ہر چیز ان کی بدبختی اور شقاوت میں اضافہ ہی کر رہی تھی، حوصلہ مند پیمبر کے دل کو کتنی ٹھیس پہنچتی ہوگی جب دعوت کے جواب میں مخالفت محبت کے جواب میں نفرت اور دعاؤں کے جواب میں پتھروں کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا۔ دوسری طرف علام الغیوب نے اپنے صاحبِ عزم رسول کے ٹوٹے ہوئے دل اور پریشان طبیعت کو تسلی دینے کیلئے فرما دیا:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○

اور نوح پر وحی کی گئی کہ جو ایمان لے آئے وہ لے آئے اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں پس ان کی حرکات پر غم نہ کیجئے۔

(ھود۔ع ۴)

ایک طرف اپنا تجربہ دوسری طرف علام الغیوب کا اعلان اب تو ان سنگدلوں سے قبولیت کی کوئی امید ہی باقی نہ رہی چنانچہ شکستہ دلی کے ساتھ ربِ منتقم کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا دیئے۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ○

اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دیگا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔

اے اللہ اب ان کا وجود دھرتی پر بوجھ اور انسانیت کے لئے ناسور بن چکا ہے۔ ناسور انسان کو لاحق ہو جائے یا انسانیت کو اس کی جڑ کاٹ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

شکستہ دل کی دعا تھی کیونکر نہ قبول ہوتی۔ اس ذات کا تو اعلان ہے کہ شکستہ دلوں کی دعا اور میرے درمیان کوئی حجاب نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں۔ وہ براہِ راست مجھ تک پہنچ جاتی ہے

شکستہ دل پیغمبر کی دعا قبول کر لی گئی اور اعلان کر دیا گیا اب مشرکوں اور ظالم سامراجیوں کے وجود سے زمین کے سینہ کو پاک کر دیا جائے گا اور ایسا عذاب نازل ہوگا جو رہتی دنیا تک عبرت کا پیغام بن جائے گا کہ جب بھی کوئی قوم سچائی اور

حقیقت کے پروگرام کو ٹھکرائے گی اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کی گرفت میں دیر ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں ہوگا۔

مگر اس ہولناک عذاب کی تباہ کاریوں سے اپنے ان ماننے والوں کو تو بچانا تھا، جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رکھا اور دعوت کا کام کسی نہ کسی رُخ سے کرتے رہے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ جو لوگ گلے سڑے معاشرے میں دعوت کا کام چھوڑ دیتے ہیں اور صرف اپنی ہی فکر میں لگ جاتے ہیں تو اس گندے معاشرے پر جب عذاب آتا ہے تو یہ بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے چنانچہ انہیں بچانے کے لئے حضرت نوحؑ کو اپنی نگرانی میں کشتی تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ پر صحیح اعتماد اور بھروسہ کے ساتھ ظاہری اسباب کا استعمال توکل کے منافی نہیں بلکہ توکل علی اللہ کے لئے صحیح طریق کار ہے، تب ہی تو طوفانِ نوح سے بچنے کے لئے کشتیِ نوح ضروری ٹھہری۔

سفینۂ نوح:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۞ (ھود - ع ۴)	اے نوح تو ہماری حفاظت میں ہماری وحی کے مطابق سفینہ تیار کئے جا اب مجھ سے ان کے متعلق کچھ نہ کہنا یہ بلاشبہ غرق ہونے والے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کشتی (جہاز) کی تیاری میں لگ گئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں جہاز سازی کی صنعت کا علم دیا گیا تھا جب وہ کشتی بنا رہے تھے تو کفار ہنسی اور مذاق اڑاتے تھے غالباً یوں کہتے ہوں گے "ہاں بھائی نبوّت کا کام تو چلا نہیں اب جہاز سازی کا کام شروع کر دیا۔ اے بھائی اتنی بڑی کشتی یہ چلائیں گے کہاں؟ دوسرا کہتا ہوگا ہمارے گندے تالاب میں چلائیں گے

کبھی کہتے داہ بھئی واہ بہت خوب جب ہم غرق ہونے لگیں تو تم اور تمہارے پیروکار اس میں سوار ہو کر نجات پا جاؤ گے کیا احمقانہ سوچ ہے۔ قرآن میں ہے

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ تف وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

وہ (نوح) کشتی بناتے تھے اور گزرتے تھے جب بھی ان کے پاس سے ان کی قوم کے سردار ہنسی کرتے ان سے کہا (نوح نے) اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو ہم بھی اسی طرح تم سے مذاق کریں گے عنقریب تم جان لوگے کس پر آتا ہے رسوا کن عذاب ایسا عذاب جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

کافی دنوں کی مسلسل محنت کے بعد کشتی تیار ہو گئی عذاب کا وقت بھی آپہنچا، عذاب کی پہلی علامت یہ بتلائی گئی تھی کہ زمین سے پانی اُبلنا شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ علامت ظاہر ہوتے ہی آپ نے اپنے پیروکاروں اور اہل خاندان کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیدیا، ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ تمام جانداروں میں ہر ایک کا ایک ایک جوڑا بھی کشتی میں بٹھالو اور آپ اپنی ساڑھے نو سو سالہ ساری پونجی جو تقریباً صرف چالیس افراد پر مشتمل تھی، کو لیکر کشتی میں سوار ہو گئے۔

جب وحی الٰہی کی تعمیل ہو گئی تو اب آسمان کو برسنے اور زمین کو اُبلنے کا حکم ہوا۔ اللہ کے حکم کو زمین آسمان پہاڑ غرض یہ کہ ہر چیز سُنتی بھی ہے اور اس حکم کی تعمیل بھی کرتی ہے چنانچہ آسمان برسے لگا اور زمین کے چشمے اُبلنے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا

یہاں تک جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور سے پانی ابل پڑا تو ہم نے کہا (نوح سے) کہ ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا کشتی میں اٹھالو

مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ
(هود - ع)

اس کے علاوہ کہ جن پر خدا کا فرمان ناطق ہو گیا ہے (کہ انہیں عذاب ہوگا) اپنے اہل کو اور جو تجھ پر ایمان لائے اور وہ بہت تھوڑے تھے۔

اللہ کے حکم سے ہر طرف جل تھل ہو گیا، چڑھتے ہوئے سیلاب نے چوپاؤں کو، انسانوں کو یہاں تک کہ مکانوں اور درختوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا سرکش انسان ڈوبنے لگے اور کشتی امن و سلامتی کا جزیرہ بن کر منہ زور لہروں اور موجوں کے دوش پر تیرنے لگی۔

نافرمان بیٹا حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اور بیوی بھی مشرکوں کی جماعت میں شامل تھے بیٹے کو دیکھا تو شفقتِ پدری غالب آگئی۔ بیٹے کو پکار کر کہا:

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ٥

اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ

لیکن کنعان مادیت پرست تھا اس کی نظر ظاہری اسباب پر تھی اس نے باپ کی محبت آمیز پکار کا جواب بڑی لاپرواہی سے دیا:

سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ

میں کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔

اس نے سوچا پانی کتنا چڑھے گا بہت چڑھا تو مکان ڈوب جائیں گے مگر میں پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیوں پر جا چڑھوں گا اور پانی میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔

ہائے انسان اور اس کی ناقص عقل اور ناقص تدبیریں! اس کی نظر ہمیشہ ظاہری اسباب پر رہتی ہے، وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ جب مسبب الاسباب

کا حکم آتا ہے تو اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں وہ جب حکم دیتا ہے تو بچانے والے اسباب ہلاکت کا سامان بن جاتے ہیں، وہ جب حکم دیتا ہے تو صحراؤں کو گلشن بنانے والی بارش تباہی کا پیغام بن جاتی ہے۔ اس کی جب مرضی ہوتی ہے تو وہ اسباب سے تاثیر سلب کر لیتا ہے، وہ قادر ہے، وہ آفتاب سے روشنی اور ماہتاب سے چاندنی سلب کر سکتا ہے، گردشِ دوران روکنے پر قادر ہے، وہ زمین اور آسمان کو پلٹنے پر قادر ہے مگر انسان بڑا نادان ہے اس حقیقی اور ابدی مالک کو چھوڑ کر مصنوعی اور عارضی وسائل پر یقین جما لیتا ہے، وہ ڈوبنے لگتا ہے تو تنکوں کا سہارا لیتا ہے، اس کے گلشن کو آگ لگتی ہے تو پتوں سے امید رکھتا ہے کہ وہ اس آگ کو بجھا دیں گے حالانکہ ہوتا یوں ہے کہ ؎

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو میرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

جب تقدیر کا پہیہ گھومتا ہے اور اسباب کے خالق کا حکم آتا ہے تو سب کچھ اُلٹ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ عقل بھی اُلٹی ہو جاتی ہے۔ یہی کچھ کنعان کے ساتھ ہوا اس بدبخت[1] کو اس باپ نے کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی جو مخدومِ ملائکہ تھا، جو محبت و شفقت کا پیکر تھا، جو عظیم المرتبت پیغمبر تھا۔ وہ دیکھ بھی رہا تھا کہ کشتی میں امن اور سلامتی ہے لیکن چونکہ عقل اُلٹی ہو گئی تھی اور ربِ ذوالجلال کو پسند بھی نہیں تھا کہ وہ شرک کی نجاست لئے ہوئے پاکیزہ اور موحد انسانوں کے ساتھ سوار ہو اس لئے اس نے آپ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اور ظاہری اسباب کا سہارا لینے لگا کہ اگر پانی بہت بلند ہو گیا تو میں

---

[1] ہم کتنے دھڑلے سے ایک عظیم پیغمبر کے بیٹے کو بدبخت کہہ رہے ہیں۔ اگر اس میں ایمان ہوتا تو اس کی خاکِ پا بھی ہمارے لئے متبرک ہوتی

پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لوں گا یہ طوفان میرا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ پدر محترم نے جواب دیا :

لَاعَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۔ — آج اللہ کے حکم سے بچانے والا کوئی نہیں صرف وہی بچے گا جس پر اللہ کا رحم ہوگا

حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو طوفانی موجوں کی نذر ہوتے اور اپنی بات کو بے اثر ہوتے دیکھا تو بلا ساختہ اپنے رب کو پکارا

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (هود - ع ۴) — پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو بہترین حاکموں میں سے ہے۔

مگر جواب آیا :

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ — اے نوحؑ یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے، یہ بدکردار ہے، پس تجھ کو ایسا سوال نہ کرنا چاہیئے جس کا تجھے علم نہ ہو میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو نادانوں میں سے نہ بن۔

کتنی سخت تنبیہ ہے ان آیات میں اور بات یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے جلیل القدر پیغمبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر اللہ کے تو وہ بندے ہیں اور اللہ کو اختیار حاصل ہے کہ جیسے وہ چاہے اپنے بندوں سے خطاب کرے اور نوح علیہ السلام کی بندگی تو دیکھئے کہ اس تنبیہ کے جواب میں فوراً متوجہ ہوتے ہیں اور معافی کے خواستگار ہوتے ہیں

رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

اے میرے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ جس چیز کے متعلق مجھے علم نہ ہو تجھ سے سوال کروں اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور میرے اوپر رحم نہ کیا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گا۔

صاحبزادگی | اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملا کہ باپ کی بزرگی بیٹے کے کام نہیں آ سکتی اور بیٹے کی عظمت باپ کو نہیں بچا سکتی۔ حضرت نوحؑ کی نبوت و رسالت کنعان کے کسی کام نہ آسکی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت و جلالت آذر کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی، ہر انسان کا اپنا کردار اور عمل ہی اس کی نجات یا ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ اپنے آباء کی عظمت پر اور "پدرم سلطان بود" کے نشے میں مبتلا رہنا قطعاً حماقت ہے۔ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ہر شخص اپنے اپنے ڈھنگ پر کام کرتا ہے۔

ہمارے ہاں بے شمار گدی نشیں، پیرزادے اور صاحبزادے ایسے ہیں جن کے اندر ذاتی کمال کچھ نہیں بلکہ کمال کے بجائے ان کے اندر بے شمار عیوب پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض مرغوں، کتوں اور ریچھوں کی لڑائیاں کراتے ہیں ڈاکے ڈلواتے ہیں، اغوا کراتے ہیں، رنڈیوں کے مجرے کرواتے ہیں، نماز روزے کے قریب نہیں جاتے۔ مگر سجادہ نشینی کی بنیاد پر وہ زمانہ کی قیادت اور امامت کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحبزادگی بہت خطرناک مرض ہے اچھے اچھوں کا دماغ خراب کر دیتی ہے اور ان صاحبزادوں کی وجہ سے مدارس اور خانقاہوں میں عجیب عجیب خرابیاں رونما ہو رہی ہیں۔ سورۂ مریم کی آیت ۵۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ

اور پھران کے بعدان کے ناخلف آئے جنہوں نے نماز چھوڑدی اورمزوں کے پیچھے پڑگئے، عنقریب ایسے لوگ گمراہی میں جاپڑیں گے۔

ہمارے بزرگوں اوراساتذہ کاخیال یہ ہے کہ اس آیت کا اطلاق آج کے صاحبزادگان پربھی ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ "گان و بان" سے تعوّذ فرمایا کرتے تھے لیکن بہت عرصہ یہ راز رہا کہ آخر حضرت کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں اوراس کا معنی اورمقصد کیا ہے ایک بے تکلف نے ہمت کرکے پوچھا تو "گان" کے ضمن میں فرمایا کہ "صاحبزادگان" مراد ہیں۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کی ایک بات بہت مشہور ہے ان سے ایک پرانے دوست بڑے عرصے کے بعد ملنے کے لئے آئے تو آپ نے اپنے خلف الرشید سید ابوذر بخاری سے فرمایا: "حافظ جی چچا آئے ہیں ان سے ملیں" چچانے کہا: "شاہ جی یہ صاحبزادے ہیں" فرمایا: "صاحبزادہ نہیں میرابیٹا ہے" پھر بیٹے سے فرمایا کہ فلاں الماری سے کتاب نکالو۔ جوفارسی زبان میں حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کے ملفوظات تھے ایک مخصوص صفحہ کی نشاندہی فرماکر درج شدہ ملفوظات پڑھنے کا حکم دیا جس کا خلاصہ یہ تھا: "پہلی قومیں عتابِ الٰہی کا شکار ہوتیں توان کے افراد بندراورسوربن جاتے جب کہ اس امت پرصاحبزادگی کی شکل میں عذاب آیا"

کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا صاحبزادہ توتھا، لیکن یہ صاحبزادگی اس کے کسی کام نہ آسکی، کنعان کوصحبتِ بد نے تباہ کردیا تھا اوراکثرو

بیشتر صاحبزادوں کو یہی چیز تباہ کرتی ہے۔ اگر وہ مشرکوں، سامراجیوں، فاسقوں اور بد معاشوں کی صحبت سے بچا رہتا تو شاید اسے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا شیخ سعدیؒ نے خوب کہا ہے ؎

پسرِ نوح بابدان بنشست   خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند   پئے نیکان گرفت مردم شد

✻ ✻ ✻

صحبتِ صالح ترا صالح کند   صحبتِ طالح ترا طالح کند

کہا جاتا ہے کہ جب سیّدہ فاطمہؓ کا انتقال ہوا ابوذر غفاریؓ نے قبر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے قبر جانتی ہو ہم کس ہستی کو تیرے پاس لے کر آئے ہیں۔ یہ فاطمہؓ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہے، علی مرتضیٰؓ کی زوجہ ہے اور حسنینؓ کی والدہ محترمہ ہے۔

قبر نے زبانِ حال سے جواب دیا: میں حسب نسب بیان کرنے کی جگہ نہیں ہوں، میں تو عملِ صالح کے بارے میں پوچھے جانے کی جگہ ہوں۔

چراغ تلے اندھیرا

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جیسے دریا کے آس پاس کی زمین بنجر ہوتی ہے اور جیسے چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات اللہ والوں کی اولاد شیطان کے راستوں پر چل پڑتی ہے اور اہلِ علم کے بچے علم سے کورے رہ جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام صاحبِ شریعت رسول تھے، ساڑھے نو سو سال تک دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے باہر سے تو جو مخالفت ہونی تھی تو وہ ہو کر رہی، گھر کے اندر یہ حال تھا کہ بیٹے نے بھی بات نہ مانی اور بیوی بھی مشرکین کا ساتھ دینے سے باز نہ آئی۔

یہاں ایک بات اور بھی سن لیں علماء نے لکھا ہے کہ انبیاء کی بیوی کافرہ مشرکہ تو ہو سکتی ہے لیکن بدکردار نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کسی پیغمبر اور نبی کی بیوی ان کے حبالۂ عقد میں رہتے ہوئے خائن عصمت ہو اور نبی اور رسول اس کی حرکت سے غافل رہے، اس لئے کہ اگر کسی نیک اور صالح انسان کی بیوی شوہر سے چھپ کر اس قسم کی بدعملی میں مبتلا ہو جائے تو یہ ممکن ہے۔ کیونکہ وہ ناواقف رہ سکتا ہے اور جب تک اس کے علم میں یہ بدعملی نہ آئے اس کی ثقاہت اور تقویٰ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مگر ایک نبی اور رسول کا معاملہ اس سے جدا ہے، اس کے پاس صبح و شام ایک خدائے برتر کی وحی آتی ہے اور وہ خدائے برتر کی ہمکلامی سے مشرف ہوتا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کے گھر میں ایک فاحشہ اور زانیہ اس کی رفیقۂ حیات بھی رہے اور خدا کی وحی اس سے قطعاً خاموش ہو۔

خدا کے برگزیدہ پیغمبر جب اصلاح و ہدایت کے لئے بھیجے جاتے ہیں تو ظاہری و باطنی ہر قسم کے عیوب سے معصوم اور پاک رکھے جاتے ہیں تاکہ کوئی شخص بھی ان کے حسب و نسب اور اخلاق و معاشرت پر نکتہ چینی نہ کر سکے، لہٰذا یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی اور رب اکبر کی ہمکلامی کے مدعی کے گھر میں بداخلاقی کا جرم مستقل ہو رہا ہو اور اس کو بے خبر اور غافل چھوڑ دیا جائے۔

ہمارے سامنے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا واقعہ دلیل راہ ہے، ان ہوئی کو ہوئی کرنے والوں اور بے پر کی اڑانے والوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک نے بھی سنا چند روز بدبخت و خوش بخت بننے والوں کے لئے آزمائش کے بھی ملے مگر آخر کار وحی الٰہی نے معاملے کو اس طرح صاف کر دیا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو کر رہ گیا۔

کفر بلاشبہ سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے لیکن وہ معاشرتی اور اخلاقی

بول چال میں بداخلاقی اور فحش نہیں ہے بلکہ ایک عقیدہ ہے جو عقیدۂ بد کہلانے کا مستحق ہے، اس لئے بعض اسلامی مصالح کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کی شریعتوں اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں کافر سے مناکحت کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا البتہ مدنی زندگی کے دور میں قرآنِ عزیز کی نص نے مشرک و مسلم کے درمیان رشتۂ مناکحت کو ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا، لیکن زنا کسی حال اور کسی وقت میں بھی جائز نہیں رکھا گیا۔[1]

مگر یہ بات کہ نوح علیہ السلام نے بیٹے کو تو کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی مگر بیوی کو دعوت نہیں دی اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ نوح علیہ السلام اپنی بیوی کے سابقہ کافرانہ عقائد و اعمال کی بناء پر ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو چکے تھے مگر بیٹے کے بارے میں یہ خیال تھا کہ ابھی نوجوان ہے شاید کشتی میں مومنوں کی صحبت سے فائدہ اٹھا کر ایمان لے آئے۔

عجیب نکتہ ایک مفسر نے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کے نجات نہ پانے کے متعلق ایک لطیف اشارہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوحؑ جلیل القدر پیغمبر اور مستجاب الدعوات تھے انہوں نے دعا اور بد دعا دونوں حالتوں میں خود اپنے بیٹے کو فراموش کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کافر بیٹے کی سرکشی پاداشِ عمل کی صورت میں نمودار ہوئی اور وہ بھی ہالکین کے ساتھ غرق دریا ہو کر رہ گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب کہ وہ قوم کو راہِ راست پر لانے سے عاجز آ گئے تھے سب سے پہلے یہ دعا کی:

---

[1] قصص القرآن

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح - ع)	اے پروردگار تو اس زمین پر بسنے والے کسی کافر کو نہ چھوڑ اس لئے کہ تو اگر ان کو زندہ چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے اور ان کی نسل بھی گمراہی اور کفر پر قائم رہے گی۔

اور یہ قطعاً فراموش کر دیا کہ اس موقع پر کنعان کو مستثنیٰ کر کے اس کے لئے مقبولِ ہدایت کی دعا مانگی جائے۔ یا شاید اس وقت تک ان کو بیٹے کے کفر کا علم ہی نہ تھا۔ دوسری مرتبہ جنابِ باری میں یہ دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط	اے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور اس شخص کو بھی جو میرے گھر میں مومن ہو کر داخل ہوا اور مومنین اور مومنات کو بھی

اس موقع پر بھی انہوں نے کنعان کا استثنا نہیں کیا یا اس کے مومن ہو کر گھر میں داخل ہونے کی دعا نہیں فرمائی۔

تیسری مرتبہ پھر یہ دعا کی:

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝ اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے سوا کچھ اور اضافہ نہ کر۔

کنعان ظالم تھا اس لئے کہ کافر تھا، موقعہ تھا کہ اس کا استثناء کر کے ظالم نہ رہنے کی دعا بھی فرما لیتے اور اگر معلوم نہ تھا تو بدقسمت بیٹے کی بدقسمتی پر ازلی مہر تھی جو ثبت ہو کر رہی۔ پس جب وقتِ قبولیتِ دعا آپہنچا اور کنعان کی سرکشی بدستور رہی تو اب محبتِ پدری کا جوش خدا کے عادلانہ فیصلہ کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور اس کی نجات کی دعا پر اپنی نادانی کے اعتراف کے ساتھ عذر خواہی

کرنی پڑی، اور بایں ہمہ جلالتِ قدر خدا کے سامنے اپنی بندگی کے اظہار ہی کو بہتر سمجھ کر عبدِ کامل ہونے کا ثبوت پیش کیا، اور درگاہِ الٰہی سے شرفِ مغفرت اور قربتِ الٰہی کو حاصل کیا۔

ظلم کا انجام سامعینِ کرام! حضرت نوح کی زندگی، ان کے اہل وعیال اور ان کی قوم کے واقعات میں ہمارے لئے عبرت ونصیحت کے بہت سارے پہلو اور اسباق ہیں اور قرآن ان واقعات کو اسی لئے بیان کرتا ہے کہ ہم ان سے سبق حاصل کریں۔ ایک اہم سبق جو اس واقعہ سے حاصل ہوتا ہے وہ بیان کر کے بات کو ختم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ یوں تو اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے جرم کی سزا دنیا میں بھی دے دیتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر ظلم کی سزا اسی دنیا میں دیدی جائے کیونکہ یہ دنیا تو دار العمل ہے، دار الجزاء تو قیامت ہے لیکن ظلم اور غرور یہ دو ایسے جرم ہیں کہ ان کی سزا کسی نہ کسی پہلو سے اس دنیا میں بھی ضرور مل کر رہتی ہے۔ تاریخ اٹھا لیجئے اور ایک ایک ظالم اور متکبر کے عبرتناک انجام کا مطالعہ کیجئے۔ حالانکہ گناہ تو دوسرے بھی ہیں، شراب نوشی گناہ ہے، زناکاری گناہ ہے، عبادت سے روگردانی گناہ ہے لیکن ان گناہگاروں کے گناہوں کی جزا کا معاملہ اکثر و بیشتر یومِ آخرت تک موخر ہو جاتا ہے لیکن ظالموں اور متکبروں کو ان کے ظلم اور تکبر کا کچھ نہ کچھ مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جاتا ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ ظالم اور متکبر اپنی موت سے قبل ہی اپنے ظلم اور کبر کی کچھ نہ کچھ سزا ضرور پاتا اور ذلت و نامرادی کا منہ دیکھتا ہے۔ چنانچہ خدا کے سچے پیغمبروں سے الجھنے والی قوموں اور تاریخ کی ظالم ومغرور ہستیوں کی عبرتناک ہلاکت وبربادی کی داستانیں اس دعوے کی بہترین دلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں انفرادی اور اجتماعی، شخصی اور حکومتی، مالی اور جسمانی، اخلاقی اور معاشی ہر قسم کے ظلم وستم سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

علم اور اسلام

علم ہے منزلِ عرفان وہدایت کا چراغ
علم ہے معرفتِ انفس و آفاق کا نام
علم سے تربیتِ فکر و نظر ہوتی ہے
علم فطرت کی صدا علم اسلام[1] کا پیغام
علم سے رمزِ حقائق کی گرہ کھلتی ہے
علم کی زد میں لرزتے ہیں شکوک و اوہام
ربِّ زِدنی کی صدا علم کی آوازِ جرس
علم کے رہبر و رہرو پہ ٹھہرنا ہے حرام
علم بے سوزِ یقیں کیا ہے حجابِ اکبر
اس میں منطق ہو کہ سائنس ہو یا علمِ کلام

[1] بتغیر

• علم کی اس سے زیادہ اہمیت و فضیلت کیا ہوگی کہ جب لگ بھگ چھ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پکارا اور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تو سب سے پہلا اعلان جو عالم انسانی کے سامنے کیا گیا وہ پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے ہی کے بارے میں تھا حالانکہ عرب کے حالات کے پیش نظر پہلا اعلان توحید کا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ بت پرستی اور شرک عام تھا، پہلا اعلان رسالت کا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ خالق اور مخلوق کا ٹوٹا ہوا رشتہ رسول ہی کے ذریعہ جڑ سکتا تھا، پہلا اعلان بعث بعد الموت اور قیامت کا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ یوم آخرت پر یقین آجانے کے بعد عقائد و اعمال کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے، پہلا اعلان انسانی حقوق کا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ قتل و قتال اور جور و تعدّی کا دور تھا، پہلا اعلان عورت کے حقوق کا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے حقوق پامال ہو رہے تھے، پہلا حکم اخلاق کے بارے میں بھی ہو سکتا تھا کیونکہ ان سے متصف ہونے کے بعد ہی کامل انسان بنا جا سکتا ہے، پہلا اعلان اُعْبُدُوا اللّٰہَ بھی ہو سکتا تھا، اُذْکُرُوا اللّٰہَ بھی ہو سکتا تھا، اُشْکُرُوا اللّٰہَ بھی ہو سکتا تھا، اِصْبِرُوا وَصَابِرُوا بھی ہو سکتا تھا، بَلِّغُوا وَجَاھِدُوا بھی ہو سکتا تھا۔ مگر سننے والے سن لیں اور جاننے والے جان لیں کہ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور اُمّیت کے لق و دق صحرا میں قرآن کا سب سے پہلا اعلان علم کی عظمت اور اہمیت کا اعلان تھا، قرآن کا سب سے پہلا حکم پڑھنے کا تھا۔

علم اور اسلام

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝

خدائے رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی، اسی نے انسان کو پیدا کیا، اس کو گویائی دی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

آپ پڑھئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (سب کو) پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ (قرآن) پڑھا کیجئے، آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم جس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال   حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ

رَسُولُ اللہ صلی اللہ عَلَیہِ وَسَلّم الکَلِمَۃُ الحِکمَۃُ ضَالَّۃُ الحَکِیم فَحَیثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا۔	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فائدہ دینے والی بات عقلمند آدمی کا مطلوب ہے پس جہاں وہ اس کو پائے اس کا مستحق ہے۔
وَعَن اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِمٍ وَ مُسلِمَۃٍ وَوَاضِعُ العِلمِ عِندَ غَیرِ اَھلِہٖ کَمُقَلِّدِ الخَنَازِیرِ الجَوَاھِرَ وَاللُّؤلُؤَ وَالذَّھَبَ۔	حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سکھانا اس شخص کی مانند ہے جس نے سئور کے گلے میں جواہرات موتیوں اور سونے کا پٹہ ڈال دیا ہو
عن الحَسَن مُرسَلاً قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم مَن جَاءَہُ المَوتُ وَھُوَ یَطلُبُ العِلمَ لِیُحیِیَ بِہِ الاِسلَامَ فَبَینَہٗ وَبَینَ النَّبِیِّینَ دَرَجَۃٌ وَاحِدَۃٌ فِی الجَنَّۃِ۔ (دارمی)	حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو اس غرض سے کہ اسلام کو تازہ زندگی بخشے گا تو اس کے اور انبیاء کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔
وَعَن وَاثِلَۃَ بنِ الاَسقَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم مَن طَلَبَ العِلمَ فَاَدرَکَہٗ کَانَ لَہٗ کِفلَانِ مِنَ الاَجرِ فَاِن لَم یُدرِکہُ کَانَ لَہٗ کِفلٌ مِنَ الاَجرِ (دارمی)	حضرت واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے علم کو طلب کیا اور اس کو حاصل کر لیا اس کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر علم حاصل نہ ہوا تو ایک ہی اجر ملے گا

گرامی قدر حاضرین! کہا جاتا ہے کہ جس آدمی میں علم نہیں وہ آدمی نہیں جانور ہے، اور جس گھر میں کوئی علم والا نہیں وہ گھر نہیں جانوروں کا ڈربہ ہے اور جس ملک میں علم کا رواج نہیں وہ ملک نہیں حیوانات کا جنگل ہے کیونکہ علم وہ عظیم صفت ہے جو انسان کو حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے اور اسے شرفِ انسانیت بخشتا ہے، علم وہ روشنی ہے جس سے جہالت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، علم ایسا سدابہار پھول ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی، علم ایسا رہبر اور مخلص دوست ہے جو کبھی بے وفائی نہیں کرتا، علم اگر غریب کے پاس ہو تو اسے امیر کر دیتا ہے اور اگر امیر کے پاس ہو تو اسے جاہل غرباء اور امراء پر فوقیت اور عظمت دلاتا ہے۔ اسی لیئے اسلام نے حصولِ علم پر بہت زور دیا ہے اور علم کی بے حد فضیلت و عظمت بیان کی ہے۔ مجھے یہ دعوٰی کرنے میں تردید کا قطعاً کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ اسلام نے جہالت مٹانے اور علم پھیلانے میں جو کلیدی کردار ادا کیا ہے اس کی ہمسری کا دعوٰی کوئی آسمانی یا غیر آسمانی مذہب بھی نہیں کر سکتا اور کسی قوم و جماعت کو بھی یہ دعوٰی کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

اور یہ بھی ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ آخری دو تین سو سال چھوڑ کر سب سے زیادہ علماء، محققین، مورّخ، سائنس دان، حکماء اور اطباء اسلام نے پیدا کیے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اسلام نے حصولِ علم کی فضا پیدا کی، اس کی اہمیت سے انسانوں کو آگاہ کیا اور اس کے فضائل بتائے۔

پہلا حکم الٰہی

اس سے زیادہ اہمیت و فضیلت کیا ہو گی کہ جب

لگ بھگ چھ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پکارا اور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تو سب سے پہلا اعلان جو عالم انسان کے سامنے کیا گیا وہ پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے ہی کے بارے میں تھا حالانکہ عرب کے حالات کے پیش نظر پہلا اعلان توحید کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ بت پرستی اور شرک عام تھا، پہلا اعلان رسالت کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ خالق اور مخلوق کا ٹوٹا ہوا رشتہ رسولؐ ہی کے ذریعہ جڑ سکتا تھا پہلا اعلان بعث بعد الموت اور قیامت کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ یوم آخرت پر یقین آجانے سے تمام عقائد و اعمال کو اپنانا آسان ہوجاتا ہے، پہلا اعلان انسانی حقوق کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ قتل و قتال اور جور و تعدی کا دور دورہ تھا، پہلا اعلان عورت کے حقوق کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ اس کے حقوق پامال ہورہے تھے، پہلا اعلان اعلیٰ اخلاق اور اوصاف کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا، کیونکہ ان سے متصف ہونے کے بعد ہی کامل انسان بنا جاسکتا ہے۔ پہلا اعلان اُعْبُدُوا اللّٰہَ بھی ہوسکتا تھا، اُذْکُرُوا اللّٰہَ بھی ہوسکتا تھا، اُشْکُرُوا اللّٰہَ بھی ہوسکتا تھا، اِصْبِرُوا وَصَابِرُوا بھی ہوسکتا تھا، بَلِّغُوا وَجَاهِدُوا بھی ہوسکتا تھا مگر سُننے والے سُن لیں اور جاننے والے جان لیں کہ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور امیت کے لق و دق صحرا میں قرآن کا سب سے پہلا اعلان علم کی عظمت و ضرورت کا اعلان تھا، قرآن کا سب سے پہلا حکم پڑھنے کا تھا۔

اسلام کا احسان یہ عجیب بات ہے کہ وحی کے اولین مخاطب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امّی تھے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، ان کو پڑھنے کا حکم دینا کچھ عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ میں اس وقت تفسیری اور حدیثی ابحاث بیان نہیں کرنا چاہتا، عمومی انداز میں بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آپؐ اگرچہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن چونکہ علم کی

فضیلت، لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے کی عظمت و اہمیت ظاہر کرنی تھی اور یہ بتانا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ علم سینوں سے سفینوں میں منتقل ہو جائے۔ اس لیے آپ کو امی ہونے کے باوجود پڑھنے کا حکم دیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ ساحروں اور کاہنوں کا وہ دور ختم ہو گیا جب علم پردوں میں چھپا کر رکھا جاتا تھا اور سرگوشیوں میں سیکھا سکھایا جاتا تھا اور جس پر راہبوں، پنڈتوں، پروہتوں اور جادوگروں کی اجارہ داری تھی حالانکہ حقیقت میں وہ علم نہیں تھا بلکہ کچھ ٹونے ٹوٹکے اور جنتر منتر تھے جن کا نام انہوں نے علم رکھ لیا تھا۔ لیکن اسلام نے دنیا میں پہلا قدم رکھتے ہی اعلان کر دیا کہ علم وہ نہیں جسے صرف سرگوشیوں سے سیکھا اور سکھایا جائے۔ اور جو صرف کاہنوں اور پنڈتوں کے پُرہوس سینوں میں محفوظ رہے بلکہ علم تو وہ ہے جو قلم اور کتابت سے دنیا کے سامنے آئے اور جسے ہر عربی اور عجمی، شہری اور دیہاتی پڑھ سکے اور بقدرِ ظرف حاصل کر سکے

یہ اسلام کا دنیائے انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے علم پر اجارہ داری کے خاتمہ کا اعلان کیا اور علم کو پانی، ہوا اور روشنی کی طرح عام کر دیا۔

پہلا معجزہ | اگر میں قرآن کریم کے پہلے لفظ کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا معجزہ قرار دوں تو بے جا نہ ہوگا، غارِ حرا کی خلوتوں میں نازل ہونے والی پہلی وحی کا پہلا کلمہ ایک ایسے مستقبل کی خبر دے رہا تھا جس میں رسائل و جرائد اور کتابوں کی کثرت ہوگی، تعلیم عام ہوگی، پڑھنے پڑھانے والے بہت ہوں گے، علم و تحقیق کے بند دروازے کھلیں گے، توہمات سے انسان کو نجات ملے گی اور فکر و نظر کے لیے نیا سامان اور نئے امکانات پیدا ہوں گے

یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ اس کتابِ مقدس کا جو نام ہے یعنی قرآن وہ خود بتاتا ہے کہ یہ کتاب پڑھنے کی چیز ہے (بلکہ پڑھنے کی چیز ہی یہی ہے یا وہ کتابیں جو اس کی تفسیر اور تشریح کا حق ادا کرتی ہیں) اور یہ نام (قرآن) اس بات کی نشاندہی بھی کر رہا ہے کہ اس کتاب کو بار بار پڑھا جائے گا اور اس کے پڑھنے سے علوم کے بند دروازے کھلیں گے، ادب و لغت کے اصول معلوم ہوں گے، تاریخ کے مدّوجزر سے آگاہی ہوگی، فقہی مسائل کا استخراج ہوگا، سائنسی اکتشافات کے لیے بنیاد مہیا ہوگی، شمس و قمر کی تسخیر کا امکان ثابت ہوگا۔

ایک ایسے وقت میں جب کہ جہالت عام ہو مستقبل کے علمی، تحقیقی دور کی خبر دینا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے

اس مقام پر میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس اُمت کو سب سے پہلا حکم ہی پڑھنے کا دیا گیا تھا آج اس میں ناخواندگی کی شرح اقوامِ عالم میں سب سے زیادہ ہے۔ ہم اپنی شکست خوردہ ذہنیت کی وجہ سے غیر مسلم اقوام کی شرحِ خواندگی اور ان کی ایجادات و تحقیقات کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام اور قرآن نے ہمیں تعلیم و تعلم اور ریسرچ سے منع تو نہیں کیا بلکہ قرآن نے تو اس پر زور دیا ہے۔ عنوانات بدل بدل کر اس کی ترغیب دی ہے، اس کے فضائل بتائے ہیں اور اس کے لیے ہمیں بنیادیں مہیا کی ہیں۔

وجہِ فضیلت | قرآن تو یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان کے مسجودِ ملائک ہونے کی وجہ اور فرشتوں کے مقابلہ میں اس کی فضیلت و عظمت کا سبب بھی علم ہی بنا تھا۔ فرشتے نورانی مخلوق ہیں وہاں ظلمت کا گذر نہیں، وہ سراپا خیر

ہیں، ان سے شر کے صدور کا امکان ہی نہیں، ان کا سارا وقت عبادت واطاعت، عصمت وطہارت، رکوع وسجود، قیام وقعود اور ذکر وفکر میں گذرتا ہے اسی لیے جب ان کے سامنے انسان کی خلافت کا اعلان کیا گیا تو انہوں نے باری تعالیٰ کے حضور عرض کیا :

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ	کیا تو زمین میں اسے نائب بنائے گا جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تسبیح بیان کرتے ہیں تیری تعریف کے ساتھ اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں

مگر فرشتوں کو بتا دیا گیا کہ اس میں شک نہیں کہ تم عبادت واطاعت میں بے مثال ہو، عفت وطہارت میں تمہاری کوئی نظیر نہیں لیکن انسان کو صرف عبادت کے لئے نہیں بلکہ خلافت کے لیے بھی پیدا کیا جا رہا ہے اور خلافت کے لیے علم کی ضرورت ہے اور تم سارے کمالات کے باوجود علمی کمال سے محروم ہو۔ ان کے عجز اور نارسائی کے عملی اظہار کے لیے ان سے "علم اسماء" کے بارے میں سوال کیا گیا، جب وہ جواب نہ دے سکے تو فوراً سمجھ گئے کہ واقعی ہم تو صرف عبادات ہی کر سکتے ہیں، ہمارے پاس خلیفہ بننے کے لیے جو ضروری صفت ہے یعنی علم وہ تو ہے ہی نہیں تو انھوں نے اپنے عجز اور محرومی کا فوراً اعتراف بھی بڑے پیارے انداز میں کیا، کہنے لگے

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝	تو پاک ہے نہیں کوئی علم ہمیں مگر جو نے ہمیں سکھایا بے شک تو جاننے والا حکمت والا ہے۔

فرشتوں کے اس اعتراف کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو

يَا دَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ اے آدم انہیں ان چیزوں کے نام بتا دیں
اس آیتِ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو سب سے پہلے جو علم دیا گیا وہ "علم اسماء" تھا۔[1] یعنی دنیا میں موجود اشیاء کی خصوصیات اور صفات (مظاہرِ کائنات) کا علم۔ اور یہ بھی جان لیں کہ سائنس بھی مظاہرِ کائنات اور اشیاء کی خصوصیات اور آثار ہی سے بحث کرتی ہے، علم طبیعیات ہو یا کیمیا، علم حیاتیات ہو یا کہ علم ارضیات اور فلکیات ـــــ سب کا محور یہی ہے کہ مادی اشیاء کے آثار و خواص بیان کیے جائیں۔

بہرحال جب حضرت آدم علیہ السلام نے چیزوں کی خصوصیات اور صفات بتا دیں تو ربّ العالمین نے فرمایا:

أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ كیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور
غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں اور جانتا ہوں

---

[1] روح المعانی میں ہے: إنها أسماء الاشياء علوية أو سفلية جوهرية أو عرضية ص۲۲۴ ج۱ تفسیر ابن کثیر میں ہے: انه علمه أسماء جميع المخلوقات ص۴۳ ج۱ تفسیر کشاف میں ہے: أى أسماء المسميات وعلمه أحوالها وما يتعلق بها من المنافع الدينيه والدنيوية ص۲۷۲ ج۱ احکام القرآن میں ہے: وانه علمه إياها بمعانيها إذ لا فضيلة الاسماء دون المعانى وهى دلالة على شرف العلم وفضيلته ص۳۱ ج۱ تفسیر کبیر میں ہے: أى علمه صفات الأشياء ونعوتها وخواصها ص۲۵۸ ج۱ تفسیر بیضاوی میں ہے ألهمه معرفة ذوات الأشياء وخواصها وأسماءها وأصول العلم وقوانين الصناعات وكيفية آلاتها ص۲۸ ج۱ بحوالہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں۔ حوالوں کے پیش نظر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو سائنس کا علم بھی دیا گیا تھا؟ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ　جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

یہ عجیب بات ہے کہ انسانی تخلیق کی کہانی تورات نے بھی سنائی ہے اور دوسری مذہبی کتابوں میں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے لیکن قرآن نے علم کی بنیاد پر تمام مخلوقات یہاں تک کہ فرشتوں کے مقابلہ میں بھی انسان کی فضیلت کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس کا تذکرہ کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔

علم اور خشیت گرامی قدر حاضرین! اللہ کا خوف تقویٰ کی بنیاد ہے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہی وہ قوتِ ممسکہ ہے جو انسان کو جلوت وخلوت میں برائیوں سے روکتی ہے۔ وہ انسان بڑا خوش نصیب ہے جس کا دل خشیت سے لبریز ہو۔

قرآن حکیم میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ باری تعالیٰ کا حقیقی خوف اسی دل میں ہوتا ہے جو دل علم کے نور سے منور ہو اور جس دل میں جہالت کی تاریکی ہو اس دل میں خالق السموٰت والارض کا خوف اچھی طرح بیٹھ ہی نہیں سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ علم جب علم کی روشنی میں کائنات پر اور اپنی ذات پر نظر ڈالتا ہے اور ان کے عجائبات کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے تو اس کا دل ربِ کائنات کی عظمت اور کبریائی سے بھر جاتا ہے اور اس کا سر بلا اختیار اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے۔ وہ نظامِ فلکیات میں غور کرتا ہے تو اسے لاکھوں کروڑوں ستارے انتہائی تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ اپنے محور سے باہر نہیں جاتے ان میں کبھی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے جسمانی اور اعصابی نظام پر نظر ڈالتا ہے تو جسم کے اندرونی مواصلاتی نظام کو دیکھ کر وہ حیرت اور تعجب کی تصویر بنا رہ جاتا ہے اور اس کی زبان اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں

معروف ہو جاتی ہے اسی لیے قرآن کہتا ہے :

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

نہ صرف یہ کہ حقیقی خوف اصحابِ علم کے دل میں ہوتا ہے بلکہ حقیقی محبت کرنے والے بھی اہلِ علم ہی ہوتے ہیں وہ جب فیاضِ ازلی کے انعامات و احسانات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ان کا دل منعمِ حقیقی کی محبت و الفت سے لبریز ہو جاتا ہے اسی لیے فرمایا گیا :

ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ کیا علم والے اور بے علم دونوں برابر ہو سکتے ہیں اس نصیحت کو وہی جانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

جس طرح نور اور ظلمت، بہار اور خزاں میں برابری نہیں ہو سکتی اسی طرح جاھل اور عالم کو بھی ایک پلڑے میں نہیں رکھا جا سکتا۔

علم کی زیادتی کی دعا

علم کی اسی اہمیت و عظمت کی وجہ سے ربِّ علیم وخبیر نے اپنے تمام بندوں کو خواہ وہ عالم ہوں یا جاھل، یہ حکم دیا ہے کہ مجھ سے علم میں زیادتی اور ترقی کی دعا مانگا کرو، فرمایا :

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا اور کہا کیجئے اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

آیتِ کریمہ یہ بتاتی ہے کہ اللہ نے یہ دعا اپنے اس عظیم پیغمبر کو سکھائی تھی جسے اوّلین و آخرین کا علم عطا ہوا تھا جب آپ یہ دعا پڑھتے تھے تو ہمیں تو بطریقِ اولیٰ یہ دعا پڑھنی چاہیے بلکہ اسے اپنے معمولات میں شامل کر لینا چاہیے۔

فرموداتِ نبویؐ

یہ تو چند آیات تھیں جن سے علم اور اہلِ علم کی فضیلت و اہمیت ثابت ہوتی ہے، مناسب ہوگا کہ میں اس موضوع پر چند فرموداتِ نبویؐ

بھی آپ کے گوش گذار کر دوں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخصوں کے سوا کسی پر حسد کرنا جائز نہیں ایک تو اس شخص پر جس کو اللہ نے مال دیا اور پھر اس کو راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے علم دیا پس وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرتا اور اُسے سکھاتا ہے[1]۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سکھانا اس شخص کے مانند ہے جس نے سور کے گلے میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا پٹہ ڈال دیا ہو[2]۔

حضرت سنجرہ ازدیؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص علم طلب کرے (تو اس کی یہ طلب) ان گناہوں کا کفّارہ ہوتا ہے جو اس سے پہلے اس نے کیے ہوں[3]۔

یہاں ایک خاص نکتہ کی طرف توجّہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کُند ذہن ہوتا ہے، وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود حصولِ علم سے محروم رہ جاتا ہے اور اپنی اس محرومی پر کُڑھتا اور خونِ جگر جلاتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میری ساری کوشش بیکار گئی لیکن ان احادیث میں جو "طلب" کا لفظ آیا ہے اس میں اس قسم کے لوگوں کے لئے تسلّی کا پورا سامان موجود ہے ہمارا کام تو طلب کرنا تھا، سچی کوشش کرنا تھا جب ہم نے ایسا کر لیا تو اب ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں انشاء اللہ ہماری یہ طلب اور کوشش

---

[1] بخاری [2] ابن ماجہ [3] ترمذی

رائیگاں نہیں جائے گی۔ پھر یہ بھی تو سوچئے کہ دل میں حصولِ علم کی تڑپ اور طلب بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے ؎

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
یہ قدم اُٹھتے نہیں اُٹھائے جاتے ہیں

حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اسلام کو حیاتِ نو بخشنے کے لیے علم حاصل کر رہا ہو تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔[1]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں تھوڑی دیر کے لیے علم کا درس رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔[2]

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ جواہر اور دھات کی کانوں کی طرح ہیں جو جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں اچھے ہیں اگر علم سے آراستہ ہو جائیں۔[3]

توحید کی برکات آج بڑے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ علمی اور تحقیقی ترقیات کا کریڈٹ یورپ کو جاتا ہے اس پروپیگنڈا کی تردید کے سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھیں کہ قرآن کے عطا کردہ عقیدۂ توحید کی برکات ہیں کہ انسان دریاؤں، صحراؤں، پہاڑوں، آسمانوں، فضاؤں اور مختلف ستاروں کو مسخر کر رہا ہے ورنہ جب تک انسان شرک اور مظاہر پرستی میں مبتلا رہا وہ مظاہر کائنات کی تسخیر کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ایک انگریز مصنف آرنلڈ ٹوائن بی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ قدیم انسان کے لیے فطرت صرف فطری ذرائع کا ذخیرہ نہیں تھی بلکہ وہ دیوتا تھی وہ اس

۱؎ مشکوٰۃ۔ ۲؎ مشکوٰۃ ۳؎ جامع بیان العلم وفضلہ

کے لیے مادرِ گیتی تھی اور نباتات حیوانات، معدنیات، چشمے، ندیاں، سمندر پہاڑ، زلزلے اور بجلی سب دیوی دیوتا تھے، جس فطرت کو انسان معبود کی نظر سے دیکھتا ہو اسے وہ تحقیق اور تسخیر کی نظر سے کیسے دیکھ سکتا تھا؟[1] یہ عقیدۂ توحید ہی تھا جس نے انسان کو بتایا کہ فطرت معبود نہیں مخلوق ہے، مخدوم نہیں خادم ہے، تیری دیوی اور دیوتا نہیں لونڈی اور غلام ہے۔ تو اس کے سامنے جھکنے کیلئے نہیں اسے اپنے سامنے جھکانے کے لیے ہے۔

یہ عقیدۂ توحید ہی تھا جس نے انسان کو جرأت دی، اسے ہمت دلائی اور حکم دیا کہ اٹھ! اور شمس و قمر کی تسخیر کر ڈال، دریاؤں کا رخ موڑ دے، فضاؤں کو روند ڈال، بلندیوں کو پامال کر دے۔

شرک نے جس انسان کو کمزور، بزدل، ڈرپوک اور جاہل بنا رکھا تھا عقیدۂ توحید نے اُسے طاقتور، بہادر، جری اور عالم بنا دیا۔

ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ موجودہ ترقیوں اور ایجادات کا تعلق صنعتی انقلاب سے ہے اور خود صنعتی انقلاب، مظاہرِ کائنات اور زمین کے اندر چھپی ہوئی طاقتوں کے استعمال کا دوسرا نام ہے۔ انسان نے کوئلہ کو انرجی میں تبدیل کیا، اس نے بہتے ہوئے پانی سے جنریٹر چلا کر بجلی تیار کی، اس نے معدنی اشیاء کو نکال کر انہیں مشینوں کی صورت میں ڈھالا۔ اس طرح صنعتی انقلاب وجود میں آیا۔[2]

اب سوال یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں تو لاکھوں سال سے زمین کے اوپر موجود تھیں پھر اسلام سے پہلے کا انسان اس پر وہ عمل کیوں نہ کر سکا جس کے نتیجہ میں وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا، اس کا جواب صرف ایک ہے اور

---

[1] اسلام دورِ جدید کا خالق ص۱۱۲ [2] حوالہ سابق

وہ یہ کہ شرک اس عمل کی راہ میں مانع تھا۔ یونانی، مصری، رومی، ایرانی غرضیکہ تمام تہذیبیں مشرکانہ تہذیبیں تھیں اور مظاہر فطرت کی پرستش کرتی تھیں۔ مشرکانہ نظریہ میں بجلی چمکی تو سمجھ لیا گیا کہ دیوتا کا آتشیں کوڑا ہے چاند یا سورج گرہن پڑا تو فرض کر لیا گیا کہ دیوتا پر کوئی مصیبت کا وقت ہے۔ اور سیدھی سی بات ہے کہ چاند کو معبود ماننے والے اس کے اوپر اپنا پاؤں رکھنے کی بات کیسے سوچ سکتے تھے، دریا کو مقدس سمجھنے والے اسے مسخر کر کے اس سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ کیسے بنا سکتے تھے، گائے کی پرستش کرنے والے اسے خوراک بنانے اور اس کی پروٹینی اہمیت کو کیسے اجاگر کر سکتے تھے۔ یہ تو اسلام تھا جس نے انسان کو فطرت کی تسخیر پر آمادہ کیا۔ اسلام سے پہلے ستاروں کی پرستش ہوتی تھی اسلامی انقلاب کے بعد پہلی بار بڑے پیمانہ پر انسان نے رصد گاہیں قائم کیں اور ستاروں پر ریسرچ شروع کی، زمین کو مونث دیوتا سمجھا جاتا تھا مسلمانوں نے پہلی بار اس کی پیمائش کر کے اس کا طول و عرض معلوم کیا اور اس کا سینہ چیر کر معدنی خزانے باہر نکالے، سمندر سے ڈر کر انسان اسے پوجنے کی چیز سمجھتا تھا مسلمانوں نے پہلی بار اس کو وسیع پیمانہ پر آبی گذرگاہ کے طور پر استعمال کیا، طوفان اور ہوا کو انسان پُراسرار چیز سمجھ کر پوجتا تھا، مسلمانوں نے اس کو ہوا چکی میں تبدیل کر دیا، درختوں سے پُراسرار کہانیاں وابستہ کر کے ان کو قابلِ تعظیم سمجھا جاتا تھا، مسلمانوں نے ان پر تحقیق شروع کی یہانتک کہ انہوں نے نباتات کی علمی فہرست میں مجموعی طور پر دو ہزار پودوں کا اضافہ کیا، جن دریاؤں کو لوگ مقدس سمجھتے تھے اور ان کو خوش کرنے کے لیے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو زندہ حالت میں ان کے اندر ڈال دیتے تھے ان دریاؤں سے نہریں کاٹ کر انہیں آبپاشی کے لیے استعمال

کیا اور زراعت کو بالکل نئے دور میں داخل کر دیا۔[1]

قرآن اور علم سائنس اس میں شک نہیں کہ قرآن کا اصل موضوع انسان کی ہدایت اور فلاح ہے، وہ قصص اور واقعات بیان کرتا ہے تو اسی لیے، وہ احکام بیان کرتا ہے تو اسی لیے، وہ آخرت کا ذکر کرتا ہے تو اسی لیے، وہ ارض و سماء کی تخلیق اور باد و باران کا ذکر کرتا ہے تو اسی لیے، اور وہ شخص جو قرآن کو سائنس کی کتاب بنا دے گا وہ قرآن پر بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کرے گا لیکن اس سب کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن میں سائنسی علوم کے اشارے ملتے ہیں۔

قرآن نے فلکیات، ارضیات، نباتات اور حیاتیات کے بارے میں ساتویں صدی عیسوی میں جو حقائق بیان کیے تھے بیسویں صدی کے سائنس دان اسے غلط ثابت نہیں کر سکے بلکہ بعض اوقات تو قرآن کا مطالعہ انہیں حیرت میں ڈال دیتا ہے اور اگر ان کا دل تعصب سے خالی ہو تو وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ قرآن اُس ذات کا کلام ہے جس کی نظر میں ماضی، حال اور مستقبل برابر ہے۔

مشہور محقق اور مستشرق موریس بوکائی نے جب قرآن حکیم کا مطالعہ کیا تو اسے کہنا پڑا "قرآن کا پہلی بار مطالعہ کرتے وقت قاری کو ابتدا ہی سے مضامین اور موضوع کے تنوّع اور فراوانی پر حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً تخلیق، ہیئت، زمین سے متعلق بعض امور کی تشریح، حیوانات، نباتات، انسانی توالد و تناسل ان موضوعات سے متعلق بائبل میں شدید غلطیاں پائی جاتی ہیں لیکن قرآن میں مجھے ایک بھی غلطی نہیں ملی مجھے رُک کر اپنے آپ سے

---

[1] اسلام دورِ جدید کا خالق

یہ سوال کرنا پڑا کہ اگر قرآن کسی انسان کی تصنیف ہوتی تو وہ ساتویں صدی عیسوی میں اس میں ایسے حقائق کیسے لکھ سکتا تھا جو جدید سائنسی علم اور معلومات کے مطابق ہوتے ہیں۔

قرآن میں نظام کائنات سے متعلق ساڑھے سات سو آیات موجود ہیں۔ جن سے علم و فکر کے لاتعداد دروازے کھلتے ہیں۔

اہل اسلام کی زرّیں علمی تاریخ | قرآن نے اپنے ماننے والوں میں حصول علم اور ریسرچ کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ چند ہی صدیوں میں جہالت میں ڈوبی ہوئی دنیا میں ایک عظیم علمی انقلاب برپا ہو گیا اور جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، ابن الھیثم، ابوالعباس الفرغانی، محمد جابر البتّانی، محمد بن زکریا الرازی، ابن سینا، ابوریحان البیرونی، ابن نفیس، ابوحنیفہ الدینوری عمر خیّام، ابن البیطار اور ابوالقاسم الزہراوی جیسے نامور سائنسداں، محققین اور موجدین نے یورپ سمیت ساری دنیا کو اپنے کارناموں اور تحقیقات سے مبہوت کر کے رکھ دیا اور یورپ والوں نے ان کی تحقیقات سے جی بھر کر استفادہ کیا۔

محمد بن زکریا رازی جو ایک زبردست طبیب اور کیمیادان تھا اس نے علم کیمیا پر بارہ کتابیں لکھیں اس کی کتاب "الحاوی" حیدر آباد سے پچیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور یہ طبی معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔

ابن سینا کی کتاب "القانون فی الطب" یورپ کی درسگاہوں میں بطور نصاب داخل رہی ہے، صرف پندرھویں صدی کے آخری تیس سالوں میں لاطینی زبان میں اس کے پندرہ ایڈیشن شائع ہوئے۔

اور بات صرف رازی اور ابن سینا کی نہیں ان جیسے کتنے ہی مسلمان

سائنسدان، اطباء، ماہرِ فلکیات، فلاسفہ، کیمیاگر، ریاضی دان، طبیعیات اور نباتات کے محققین ہیں جن کی کتابیں یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں[1]۔

اہل اسلام کی علمی تاریخ اتنی تابناک اور روشن ہے کہ تاریخ پر نظر رکھنے والا شخص جب اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کے حالات کا مطالعہ کرتا ہے تو عرب و عجم کے بدوؤں اور امیّوں میں عظیم علمی انقلاب کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے ان کے اندر حصولِ علم کا ایسا جذبہ پیدا ہو گیا تھا جس نے ان کیلئے صحراؤں میں پیدل سفر کرنا، بھوکے رہنا، راتوں کو مسلسل بیدار رہنا، اساتذہ کی جھڑکیاں سُننا، وطن سے دُور رہنا آسان بنا دیا تھا۔

ہے کوئی مثال! امام بخاریؒ جن کی صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے ان کو ایّامِ طالب علمی کے ایک سفر میں غربت نے اتنا مجبور کیا کہ برابر تین دن انہوں نے جنگل کی بوٹیاں کھا کر گزارہ کیا

فنِ حدیث کے عالی مرتبہ امام ابو حاتم رازیؒ اپنا قصّہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں زمانۂ طالب علمی میں چودہ برس بصرے میں رہا، ایک مرتبہ تنگدستی کی یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کھائے، جب کپڑے بھی نہ رہے تو دو دن بھوکا رہا آخر مجبوراً ایک دوست کے سامنے اپنا حال ظاہر کیا۔ خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک اشرفی تھی آدھی اس نے مجھ کو دے دی۔

حافظ الحدیث حجاج بغدادیؒ شبابہؒ کے یہاں تحصیل علم کے لیے جانے لگے تو ان کی کُل کائنات وہ سو روٹیاں تھیں جو دل سوز والدہ نے پکا کر دے

---

[1] اسلام کی نشأۃِ ثانیہ قرآن کی نظر میں ص۲۱۳

دی تھیں۔ روٹیاں مہربان ماں نے پکا دیں اور سالن ہونہار بیٹے نے خود تجویز کر لیا اور سالن بھی ایسا کثیر و لطیف کہ سالہا سال گذرنے کے باوجود آج تک ویسا ہی تر و تازہ ہے۔ وہ کیا ہے دجلے کا پانی۔ حجاج ہر روز ایک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد سے پڑھتے۔ جس روز وہ روٹیاں ختم ہوگئیں ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔

صحیح بخاری کے مصنف امام بخاریؒ نے چودہ برس کی عمر میں سیاحت شروع کر دی تھی۔ بخارا سے مصر تک سارے ممالک کا امام بخاریؒ نے سفر کیا

امام ابو حاتم رازیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نو ہزار میل سے زیادہ مسافت پیدل طے کی ہے لیکن یہ ان کی مسافت کی انتہا نہیں ہے بلکہ ان کے شمار کی حد ہے۔ کیونکہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے میلوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا۔

امام ابن جوزی مشہور محدث ہیں تین سال کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے، علمی استغراق کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں احادیث لکھتے وقت قلموں کے تراشے جمع کرتے جاتے تھے۔ مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے کہتے ہیں کہ پانی گرم کرنے کے بعد تراشے بچ گئے تھے[1]

اور سُنیے! تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں حصولِ علم کا جذبہ اس قدر شدید تھا کہ آنکھوں سے نابینا ہونے کے باوجود بے شمار افراد نے علمی دنیا میں نام پیدا کیا اور اس کی خاطر بے پناہ تکلیفیں برداشت کیں۔

---

[1] علمائے سلف

ابو العبّاس رازی نابینا تھے مگر حصولِ علم کے جذبہ نے انگیخت کیا کہ کیا ہوا، تمہاری آنکھیں نہیں پاؤں تو ہیں کسی سے کیوں پیچھے رہتے ہو؟ شوقِ علم میں وطن سے نکل کھڑے ہوئے ان کے سفر کی تمام مسافت کو جمع کیا جائے تو غالباً دو ہزار میل سے زیادہ ہو گی۔[1]

مشہور شاعر ابو العلاء معرّی چار برس کی عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے، شہر شہر، قریہ قریہ جا کر علم حاصل کیا، بہت سی کتابیں لکھیں، فنِ ادب میں ان کی ایک کتاب "الایا والغصون" سو جلدوں میں ہے۔[2]

حمّاد بن زید نابینا تھے مگر چار ہزار حدیثیں از بر تھیں اور اس خوبی سے کہ (بقول ایک امام حدیث کے) کسی روایت میں خطا نہیں کی۔[3]

مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں عظیم الشان کتب خانے تیار کیے اور دیمک خوردہ بھولی بسری کتابوں کے تراجم کر کے انہیں نئی زندگی بخشی۔

عباسی خلیفہ مامون الرشید کے وقت صرف اس کے قائم کردہ "بیت الحکمۃ" میں دس لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ امراء اور حکماء کے ذاتی کتب خانے اس کے علاوہ تھے۔ مامون کے کتب خانہ کو دنیا کی سب سے پہلی پبلک لائبریری ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہ تو دوسری صدی ہجری کی بات ہے ۶۵۶ھ میں بغداد میں کروڑوں کتابیں تھیں جنہیں تاتاریوں نے دریائے دجلہ میں غرق کر دیا۔ یاد رہے کہ یہ وہ دور تھا جب موجودہ دور کی طرح کاغذ اور پریس کی سہولتیں حاصل نہیں تھیں۔[4]

یورپ نے مسلمانوں کے علمی ترکہ سے جی بھر کر فوائد حاصل کیے لیکن اپنے محسنوں کا بدلہ اس طرح ادا کیا کہ ۱۴۹۲ء میں مسلم اسپین پر قبضہ کے بعد شدّت

---

[1] نابینا علماء ص۲۹ [2] نابینا علماء ص۲۳ [3] حوالہ مذکور ص۱۷

[4] اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں ص۲۲۳

غضب اور تعصب میں دس لاکھ کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا[۱]۔ اس زمانہ میں مسلمان دوسری قوموں سے اتنا زیادہ آگے تھے کہ مسلمان جب اسپین سے ملک بدر کیے گئے تو انہوں نے وہاں رصدگاہیں چھوڑیں جن کے ذریعہ وہ آسمانی اجرام کا مطالعہ کرتے تھے ان چھوڑی ہوئی رصدگاہوں کا استعمال اسپین کے عیسائی نہیں جانتے تھے چنانچہ انھوں نے ان کو کلیسا کے گھنٹہ گھر میں تبدیل کر دیا[۲]۔ جس دور میں مسلمان پوری دنیا میں علم کی روشنی پھیلا رہے تھے یورپ پر جہالت کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اگر کوئی سرپھرا علمی اور سائنسی تحقیق کی کوشش کرتا تھا اسے بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سقراط کو اسی جرم میں زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ ایتھنز کے نوجوانوں میں آزادانہ غور و فکر کا مزاج بنا رہا تھا۔ گلیلو کو صرف اس لیے پھانسی کی سزا سنائی گئی کہ وہ زمین کو متحرک مانتا تھا

مرعوبیت سے پناہ مانگیے

گرامی قدر سامعین! میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ قرآن نے دنیا کے سامنے صرف صحیح نظریہ، اعلیٰ تہذیب و تمدن، عبادات کے منظم پروگرام، بے مثال اخلاق اور قوموں کے عروج و زوال کے علوم ہی پیش نہیں کیے بلکہ سائنسی علوم کے لیے بنیادی اصول بھی قرآن نے سکھائے اور ایجادات و اکتشافات کے لیے سازگار ماحول بھی قرآن نے دیا اور یہ اسی سازگار ماحول کا نتیجہ تھا کہ ہمارے بزرگوں نے علم و تحقیق کے میدانوں میں فلک بوس جھنڈے بلند کیے یہ الگ بات ہے کہ ہماری غفلت، عیش کوشی اور مادہ پرستی کی وجہ سے آج ہمارے بزرگوں کے کارناموں کو دوسروں کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے اور آج ہمیں گلیلو، کیپلر، نیوٹن، نجمن اور مائیکل فریڈے

---

[۱] مسلمانوں کا عروج و زوال ص ۲۰۲ [۲] اسلام دورِ جدید کا خالق ص ۳۴

جیسے ناموں سے مرعوب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے مگر جس قوم کی تاریخ میں محمد بن زکریا رازی[1] جیسا طبیب اور کیمیا دان، ابن سینا[2] جیسا طبیب اور فلسفی خوارزمی[3] جیسا ماہرِ فلکیات اور ریاضی دان، جابر بن حیان[4] جیسا علم کیمیا کا باوا آدم، دینوری[5] جیسا محققِ نباتات، ابن الہیثم[6] جیسا ماہرِ طبیعیات اور انجنیئر البیرونی[7] جیسا نابغہ اور عبقری، الزہراوی[8] جیسا جدید علم سرجری کا بانی، عمر خیام[9] جیسا ریاضی دان اور علم ہیئت کا ماہر گذرا ہو اُسے کسی ایرے غیرے سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے مرعوب ہوجائیں جنہوں نے ہم سے خیرات مانگ کر سائنس کے محل تعمیر کرلیے ہیں۔

ہماری غیرت کا امتحان ہے کہ ہمارے بزرگوں کی کتابیں یورپ کی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں اور وہ ان سے آج بھی علمی اور تحقیقی مواد حاصل کررہے ہیں لیکن ہمیں ان سے استفادہ کرنے کی توفیق حاصل نہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی نظم " خطاب بہ نوجوانانِ اسلام " میں کیا خوب کہا ہے

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تو نے !
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبّت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

---

[1] المتوفی ۹۲۵ء [2] المتوفی ۱۰۳۷ء [3] المتوفی ۸۵۰ء [4] پیدائش ۷۲۱ء
[5] المتوفی ۸۹۵ء [6] المتوفی ۱۰۳۸ء [7] المتوفی ۱۰۴۸ء [8] المتوفی ۱۰۱۳ء
[9] المتوفی ۱۱۳۱ء

حکومت کا کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

آج دنیا ہمارے بے حسی اور جہالت کا مذاق اڑا رہی ہے ہم جدید ٹیکنالوجی اور مشنری کے حصول میں ان کے محتاج ہیں وہ ہم سے جنگی ساز و سامان کے منہ مانگے دام لے رہے ہیں اور دام لینے کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے سر پر جوتے بھی مارتے ہیں اور سامان بھی اکثر و بیشتر ایسا دیتے ہیں جو از کار رفتہ ہو اور ان کے خلاف استعمال نہ ہو سکے، ہم پر لازم ہے کہ ہم صنعتی اور سائنسی، طبّی اور ایٹمی شعبوں کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیں، ہم مقتدی نہیں مقتدیٰ بنیں کیونکہ یہ امّت زمانے کی قیادت کے لئے دنیا میں آئی ہے، ہمیں علومِ جدیدہ سے نفرت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ان سے نفرت کے نتیجہ میں ہم ہمیشہ صنعتی اور سیاسی غلامی میں جکڑے رہیں گے اور کبھی بھی اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو سکیں گے

امام غزالیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب احیاء العلوم میں ان تمام علوم و فنون کی تحصیل کو فرض کفایہ قرار دیا ہے جن کے نہ ہونے سے کوئی اجتماعی خرابی لازم آسکتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے علم طب، حساب، کاشتکاری، کپڑے کی صنعت، سیاست، نشتر زنی اور سلائی کے کام کو فرض کفایہ بتایا ہے۔[1]

امام صاحبؒ اگر آج زندہ ہوتے اور امّتِ مسلمہ کو سائنسی اور صنعتی علوم میں کما حقہ دسترس نہ ہونے کی وجہ سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھتے تو

[1] احیاء العلوم صلا بحوالہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں

ان علوم میں مہارت کو یقیناً فرض قرار دیتے ۔

اُٹھیے اور چھا جائیے

امتِ مسلمہ کے نوجوانو! غفلت کی نیند سے بیدار ہوجاؤ۔ بہت سو لیا، بہت خوار ہولیا، اب عالمِ اسلام کی جو حالت ہے وہ دیکھی نہیں جاتی، اپنے بزرگوں کی اعلیٰ روایات کو زندہ کر ڈالو ایک ہاتھ میں قرآن کی شمع اور دوسرے ہاتھ میں سائنس کی تلوار لے کر اُٹھو اور زمانے پر چھا جاؤ، مگر دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنا ایک یہ کہ مسلمان کے لیے صنعت و حرفت، سائنس اور ٹیکنالوجی قرآن کے بغیر بیکار ہے، ٹیکنالوجی وغیرہ تو یورپ والوں کے پاس بھی ہے تمہاری برتری پوری دنیا پر اس وقت ثابت ہوگی جب تمہارے پاس قرآن بھی ہو اور جدید ٹیکنالوجی بھی ہو کیونکہ اصل علم تو قرآن کا علم ہے، دین کا علم ہے، اللہ کی رضا حاصل کرنے کا علم ہے۔ باقی سارے علوم و فنون اس کے تابع ہیں۔

دوسری بات یہ کہ متجددین کے پروپیگنڈا سے متأثر ہوکر کبھی بھی قرآن کو اور اسلامی حقائق کو علوم جدیدہ کے تابع نہیں کرنا، ان سے مرعوب ہوکر قرآن میں معنوی تحریف ہرگز نہ کرنا، انہیں خوش کرنے کے لیے قرآن کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی کتاب نہ بنا دینا بلکہ قرآن کو قرآن ہی رہنے دینا، اسے کتابِ ہدایت ہی سمجھنا، بلکہ ہوسکے تو سارے علوم کو قرآن کا خادم اور غلام بنا دینا جب تم نے ایسا کر لیا تو تم زمانے کے امام بنو گے، زمانہ تمہارے اشاروں پر چلے گا دنیا تو تمہاری قیادت و سیادت کو تسلیم کر ہی لے گی آخرت میں بھی تم قسمت کے دھنی ہو گے

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو | جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
پر اک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد | اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

"اسلام نے مزدوروں کو اس وقت مقام بخشا جب روم، ایران،
مصر اور ہندوستان میں ان پر جور و جفا کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، وہ انسان
تھے مگر انسان شمار نہیں کئے جاتے تھے، وہ جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے
انہیں اپنے لئے جینے کا بالکل حق نہ تھا، انہیں بتا دیا گیا تھا کہ تمہارے دنیا میں
آنے کا مقصد وڈیروں، قبائلی سرداروں اور وقت کے بادشاہوں کی خوشنودی حاصل
کرنا ہے، ان کے بچے غلام ابن غلام شمار ہوتے تھے، نافرمانی پر انہیں زندہ جلا دیا جاتا
تھا۔ ان میں سے کسی کی بھی قبول صورت بیوی کو عارضی طور پر مانگ لیا جاتا تھا، ان کے
طاقتور بچّے کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا، اور کمزور بچے کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ ان
کی خدمت کے قابل نہ ہوتا تھا۔ محنت کشوں کا شکار کرنے کا باقاعدہ لائسنس ملتا
تھا۔ اس دور میں بھی بندۂ مزدور کے اوقات تلخ ہی ہیں۔ مزدوروں کا دم بھرنے
والے نام نہاد لیڈر جن مہنگی کاروں میں سفر کرتے ہیں ان میں پٹرول کی جگہ مزدوروں کا
خون جلتا ہے۔ جن شاندار بنگلوں میں یہ رہتے ہیں ان کی بنیادوں میں مزدوروں کا
خون شامل ہوتا ہے۔ ان کے تیس تیس ہزار روپے کے لباس سے محنت کشوں کے خون کی
بو آتی ہے۔ یہ اسٹیج پر آتے ہیں تو کچھ اور ہوتے ہیں۔ خلوت میں جاتے ہیں تو کچھ اور ہوتے
ہیں۔ یہ اپنی عوامی زندگی میں بڑے ہمدرد، ملنسار اور مزدور دوست ہوتے ہیں لیکن
نجی زندگی میں بڑے سفاک، ظالم اور خونخوار ہوتے ہیں وہ لیڈرانِ کرام جن پر عوام
جان چھڑکتے ہیں اور ان کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں، اگر ان کی نجی زندگی
عوام کے سامنے آجائے تو شاید وہ ان کی منحوس شکل پر تھوکنا بھی گوارہ نہ کریں لیکن
آؤ میرے آقا کا روشن اجلا، پاکیزہ قابلِ رشک کردار بھی دیکھو۔"

محنت کش اور اسلام

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم اما بعد
فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید - ۲۷)

اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کرلیا ہم نے ان پر واجب نہیں کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اسے اختیار کرلیا تھا) سو انہوں نے اس کی رعایت پوری نہیں کی۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔
(الاعراف - ۳۲)

آپ کہئے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کردیا ہے۔ اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو، آپ کہہ دیجئے یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے دنیا کی زندگی میں ہیں (اور) قیامت کے دن تو خالص انہی کے لئے۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ

صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وَقَالَ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ وَيَقُوْلُ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ (مسلم)

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے پاک چیزوں کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اسی چیز کا حکم دیا ہے جس کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے چنانچہ فرمایا اے رسولو کھاؤ پاک چیزیں اور نیک کام کرو۔ اور فرمایا اے ایمان والو! کھاؤ پاک کھانوں میں سے جو ہم نے تمہیں دیئے پھر ذکر کیا آپؐ نے ایک شخص کا جو طویل سفر کرتا ہے (حج کے لئے یا کسی اور عبادت کے لئے یا قبولیتِ دعا کی تلاش کے لئے) پراگندہ بال اور غبار آلود، اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے پروردگار (مجھ کو یہ چیز دے مجھ کو فلاں چیز دے) حالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، حرام ہی میں پرورش کیا گیا ہے۔ پھر کیوں اس کی دعا قبول کی جائے۔

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ الطَّيْرُ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةٌ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

جو مومن شخص کسی درخت کا پودا لگائے یا زمین کاشت کرے پھر اس میں سے پرندے کھائیں یا آدمی یا کوئی اور جانور کھائے تو وہ اس کے حق صدقہ ہوگا۔

عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یاکل من عمل یدیہ (بخاری)	حضرت مقدام بن معدیکرب رض کہتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھایا کسی نے کبھی کوئی کھانا جو بہتر ہو اس کھانے سے جو اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔

گرامی قدر حاضرین! آج یکم مئی ہے۔ اور آج کے دن دنیا کے بیشتر ممالک میں شکاگو میں ناحق قتل کیے جانے والے محنت کشوں کے حوالے سے مزدوروں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ یوں تو بیسیوں ممالک میں مزدوروں پر ظلم ہوتا ہے، ان کے حقوق میں لوٹ کھسوٹ ہوتی ہے، انہیں پابند سلاسل کیا جاتا ہے، انہیں یونین سازی کے حق سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کے جلوسوں پر گولیاں برسائی جاتی ہیں اور ان کے تڑپتے لاشوں کا تماشا دیکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ یاد صرف شکاگو کے مقتولوں کی منائی جاتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ والے ہمارے ذہنوں میں یہ بات نقش فی الحجر کی طرح بٹھانا چاہتے ہیں کہ حقوق کی تمام تحریکیں اور آزادی کی تمام لہریں صرف یورپ سے اٹھی ہیں۔ عورت کے حقوق کی آواز اٹھی تو یورپ سے، بچوں کے حقوق کی آواز اٹھی تو یورپ سے، بے روزگاروں کے حقوق کی آواز اٹھی تو یورپ سے، عوام کے حقوق کی آواز اٹھی تو یورپ سے، مزدوروں کے حقوق کی آواز اٹھی تو یورپ سے۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک بات غلط ہے جھوٹ ہے۔

اسلام نے عورت کو اس وقت حقوق دیئے جب یورپ کے کلیساؤں

میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ عورت کے اندر روح بھی ہے یا نہیں۔

اسلام نے بچوں کے سر پر اس وقت شفقت کا ہاتھ رکھا جب یورپ میں ان کی خرید و فروخت ہو رہی تھی۔

اسلام نے بے روزگاروں کو اس وقت روزگار الاؤنس اور بیت المال سے وظائف دیئے جب یورپ میں کتوں، ریچھوں اور جنگلی جانوروں سے لڑا کر انہیں چند ٹکڑوں کا حق دار سمجھا جاتا تھا۔

اسلام نے عوام کو حکمرانوں سے بزورِ بازو اپنا حق وصول کرنے کا اس وقت راستہ دکھایا جب یورپ میں انہیں بادشاہوں کو خدا تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

اسلام نے مزدوروں کو اس وقت مقام بخشا جب روم، ایران، مصر اور ہندوستان میں ان پر جور و جفا کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ وہ انسان تھے مگر انسان شمار نہیں کئے جاتے تھے، وہ جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ انہیں اپنے لئے دنیا میں جینے کا حق بالکل نہ تھا، انہیں بتا دیا گیا تھا کہ تمہارے دنیا میں آنے کا مقصد وڈیروں، قبائلی سرداروں اور وقت کے بادشاہوں کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، ان کے بچے غلام ابن غلام شمار ہوتے تھے، نافرمانی پر انہیں زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ ان میں سے کسی کی بھی قبول صورت بیوی کو عارضی طور پر مانگ لیا جاتا تھا، ان کے طاقتور بچے کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا، ان کے کمزور بچے کو قتل کر دیا جاتا تھا کیونکہ وہ ان کی خدمت کے قابل نہ ہوتا تھا۔ محنت کشوں کا شکار کرنے کا باقاعدہ لائسنس ملتا تھا۔

آپ فرید وجدی مصری کی "المدنیۃ والاسلام"، مولانا سید

ابوالحسن علی ندوی کی "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر"،
اکبر شاہ نجیب آبادی کی "نظام سلطنت" کا مطالعہ کیجئے۔ آپ خود دیکھ لیں گے
کہ دنیا کے ان متمدن ممالک میں مزدوروں، محنت کشوں اور عام رعایا
کا کس قدر استحصال ہوتا رہا ہے اور مزدوری اور مزدوروں کو کتنی حقارت
سے دیکھا جاتا رہا ہے لیکن اسلام ہی تھا جس نے مزدوری کو شرف بخشا،
محنت کو عبادت بنا دیا اور مزدور کو تحفظ دیا اس کے حقوق متعین کئے اور استحصالی
ٹولے کو لگام دی لہذا یہ تاثر غلط ہے کہ مزدوروں کے حقوق کی تحریک یورپ سے
اٹھی ہے۔ اس بارے میں اقدمیت اور سبقت کا شرف صرف اسلام کو حاصل ہے
یورپ کے دعوے جھوٹے ہیں۔ دورِ جاہلیت کو چھوڑیئے اس روشنی اور علم
کے دور میں بھی نظام سرمایہ داری کے ذریعہ یورپ میں محنت کشوں کا استحصال
ہو رہا ہے۔ وہاں کا مزدور بُری طرح قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کا مکان سودی
قرض کا ہے، اس کی گاڑی سودی قرض کی ہے، اس کا لباس سودی قرض کا
ہے، اس کی ایک ایک چیز سودی قرض کی مرہونِ منّت ہے

ایک اور بات جو انتہائی قابلِ اصلاح ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے ریڈیو
ٹی وی اور اخبارات میں بار بار ان مزدور لیڈروں کو شکاگو کے شہیدوں کے
نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شہید خالص اسلامی اصطلاح ہے اور شہید
اس مسلمان کو کہا جاتا ہے جو خالص اللہ کی رضا کے لئے جان کو قربان کرے۔
اگرچہ اپنی عزت و آبرو اور مال و دولت کی حفاظت کے لئے لڑنے والا
بھی شہید ہے، حادثاتی موت مرنے والا بھی شہید ہے لیکن ان کے لئے بھی
مسلمان ہونا شرط ہے۔ کسی کافر کو شہید کہنا اسلامی اصطلاح میں تحریف
کرنا ہے اور اسلامی اصطلاحات میں تحریف کرنا بڑا جرم ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ شکاگو کے مزدوروں نے حقوق کی تحریک کے لئے بڑی قربانیاں دیں، بڑی تکلیفیں اٹھائیں لیکن محض ان کی عزت افزائی کے لئے ہم اسلامی اصطلاحات کو پامال نہیں کرسکتے ورنہ کل کلاں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے لیڈر کی عزت افزائی کے لئے اسے رسول کہنے لگے اور اس کے ساتھیوں کو صحابی کا نام دے دے

یہ دو باتیں میں نے تمہید کے طور پر عرض کردی ہیں تاکہ ہمارے ذرائع ابلاغ کا پھیلایا ہوا یہ گرد و غبار صاف ہوجائے ورنہ اصل میں آج چار باتیں بتانا چاہ رہا تھا۔ ایک تو یہ کہ اسلام میں رزقِ حلال کی کس قدر فضیلت اور اہمیت ہے۔ دوسری یہ کہ اسلام میں محنت اور محنت کشوں کا کیا مقام ہے تیسرے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، علماء اور اسلاف نے محنت اور مزدوری میں کبھی عار محسوس نہیں کی، اسے کبھی گھٹیا کام نہیں سمجھا۔ چوتھی یہ کہ اسلام نے مزدور کو کیا کیا حقوق دیئے ہیں۔

کسبِ حلال

رزق حلال کے ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ جان لیجئے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو کسب و عمل کی ترغیب دی ہے اسلام میں نہ تو رہبانیت کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی اسلام نکموں، بھکاریوں اور کاہلوں کو پسند کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کردے اُس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر بتادیا کہ نسبی بلندی بے عملی کے خلا کو پُر نہیں کرسکتی اور حسب کی عظمت بد عملی کا مداوا نہیں کرسکتی، اگر دنیا اور آخرت میں حقیقی عظمت چاہتے ہو تو عمل کرو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ۝	ایسی ہی (کامیابی) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے ۔

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز بہ آوازِ بلند ہمیں ایسا عمل کرنے کی دعوت دے رہی ہے جس کے ذریعے ہم اپنے لوگوں کے لئے اچھی آرزوئیں قائم کر سکیں اور سورج، چاند، ستارے، درخت اور جانور جو ہر وقت ہمیں فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں، ان کے کام و ذمہ داریاں کسی پر مخفی نہیں لیکن اگر زبانِ حال ہمارے لئے باعثِ عمل نہ ہو تو قرآن کریم کی آیات میں مفید نصیحتیں اور واضح احکامات موجود ہیں جن کے بعد تشفی کے کسی اور ذریعے کے اختیار کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الجمعۃ - ۱۰)	پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔ اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

قرآن اور حدیث میں واشگاف الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ نتائج کا دار و مدار کسب و عمل پر ہے ۔ فرمایا :

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى	انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے سعی کی ۔

دین و دنیا بعض لوگ جہالت کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق آخرت اور دین کے ساتھ ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اصل میں یہ ان لوگوں کی سوچ ہے جو رہبانیت سے متاثر ہیں اور صرف نماز، روزہ کو عبادت اور آخرت سمجھتے ہیں اور محنت، مزدوری، زراعت اور ملازمت کو دنیاداری

سمجھتے ہیں حالانکہ ہمیں دنیا کی بھلائیاں مانگنے کا طریقہ سمجھایا گیا ہے ۔ فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا	اور کوئی ان میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي	کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا	(بھی) بہتری دے اور آخرت میں بھی بہتری
عَذَابَ النَّارِ ہ اُولٰٓئِكَ	دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے
لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا	رکھنا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں حصہ مل کر رہے گا
وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ	اس عمل کے عوض جو انہوں نے کر رکھا ہے
(البقرہ - ۹)	اور اللہ حساب بہت جلد لے لے گا۔

حضرت مقدام بن معدیکربؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی یوں بیان فرمایا ہے :

• جو کوئی انسان اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کمائے اور کھائے اس سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے تھے۔"

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یوں بیان فرمایا ہے : بہترین کھانا وہ ہے جو تم اپنے کسب سے کماؤ اور کھاؤ۔

زراعت کی فضیلت

بعض لوگ زراعت اور کاشتکاری کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو خود زراعت کی ہے۔ دوسرے آپؐ نے زراعت کے ایسے فضائل ارشاد فرمائے جس سے درخت لگانے، پیداوار بڑھانے اور بے آباد زمینوں کی کاشت کی طرف مسلمان متوجہ ہوئے۔ ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا :

مَامِن مُسلِمٍ یغرسُ غرسًا اَویَزرَعُ	جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی
زرعًا فیاکُلُ مِنہُ الطیرُ	کرتا ہے اور اس سے چرند، پرند اور انسان
وَالاِنسَانُ اَوْ بَہِیمَۃٌ اِلَّاکَانَ بِہٖ	اپنی غذا حاصل کرتے ہیں تو یہ سب اس کے لئے
صَدَقَۃٌ ۔	صدقہ بن جاتا ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کاشتکار کو صرف فعل زراعت کی وجہ سے ثواب ملتا ہے، اس کی نیت ثواب حاصل کرنے کی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ زراعت کرنے سے بہرصورت خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے خواہ کاشتکار فائدہ پہنچانا چاہے یا نہ چاہے۔ دراصل اسلام کی نظر میں اصل نیکی اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا ہے جس کام سے خلقِ خدا کو جتنا زیادہ فائدہ پہنچے گا اس کا کرنے والا اتنا ہی زیادہ اجر و انعام کا مستحق ہوگا، زراعت میں چونکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اس لئے اس کی فضیلت بھی زیادہ ہے۔

ایک اور موقع پر ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہے[1]: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) کہ میری بستیوں کو آباد کرو تاکہ میرے بندے اس میں زندگی بسر کرسکیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب اسلامی اصولوں کو سامنے رکھ کر محنت اور ملازمت کی جاتی ہے تو وہ عبادت بن جاتی ہے، وہ آخرت بن جاتی ہے، وہ نیکی بن جاتی ہے اور اگر نماز، روزہ اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہو بلکہ دکھاوے یا کسی اور مقصد کے لئے ہو تو وہ عبادت نہیں رہتا بزنس بن جاتا ہے، دنیا بن جاتا ہے، انسان کی اخروی زندگی کے لئے وبال بن جاتا ہے۔

اسلام کا یہ دنیائے انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دین

---

[1] مبسوط ج ۲۳ - از "اسلام کا اقتصادی نظام"

اور دنیا کی خود ساختہ حد بندیوں کو گرا دیا۔ اسلام سے قبل عبادت گاہ میں دین ہوتا تھا اور بازار میں، دوکان میں، دفتر میں، گھر میں، قصرِ سلطنت میں دنیا ہوتی تھی مگر اسلام نے ایسے طریقے بتائے جن سے بازار کی چلت پھرت بھی دین بن سکتی ہے، دوکان کی محنت بھی دین بن سکتی ہے، دفتر کی ملازمت بھی دین بن سکتی ہے، گھر کی مصروفیت بھی دین بن سکتی ہے، قصرِ سلطنت کی امارت وسیادت بھی دین بن سکتی ہے، بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی بھی دین بن سکتی ہے۔ غرض یہ کہ کھانا پینا، چلنا پھرنا ہر چیز دین بن سکتا ہے۔

آقا کا احسان

یہ میرے آقا کا احسان ہے کہ انھوں نے ہم جیسے کمزوروں کے لئے ان چیزوں کو بھی دین بنا دیا جو انسان اپنی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کے لئے کرتا ہے بلکہ بعض اوقات فرائض کی ادائیگی کے ساتھ رزق حلال کی محنت کرنے والے محنت کش کو اس عابد وزاہد سے افضل قرار دیا جو مسلسل نماز روزے میں مصروف رہتا ہے۔ دو صحابی رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ آئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا: یہ تو ہر وقت نماز پڑھتا رہتا ہے، مستقل روزے رکھتا ہے۔ اور مستقل نماز روزے کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس کے اونٹ کون چراتا ہے، اہل وعیال کی کفالت کون کرتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم لوگ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم (حقیقت میں) اس سے زیادہ عبادت کرنے والے ہو۔

اور ایسے حضرات کو جو صرف عبادت وریاضت، نماز اور روزے

کو دین سمجھتے تھے صاف صاف بتا دیا کہ یہ میرا طریقہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے پاس تین حضرات آئے، ان سے آپؐ کی عبادت کے بارے میں پوچھا۔ جب انہیں آپؐ کی عبادت بتلائی گئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اس کو کم سمجھا اور عرض کیا: بھلا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کو کہاں پہنچ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے دور رہوں گا کبھی شادی نہ کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی، آپؐ مسجد میں تشریف لائے۔ اللہ جل شانہٗ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں۔ بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور متقی ہوں لیکن میں پھر بھی روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ یہی میری سنّت ہے، جس نے میری سنّت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

رزق حلال کی طلب اور اس کیلئے کسب وعمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اتنا اہم کام تھا کہ آپؐ نے کسب حلال کے طلب کرنے کو دوسرے فرائض نماز، روزہ وغیرہ کے بعد ایک فریضہ قرار دیا۔ آپؐ نے یہاں تک فرمایا کہ بعض گناہ ایسے ہیں جو دوسری عبادتوں سے بھی معاف نہیں ہو سکتے لیکن جب ایک آدمی رزقِ حلال کی تلاش میں پریشان رہتا ہے اُس کے وہ ناقابلِ معافی گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت انسؓ نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم میں سے بعض روزے سے تھے، بعض کا روزہ نہ تھا، ایک سخت گرم دن ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ ہم میں سب سے زیادہ سائے والا چادر والا تھا، ہم میں سے بعض دھوپ سے اپنے ہاتھ کے ذریعے بچ رہے تھے، روزہ دار تو ایک طرف پڑ گئے اور جن کا روزہ نہ تھا انہوں نے کام کیا، خیمے لگائے، جانوروں کو پانی پلایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج کے دن تمام ثواب روزہ نہ رکھنے والوں نے کما لیا۔

قرآن حکیم میں کئی مقامات پر رزق حلال کو اللہ کے فضل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۃ الجمعہ میں ہے: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

محنت میں عظمت

یہ اسلام کا اور پیغمبرِ اسلام کا عالمِ انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے محنت سے نفرت کو جرم بتلایا اور رزقِ حلال کے لئے ہر طرح کی محنت اور مزدوری کو قربِ الٰہی کا سبب بتایا اور دلوں میں محنت کی عظمت اس طرح بٹھائی کہ جس سے بہتر انداز اختیار ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

دنیا میں درخت لگانے اور پیداوار بڑھانے کی منظم تحریکیں چلائی جاتی ہیں لیکن ایک مسلمان کو بحیثیت ایک مسلمان اس شعبہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس سے زیادہ پرکشش بات اور کوئی نہیں ہے کہ درخت لگانے اور فصلوں کی کاشت کرنے سے اسے جو دنیا کا فائدہ ہوگا وہ تو ہو ہی جائے گا دنیا کے فائدے کے ساتھ اس کی آخرت بھی بنتی ہے اور اجر و ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔

علماء نے اس موضوع پر بحث کی ہے کہ زراعت افضل ہے یا تجارت، کیونکہ تجارت کے فضائل بھی احادیث میں کثرت سے مذکور ہیں۔ اور فیصلہ یہ کیا ہے کہ جہاں لوگوں کو غلہ اور اجناس کی ضرورت زیادہ ہو وہاں زراعت افضل ہے اور جہاں اس کی اتنی ضرورت نہ ہو وہاں تجارت افضل ہے۔

تجارت و صنعت اور تجارت کو اتنی فضیلت دی کہ حضرت ابوسعید خدری رضؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

اَلتَّاجِرُ الْاَمِيْنُ الصَّدُوْقُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ[1] پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر نبیوں صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

اللہ کے رسول نے صنعت و حرفت کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے[2]: اللہ تعالیٰ حرفت والے مؤمن کو دوست رکھتا ہے۔

ایک موقعہ پر صحابہ کرامؓ مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف تھے آپ کے ایک صحابی جن کا تعلق حضرموت سے تھا وہ بڑے سلیقے سے مٹی گوندھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا[3]: خدا اس پر رحمت فرمائے جو کسی صنعت میں کمال پیدا کرے، پھر اس شخص سے فرمایا تم اس کام لگے رہو کیونکہ مجھے نظر آتا ہے کہ تم اسے عمدگی سے کرتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ان تمام افراد کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو حصولِ رزق کے ساتھ ساتھ انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے مصروفِ کار رہیں۔

---

[1] ترمذی۔ [2] الکبیر الاوسط۔ [3] ابن ماجہ

کاشت کار غذائی ضروریات پوری کرتا ہے تو اس کے کام کی تعریف فرمائی تاجر ضرورت کی دوسری چیزیں فراہم کرتا ہے تو اس کی تعریف فرمائی، صنعت کار مزدوروں کو روزگار فراہم کرتا ہے اور اپنے فن سے انسانیت کی خدمت کرتا ہے تو اس کی تعریف فرمائی۔ اسی طرح جو مسلمان طبی تحقیقات اور سائنسی ایجادات کے ذریعہ مثبت انداز میں انسانی سوسائٹی کو فائدہ پہنچاتے ہیں وہ بھی اسلام کی نظر میں قابلِ قدر ہیں۔

ہے کوئی ایسا لیڈر بات محنت کی ہو رہی تھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں محنت کش کا مقام بہت بلند ہے۔ اس قدر بلند کہ کائنات کے سردار نے مزدور کے کھردرے ہاتھوں کو اپنے ان مقدس لبوں سے بوسہ دیا جن لبوں پر وحی کی آیات مچلتی تھیں۔

اسد الغابہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا تو ان کی ہتھیلی کچھ کھردری اور داغدار نظر آئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ داغ کیسے ہیں؟ عرض کیا: یا رسول اللہ میں نعل بندی کا کام کرتا ہوں اور اسی سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں یہ سُن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ارشاد فرمایا:

هٰذِهٖ يَدٌ لَا تَمَسُّهُ النَّارُ یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھو سکتی۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہے۔ آپ انہیں غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اپنا وقت مسلمانوں کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ پھر اپنی ضروریات کے لئے لکڑیاں کاٹتے تھے، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو

ان کے ہاتھوں میں وہ سختی محسوس کی جو پہلے محسوس نہ ہوتی تھی۔ اس کی وجہ دریافت کی۔ جب سبب معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کا ہاتھ اٹھا کر چوم لیا اور فرمایا : یہ ایسا ہاتھ ہے جسے دوزخ کی آگ کبھی نہ پہنچے گی، یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی

کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں سوشلزم، کمیونزم یا نظامِ سرمایہ داری نے مزدور کو عظمت دی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام نظاموں میں مزدور کا استحصال ہوا ہے، اس کے حقوق چھینے گئے ہیں، اس کے خون پسینے کی کمائی کو شیرِ مادر سمجھ کر ہڑپ کیا گیا ہے۔

مزدوروں کا دم بھرنے والے نام نہاد لیڈر جن مہنگی کاروں میں سفر کرتے ہیں ان میں پٹرول کی جگہ مزدوروں کا خون جلتا ہے۔ جن شاندار بنگلوں میں یہ رہتے ہیں ان کی بنیادوں میں مزدوروں کا خون شامل ہوتا ہے۔ ان کے تیس تیس ہزار روپے کے لباس سے محنت کشوں کے خون کی بُو آتی ہے۔
یہ اسٹیج پر آتے ہیں تو کچھ اور ہوتے ہیں، خلوت میں جاتے ہیں تو کچھ اور ہوتے ہیں۔ یہ اپنی عوامی زندگی میں بڑے ہمدرد، ملنسار اور مزدور دوست ہوتے ہیں لیکن نجی زندگی میں بڑے سفاک، ظالم اور خونخوار ہوتے ہیں۔ وہ لیڈرانِ کرام جن پر عوام جان چھڑکتے ہیں اور ان کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں، اگر ان کی نجی زندگی عوام کے سامنے آجائے تو شاید وہ ان کی منحوس شکل پر تھوکنا بھی گوارہ نہ کریں۔ لیکن میرے آقا کی جلوت اور خلوت ایک جیسی تھی، نجی زندگی اور عوامی زندگی میں یکسانیت تھی، ہر جگہ توازن تھا، مساوات تھی، ہمدردی تھی، غمگساری تھی، غریب پروری تھی، سادگی تھی، ایثار تھا، پیار تھا۔ آپ دکھایئے کوئی ایسا لیڈر جو غریبوں سے، یتیموں سے، کمزوروں سے، مزدوروں

سے اتنا پیار کرتا ہو جتنا میرے آقاؐ پیار فرماتے تھے۔

مزدورو! تمہیں تو اپنی قسمت پہ ناز کرنا چاہئے کہ کائنات کے سردار نے، انسانیت کے وقار نے، عرب و عجم کے افتخار نے، امام الاخیار نے تمہارے ہاتھوں کو یہ عظمت عطا کی کہ انہیں اُن لبوں نے بوسہ دیا جو وحی کی تلاوت کرنے والے تھے، جو لب ابدی سچائیوں کی ترجمانی کرنے والے تھے جن لبوں پر صبح خنداں کا حسن، کلیوں کا تبسّم، حوروں کا جمال اور ستاروں کا نور قربان کیا جا سکتا ہے، وہ لب جن کے بارے میں ابوجہل بھی گواہی دیتا تھا کہ یہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ ہاں! انہی لبوں سے مزدور کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت جابرؓ کا اپنا مقام ہے وہ صحابی تھے، عابد و زاہد تھے، قاری تھے، مجاہد تھے، یہ سب صفات ان میں تھیں لیکن اس مقام پر ان کے ہاتھوں کو بوسہ آپ نے ان کے زہد و تقویٰ اور نماز و روزہ کی وجہ سے نہیں دیا بلکہ ان کی محنت کشی اور مزدوری کی وجہ سے دیا۔ اور جن لیڈروں کو تم اپنے حقوق کا نگہبان سمجھتے ہو وہ تو تمہارے ساتھ ہاتھ ملانے کو بڑا احسان سمجھتے ہیں اور ممکن ہے کہ ہاتھ ملانے کے بعد ڈیٹول سے دھوتے بھی ہوں تاکہ تمہارے جراثیم ان کے اندر سرایت نہ کر جائیں۔ ان بدبختوں کو تمہارے پسینے سے اتنی کراہیت آتی ہے کہ وہ تمہارے پاس بیٹھنا گوارہ نہیں کرتے لیکن میرے آقاؐ محنت کشوں کو سینے سے لگاتے تھے، ان کے ہاتھ چومتے تھے، انہیں دستر خوان پر اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے تھے۔

اس واقعہ میں ان نام نہاد پیروں کے لئے بھی سبق ہے جو سرمایہ داروں کے ہر طرح کے چونچلے برداشت کرتے ہیں، ان کے درِ دولت پہ حاضری کو

اپنی سعادت سمجھتے ہیں، ان کے پاس گھنٹوں بیٹھ کر وقت ضائع کرتے ہیں اور اگر کبھی سیٹھ صاحب ان کے دربار میں آجائیں تو ان کی باچھیں اتنی کھل جاتی ہیں کہ قریب ہے کہ چر جائیں، وہ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں اپنی مسند پر بٹھا کر ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور روبوٹ کی طرح سر ہلاتے رہتے ہیں اور جی جی کرتے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی مفلس شخص بھولے سے ان کے پاس چلا جائے تو ان کا موڈ آف ہو جاتا ہے، ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں ان کے لئے اس سے ملنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے عجیب تر بات یہ ہے کہ ان غریب مریدوں سے انہیں نذرانے لینے میں تو قطعاً کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی لیکن ان بیچاروں سے ملنے میں حضرت جی کو بڑی شرم محسوس ہوتی ہے کہ آخر لوگ کیا کہیں گے ہمارے حضرت ایسے کنگلوں اور قلاشوں کے پیر ہیں؟

میرے دور کے پیرانِ عظام اور علمائے کرام! ان مزدوروں اور غریبوں سے نفرت مت کیجئے، ان کے پیار کا جواب پیار سے دیجئے، ان کے پیار میں کوئی کھوٹ نہیں، کوئی ملاوٹ نہیں۔ یہ تو ہماری جماعتوں، مجلسوں اور تحریکوں کا اصل سرمایہ ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو سامنے رکھئے کہ کس طرح آپ ان کے کھردرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔

عملی نقشہ

پھر یہ بات بھی یاد رکھئے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مزدوروں کے ہاتھ ہی نہیں چومے، صرف ان کی حوصلہ افزائی ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود عملاً مزدوری کر کے دکھلائی اور مزدوری میں کبھی عار محسوس نہیں کی۔ زمانۂ نبوت سے پہلے آپ چند قیراط کے بدلے مکے کی وادیوں میں لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اس بات کو آپؐ نے کبھی نہیں چھپایا، بلکہ

بلا تکلف بتادیا کہ میں نبوت سے پیشتر معمولی اجرت پر لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور یہ خیال نہ کیجیے گا کہ محنت مزدوری سے نبوت ملنے کے بعد آپؐ نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ جیسا کہ ہمارے دور کے لیڈروں کا حال ہے کہ لیڈری چمکنے سے پہلے وہ ہر کام کرتے ہیں، سائیکل پر سوار ہوتے ہیں، بسوں اور ریل گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں، جھوٹا موٹا کھا کر گذر بسر کرتے ہیں، جھونپڑا نما مکان میں رہتے ہیں لیکن لیڈری چمکنے کے بعد سائیکل پر سوار ہونا ان کے لئے ڈوب مرنے کا موقع ہوتا ہے، ہوائی جہازوں کے بغیر وہ سفر نہیں کر سکتے، فائیو اسٹار ہوٹلوں میں وہ لنچ اڑاتے ہیں، وسیع و عریض بنگلوں میں ان کی رہائش ہوتی ہے، ان کے نزلے کھانسی کا علاج یورپ کے مہنگے ترین ہسپتالوں میں ہوتا ہے ان کے بچے غیر ملکی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، مزدوری میں انہیں عار محسوس ہوتی ہے، وہ اگر کسی عمارت کے افتتاح کے وقت ایک بیلچہ سیمنٹ کا اٹھا کر عمارت کی بنیاد میں ڈال دیتے ہیں تو ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اس انہونے واقعہ کو سر پہ اٹھا لیتے ہیں۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس وہ خدام اور جاں نثار غلام تھے جو ہر وقت خدمت کے لئے آمادہ رہتے تھے، جو اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے تھے، جو آقا کی خدمت کو جنت کی ضمانت جانتے تھے، جو آقا کے پسینے کی جگہ خون بہانا اپنے فرض سمجھتے تھے۔ لیکن ان خدام کے ہوتے ہوئے بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر محنت طلب کام میں برابر شریک ہوتے تھے۔ اُس پیارے منظر کو سامنے لائیے جب مسجدِ نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی اور صحابہ کرامؓ پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہے

تھے تو اس سارے عمل میں میرے آقا بذاتِ خود بھی شریک تھے آقاؐ کو مصروفِ عمل دیکھ کر صحابہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

لئن قعدنا والنبی یعمل — لذاک منا العمل المضلل

اور کبھی پڑھتے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا — علی الجہاد ما بقینا ابدا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جواباً یہ شعر پڑھتے:

اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرہ — فاغفر الانصار والمہاجرہ

بہت سے مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناپسند فرمایا کہ اپنے آپ کو صحابہؓ سے منفرد و ممتاز رکھیں۔ ایک موقع پر ایک غزوے سے واپسی پر آپ نے ایک دُنبہ ذبح کرنا چاہا تو ایک صاحب نے عرض کیا میں ذبح کئے دیتا ہوں، دوسرے بولے کہ میں اس کی کھال اتاروں گا، تیسرے گویا ہوئے کہ میں اسے پکا دوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لکڑیاں جمع کر دوں گا۔ چنانچہ اِدھر اُدھر سے آپؐ نے وسیع و عریض جنگل سے لکڑیاں چُن چُن کر جمع کیں اور یہ بات صرف صحابہ کرام کے مجمع تک محدود نہ تھی بلکہ گھر کی خلوتوں میں بھی یہی حال تھا۔ خود سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود دوہ لیتے تھے، اور اپنا کام خود انجام دیتے تھے۔ آگے بیان فرماتی ہیں اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے تھے، جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اس طرح کے کام کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ اپنے گھر میں کس طرح رہتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ آپ گھر کے کام کاج میں رہتے تھے جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے باہر چلے جاتے۔[1]

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی ٹانک لیتے تھے، جیسا تم میں سے ہر کوئی اپنے گھر میں کرتا ہے [۱]

صحابہ کا حال یہی حال خلفاء راشدین اور دیگر صحابہؓ کا تھا، وہ محنت کے عادی تھے اور مشقت کے خوگر تھے۔ اپنا معاش تجارت اور محنت کشی سے کماتے تھے، زندگی کی کسی منزل میں بھی انہیں اس میں عار محسوس نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو صبح اٹھ تجارت کے لئے کپڑے لے کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ ملے اور دریافت کرنے لگے یا خلیفہ رسول اللہ کدھر کا قصد ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بازار جا رہا ہوں۔ ان دونوں نے فرمایا: آپ پر تو بار خلافت ہے۔ بازار میں کیا کیجئے گا؟ آپ نے فرمایا پھر اپنے متعلقین کی پرورش کہاں سے کروں گا؟ انہوں نے کہا آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کا وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ آپ ان دونوں کے ساتھ تشریف لائے تو ان حضرات نے مسلمانوں سے مشورہ کے بعد آپ کے معمولی خرچ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جیسا قبل خلافت اپنے مال سے خرچ کرتے تھے۔ اور سفر حج کے لئے سواری مقرر کر دی۔ اور دو چادریں کہ جب پرانی ہو جائیں دوسری لے لیں۔

ہر طرح کی عزت و عظمت حاصل ہو جانے کے باوجود وہ ان کاموں میں عار محسوس نہیں کرتے تھے جنہیں ہم چھوٹے کام سمجھتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ رات کے وقت ایک اندھی اپاہج بڑھیا کی خبر گیری کیا کرتے تھے جو مدینہ طیبہ کے پاس کہیں رہا کرتی تھی۔ مگر چند روز

---

[۱] مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص۲۶۰

کے بعد آپ نے دیکھا کہ کوئی شخص پہلے ہی آکر اس کا کام کرجاتا ہے۔ آپ کو سخت حیرت ہوتی تھی کہ کون ایسا شخص ہے؟ آخر ایک رات یہ دیکھنے کے لئے کہ کون شخص آتا ہے۔ وہاں ٹھہر گئے دیکھا تو صدیق اکبرؓ تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا بھلا سوائے آپ کے اور کون ایسا ہو سکتا ہے۔

ایک روز فاروق اعظم اپنی گردن پر ایک مشک اُٹھا لیجا رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کیا ہے؟ فرمایا میرے نفس نے کچھ غرور کیا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو ذلیل کروں۔

ان کا یہی کردار اور خدمت کا جذبہ تھا جس کی وجہ سے وہ صرف جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر بھی حکمرانی کرتے تھے۔ وہ دوسروں کے احسانات کے زیر بار نہیں رہتے تھے بلکہ دوسروں کو اپنی بے لوث خدمت سے احسان مند رکھتے تھے۔ وہ عوام کے نذرانوں پر نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ عوام کو نوازتے تھے۔ یوں کہہ لیجئے کہ وہ چونکہ اپنی عزت کرتے تھے اس لئے لوگ ان کی عزت کرنے پر مجبور تھے۔

وہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ اصمعی کا ایک موچی کے پاس سے گزر ہوا جو سر راہ بیٹھا لوگوں کے جوتے گانٹھ رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

وَاُکرِمُ نَفْسِیْ اَنَّنِیْ اِنْ اَھَنْتُھَا　　وَحَقِّكَ لَمْ تُکْرَمْ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدِیْ

میں اپنے نفس کا خود ہی اکرام کرتا ہوں اسلئے کہ اگر خود میں نے ہی اس کو ذلیل کر دیا تو واقعتاً میرے بعد کوئی اور اس کا اکرام نہیں کرے گا۔

اصمعی نے اس موچی سے پوچھا: تم یہ کام کرکے بھلا اپنے نفس کا اکرام کیسے کر رہے ہو؟ اس نے کہا میں نے اس کا اکرام اس طرح کیا ہے

کہ میں نے اس پیشے کے ذریعے اسے تم جیسے کمینے آدمی سے مانگنے سے بچا لیا۔
حضرت علیؓ نے ایک یہودی عورت کے لئے کنویں سے پانی نکالنے کا کام کیا۔ ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور۔ اس کام کی وجہ سے ان کے ہاتھ پھٹ گئے تھے، چنانچہ وہ اُجرت لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سُنایا، آپ نے ان کی تعریف کی، اور ان کھجوروں کو تناول فرمایا۔
مسلمانوں کی زندگی کا یہی حال تھا۔ وہ عملی اور روحانی زندگی دونوں سے عبارت ہوتی تھی اس لئے کہ اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا۔ اور نورِ اسلام ان کے نفوس سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا اور ان کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی بہترین نمونہ تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں رہنمائی اور ہدایت کا سامان تھا آپؐ فرماتے ہیں "جو کام کاج کی وجہ سے تھکا ماندہ ہو جائے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اللہ جل شانہ کام کاج کرنے والے مسلمان کو پسند فرماتے ہیں اور فارغ ویلے کار رہنے والے کو ناپسند فرماتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ ایسے شخص پر رحم کرے جو اپنا کام عمدگی سے کرے، اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص جب کوئی کام کرے تو عمدگی سے کرے۔ جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں"۔ جو شخص ایسا کام کرے جو اُسے نہ آتا ہو آپؐ نے اس پر تاوان لازم کیا، فرمایا: جو شخص علاج کرے حالانکہ وہ طبیب نہ ہو تو وہ ذمہ دار ہو گا۔
غرض یہ کہ تمام صحابہ کرام، ائمہ حضرات، علماءِ سابقین نے محنت و مشقت سے اپنا رزقِ حلال حاصل کیا اور اس کو عار نہیں بلکہ عزت سمجھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی مشہور رباعی ہے ؎

لَنَقلُ الصَّخرِ من قُلَلِ الجِبَالِ — اَحَبُّ اِلَیَّ من مِنَنِ الرِّجَالِ
یَقُولُ النَّاسُ، لِی فی الکسبِ عَارٌ — فَقُلتُ العَارُ فِی ذُلِّ السُّوَالِ

انبیاء علیہم السلام | یہ بھی جان لیں کہ محنت سے رزقِ حلال کمانا یہ صرف اسلام کی تعلیم نہیں بلکہ تمام انبیاء اوران کی امتوں کو یہی حکم تھا کہ وہ رزق حلال کھائیں اور حرام و مشتبہ مال سے اجتناب کریں

فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

یَآاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (سورۃ المومنون) — اے رسولو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔

چنانچہ انبیا علیہم السلام کے حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ اپنا معاش محنت سے کمایا کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں ان ہیں سے بعض صنعتوں اور پیشوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو سکھلائے گئے تھے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا (اور ہماری نگرانی میں کشتی بنائیے ہمارے حکم سے) یہ اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کشتی تھی جو حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی اور یہ کشتی صنعت اور کاریگری کا اعلیٰ نمونہ تھی جس میں کئی درجے اور احاطے تھے۔ یہ کام ربّ کریم کی خصوصی نگرانی میں تکمیل کو پہنچا اور ایک محترم پیغمبر کو اس پیشے کی خصوصی تعلیم دی گئی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کردیا گیا۔ قرآن حکیم میں ہے : وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ (ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کردیا تھا)

حضرت داؤد علیہ السلام آہن گری کی صنعت پر پوری طرح حاوی تھے، زرہ سازی میں انہیں خوب کمال حاصل تھا جو میدانِ جنگ میں دفاعی ضروریات

پوری کرتی تھیں۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہے :

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ	ہم نے داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانے کی
لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ	صنعت سکھائی تھی تاکہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری
اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ (سورۃ الانبیاء)	لڑائی میں، سو کیا تم شکر ادا کرتے ہو۔

حیرت، تعجب اور افسوس ہے اس بات پر کہ ہمارے دور کے بعض لوگ اسلحہ سازی وغیرہ میں پڑنے کو توکل، تقویٰ اور دینداری سے ہٹ کر کوئی اور چیز سمجھتے ہیں۔ اگر اللہ کے برگزیدہ اور صاحبِ کتاب پیغمبر کا اس صنعت کو اختیار کرنا دینداری کے خلاف نہیں بلکہ عین دینداری ہے تو ہم کیا پیغمبروں سے بھی اونچے درجے کے ہیں کہ ہمارے لئے ان صنعتوں کا اختیار کرنا ایمانداری کے خلاف ہے جبکہ ہمیں صاف طور پر حکم دیا گیا ہے

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ	اور اپنی مقدور بھر تیاری کرو (ان کفار کیلئے)
مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ	قوت بڑھانے میں، اور گھوڑے پالنے میں
الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ	تم اس (تیاری) کی وجہ سے خوفزدہ کردوگے
اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ	اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ
مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ	دوسرے لوگوں کو جن تم نہیں جانتے اللہ
اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (سورہ انفال)	ان کو جانتا ہے۔

جیسے اس زمانے میں سامانِ قوت کی فراہمی اور گھوڑوں کی تیاری عبادت تھا اسی طرح آج اگر نیت صحیح ہو تو کلاشنکوف بنانا عبادت ہے، توپیں اور ٹینک بنانا عبادت ہے۔

اصل میں ہمارے ہاں افراط و تفریط بہت زیادہ ہے ایک طرف وہ لوگ ہیں جو صنعت و حرفت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور عبادت کو معمولی کام سمجھتے

ہیں بلکہ بعض بدبخت تو عبادت کو فضول اور بے کار نکموں کا شغل سمجھتے ہیں العیاذ باللہ بہرحال یہ افراط و تفریط اور دین اور عبادت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

جہاں تک انبیاء علیہم السلام کے حالات ہماری رہنمائی کرتے ہیں وہ عبادت بھی کرتے تھے، دعائیں بھی مانگتے تھے، تبلیغ بھی کرتے تھے اور ساتھ ساتھ رزقِ حلال کے لئے کوشش اور محنت بھی کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے اور کپڑے بُننے کا کام بھی آپ ہی سے شروع ہوا، دراہم اور اشرفیاں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے بنائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نجاری یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے،

حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام تاجر تھے۔

حضرت ابراھیم اور حضرت لوط علیہما السلام نے کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام مویشی پالتے تھے اور ان کا دودھ اور ادن فروخت کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیشہ گلہ بانی تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام عظیم سلطنت کے بادشاہ ہونے کے باوجود اپنی گذربسر کے لئے ٹوکریاں اور زنبیلیں بناتے تھے۔

حضور علیہ السلام نے اجرت لے کر بکریاں بھی چرائیں اور تجارت بھی کی۔

انبیاء کرام نے جو اِن مختلف پیشوں کو اختیار کیا تو اصل میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اس کی تلقین کی اس لئے کہ انبیاء کرام علیہ السلام کوئی کام اللہ تع

کے حکم اور اجازت کے بغیر نہیں کرتے، تو اس میں ایک حکمت تو یہ نظر آتی ہے کہ حلال روزی کمانا ہر عام اور خاص پر لازم ہے۔ دوسری یہ کہ امتیوں کو ترغیب دینا ہے کہ وہ بھی کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کریں اور کسبِ معاش کی کوئی جائز صورت نکالیں۔

تیسری یہ کہ کوئی ان مقتداؤں کو یہ طعنہ نہ دے کہ بھک منگے اور دوسروں کے ٹکڑوں پر نظر رکھنے والے ہیں۔

چوتھی یہ کہ کوئی اللہ کا بندہ کسی بھی جائز پیشے والے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور نہ ہی اُسے کاشتکار ہونے، یا نجار ہونے اور درزی ہونے یا چرواہا اور مزدور ہونے کا طعنہ نہ دے اس لئے کہ اس طعنے کا اثر بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے اُن منتخب اور برگزیدہ بندوں تک پہنچ سکتا ہے جنہوں نے ان پیشوں کو اختیار کرکے انہیں شرفِ فضیلت بخشا۔

اسلاف کی زندگی

اگر ہم تاریخ کے اوراق میں علماء، محدّثین، مفسّرین اور اپنے اسلاف کی زندگی کا مطالعہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ اگر ایک طرف مسندِ درس پر بیٹھ کر ہزاروں تلامذہ کو تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیتے تھے تو اس کے ساتھ ساتھ مختلف پیشوں کے ذریعہ رزقِ حلال بھی کماتے تھے ان میں سے کسی نے روغن سازی کا پیشہ اختیار کیا، کوئی کپڑا بُنتا اور بیچتا تھا، کوئی قصّاب اور کوئی حلوائی تھا، کوئی برتن بناتا تھا، کوئی قلعی گر تھا، کوئی لوہار اور کوئی لکڑھارا، کوئی چکی چلاتا تھا اور کوئی صابن بناتا تھا، کوئی مزدوری کرتا تھا اور کوئی کاشتکار تھا ابو علی دھقان نیل فروش تھے لیکن خطیب بغدادی جیسے عظیم محدّث کے استاد تھے۔

علامہ ابو حمزہ اور علامہ ابوالحسن کپڑا بُنتے تھے لیکن علومِ نبوت کے وارث اور مبلغ تھے۔

ابو عبداللہ حبیب اور عبدالعزیز بن موسیٰ قصاب تھے مگر طالبانِ علم کے مرجع اور مرکز تھے۔

خود امام ابو حنیفہؒ، حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام داؤد بن ابی ہند کپڑے کے تاجر تھے۔

امام بخاری کے استاد حسن بن ربیع کوفی بوریئے بیچتے تھے ان کا لقب ہی بواری پڑ گیا۔

امام ابن جوزی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔

حافظ الحدیث ابن رومیہؒ دوائیاں بیچتے تھے، ابوالفضل دمشقی نجار تھے

امام ابن خاضبہؒ، ابو سعید نحوی اور ابن طاہر کتابت کرتے تھے، فقہ کی مشہور کتاب مختصر القدوری کے مصنف کا نام اس لئے قدوری پڑ گیا کہ وہ ہنڈیا بناتے تھے (عربی میں قدر ہنڈیا کو کہتے ہیں)

علماء اور محدثین کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی روشن اور قابلِ فخر تاریخ میں ایسے بادشاہوں اور شہزادوں کے حالات بھی ملتے ہیں جو تاج و تخت کے مالک ہونے کے باوجود اپنی محنت اور فن سے معاشی ضروریات پوری کرتے تھے۔

سلطان التمش کا لڑکا ناصر الدین تخت پر بیٹھا تو اس کی زندگی بڑی درویشانہ رہی۔ وہ اپنے ذاتی اخراجات کا بار شاہی خزانے پر نہ ڈالتا تھا، اچھے قسم کا خطاط تھا اس لئے قرآن پاک کی کتابت کرتا تھا۔ ایک بار ایک امیر نے اس خیال سے کہ سلطانِ وقت کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف ہے

اس کی قیمت معمول سے زیادہ ہی دی سلطان کو یہ معلوم ہوا تو ناگوار گزرا اور آئندہ خفیہ طور پر اپنا لکھا ہوا مصحف بازار بھیجتا تھا تاکہ اس کو وہی ہدیہ ملے جو عام طور پر بازار میں دیا جاتا ہے۔

حقوق حضرات! پچھلے چند جمعوں میں آپ رزقِ حلال کی اہمیت محنت مزدوری کی فضیلت اور حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ اور بزرگانِ دین کی معاشی جدّوجہد کے بارے میں سُن چکے ہیں، آیئے میں آپ کو یہ بتاؤں کہ اسلام نے مزدور کو کیا حقوق دیئے لیکن اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ۔مزدور کے حقوق بیان کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی بادشاہ اور حکمران اسلام کا نام بھی لیتا ہو اور ساتھ ساتھ محنت کشوں کے حقوق پر ڈاکہ بھی ڈالتا ہو تو اس کی ذمہ داری ہم اسلام پر نہیں ڈال سکتے، اس بات کی وضاحت اس لئے کر رہا ہوں کیونکہ کئی نام نہاد صحافی و قلم کار دورِ ملوکیت کے بعض بادشاہوں یا دورِ حاضر کے بعض ڈکٹیٹروں کے ظلم وستم اور غصب و نہب کے واقعات لکھ کر دہائی دیتے ہیں کہ لوگو! جس دین کے ماننے والوں کا طرزِ عمل یہ ہو وہ تمہارے حقوق کا تحفّظ کیسے کر سکتے ہیں۔ اسلام ظالم بادشاہوں اور سنگدل ڈکٹیٹروں کے طرزِ عمل کا ذمہ دار نہیں اور اسلام کو سمجھنے کے لئے تاریخ کے مطالعہ کی نہیں بلکہ کتاب وسنّت کے مطالعے کی ضرورت ہے اور جب ہم کتاب وسنّت کا مطالعہ کرتے ہیں اور اسلام میں محنت کشوں کے دیئے گئے حقوق کا موازنہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کے ساتھ کرتے ہیں تو ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جو حقوق اسلام نے محنت کشوں کو دیئے ہیں وہ کسی دوسرے نظام اور ازم نے نہیں دیئے ۔کارل مارکس وغیرہ کا نام مت لیجئے، ان کے وضع کردہ قوانین اسلامی

احکام اور حقوق کے مقابلے میں خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔

اسلامی تعلیمات

حقیقت تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محنت کشوں کے بارے میں فرمودات اور اسلامی تعلیمات اور درخشندہ روایات کے مطالعہ کے بعد تو دنیا کے کسی بھی قانون اور نظام کا اسلامی نظام کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے حیا محسوس ہوتی ہے۔ کہاں اسلامی تعلیمات اور کہاں یورپ کے گھسے پٹے خود ساختہ قوانین، دونوں میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔

حضرت معرور بن سویدؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو ذر کو ایک پوشاک پہنے دیکھا اسی طرح کی پوشاک ان کے خادم نے بھی پہنی ہوئی تھی، میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا یہ (مزدور و ملازم) تمہارے بھائی اور دست نگر ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضے میں دیا ہے۔ لہٰذا تم میں سے جس کے پاس اس کا بھائی زیر تصرف ہو تو اسے چاہئے کہ اسے وہی کھانا کھلائے جو کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے، اور ان سے ایسا کام نہ لو جو اُن کی طاقت سے باہر ہو اور جب ایسے کام لے ہی لو تو ان کی اعانت کر دیا کرو۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ ابو مسعود خبردار! اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تو اس غلام پر رکھتا ہے میں نے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ غلام، اللہ کے لئے آزاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تو آزاد نہ کرتا تو دوزخ کی آگ تجھ کو جلا ڈالتی (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنے غلاموں کے قصور کس حد تک معاف کریں؟ آپؐ یہ سن کر خاموش رہے۔ اس شخص نے دوبارہ پوچھا، آپؐ نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ دریافت کرنے پر فرمایا اپنے غلام کے قصور کو روزانہ ستّر مرتبہ معاف کرو۔

حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو ان لوگوں سے آگاہ نہ کروں جو تم میں بُرے اور شریر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو تنہا کھائیں، اپنے غلام کو ماریں اور کسی کو خیرات نہ دیں۔

ان احادیث کو سن کر کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ تو غلاموں کے بارے میں ہیں، کیونکہ جس طرح غلاموں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں اسی طرح مزدوروں اور ملازمین کے بھی حقوق ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص ہمارے لئے مزدوری اور کام کاج کرے اور شادی شدہ نہ ہو تو اسے شادی کر لینی چاہیئے، اور جس کے پاس گھر نہ ہو وہ گھر بنا لے، خادم نہ ہو تو خادم لے لے، سواری نہ ہو تو سواری لے لے۔ اس فرمانِ مبارک کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فراخیٔ وسعت کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں جو مزدور کو حاصل ہونا چاہیئے۔ اور اللہ جلّ شانہٗ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں، انہوں نے ایسے لوگوں کو ملامت کی جن کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو کیا دیکھا کہ وہ خود کھا رہے ہیں اور ان کے خادم کھڑے انہیں تک رہے ہیں۔ تو آپ انہیں دیکھ کر غصّے سے زور سے چیخے اور مالکوں سے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے خادموں پر اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں، پھر خادموں سے زور سے فرمایا: اپنے سر اٹھاؤ اور پھر انہیں اپنے مالکوں کے ساتھ کھانے

میں شرکت کی دعوت دی۔

ان روایات کی روشنی میں اسلام غیر شادی شدہ مزدور کو شادی کی سہولت بہم پہنچاتا ہے اسے رہائش گاہ کا حق دیتا ہے، اسے سواری لینے کا حق دیتا ہے اگر ضرورت ہو تو اسے خادم رکھنے کا حق دیتا ہے، اسے مالکوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھنے کا حق دیتا ہے۔ کیا کوئی بھی دوسرا نظام محنت کشوں کو یہ حقوق دیتا ہے؟

اگر ہم دلوں سے کینہ اور نفوس کے عیوب دور کرنا چاہیں، اور لوگوں میں اُلفت مودّت اور باہمی اعتماد پیدا کرنے کے خواہش مند ہوں تو ہمیں اس اساس پر کام کرنا ہوگا اور اس اسلوب کو اختیار کرنا ہوگا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عمل میں بار بار ملتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے ان غلاموں سے چوری کی سزا معاف کر دی جنہوں نے ایک مزنی شخص کی اونٹنی چوری کر کے کھا جانے کا اعتراف کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب سے فرمایا: بخدا تم لوگ ان سے کام بھی لیتے ہو اور اس قدر بھوکا بھی رکھتے ہو کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز بھی کھالیں تو وہ ان کے لئے (ضرورت کی وجہ سے) حلال ہو جائے لہٰذا میں ہرگز ان کا ہاتھ نہ کاٹوں گا، اور جب میں ایسا نہیں کر رہا تو میں تم پر بڑا سخت جرمانہ لگاؤں گا، جاؤ اس مزنی شخص کو اس کی اونٹنی کی قیمت دگنی رقم دو، اس کی قیمت چار سو درہم تھی لہٰذا انہوں نے اس کو آٹھ سو درھم دیئے۔

راحت اور سلامتی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ کی حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ انہیں ایسے کاموں پہ مجبور نہ کرو جو ان کے بس سے باہر ہوں اور اگر ان سے ایسا کام کراؤ ہی تو ان کی مدد اور

اعانت کر دیا کرو، اس میں مزدوروں اور ملازمین کے ساتھ نرمی، تعاون اور برادرانہ سلوک کی نہایت کامل تصویر کشی پائی جاتی ہے۔ یہ عمدہ معانی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک ہم کام کے اوقات متعین نہ کریں ہم اپنے اوقات میں سے کچھ وقت عبادتِ الٰہی میں صرف کرتے ہیں، کچھ وقت بدن کے حقوق کی ادائیگی میں جو سونے اور ایسے کاموں سے عبارت ہے جو سستی وکاہلی دور کر کے نشاط کی تجدید کریں، کچھ وقت نفس کے حق کی ادائیگی کے لئے اور وہ اس طرح کہ دینی و دنیاوی علوم سے آراستہ کریں، اور کچھ وقت بیوی بچوں اور خاندان کے لئے ان کے ساتھ حسن سلوک کریں اور انہیں ضروری باتوں کی طرف متوجہ کریں۔

اطباء (جو اس میدان میں بصیرت رکھتے ہیں) وہ یہ طے کرتے ہیں کہ انسان سابقہ ذکر کردہ حقوق کی ادائیگی کے ساتھ روزانہ آٹھ گھنٹے کام کر سکتا ہے۔

وہ دین اسلام جو مزدور کو روزانہ، ہفتہ وار اور سالانہ راحت وآرام کا وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمانِ عالی کے تحت دلاتا ہے کہ قلوب کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے راحت پہنچاتے رہا کرو، یہی دین اسلام ان ضروریات کا بھی خیال رکھتا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات یومیہ کام کے اوقات آٹھ گھنٹوں سے بھی بڑھ جاتے ہیں، بشرطیکہ ان کام کرنے والوں کو نقصان نہ پہنچے جن کا حکومت پر یہ حق ہے کہ وہ ان کے لئے ان کے لائق ومناسب کام کاج کے مواقع مہیا ومیسر کرے۔

اسلام کا بنیادی قاعدہ نہ نقصان دو، نہ نقصان اٹھاؤ، مزدوروں کیلئے راحت، سلامتی اور کام کاج کے اوقات میں مناسب جگہ اور کام کے لئے

سازگار فضا مہیا کرنے کو لازم کرتا ہے، پھر دین اسلام مزدور کی کرامت کا بھی خیال رکھتا ہے اور وہ اس طرح کہ اس کو کام کاج کے مواقع مہیا کرتا ہے، ان کے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ مالداروں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اس کے برخلاف اگر مزدور کسی حادثہ کی وجہ سے کام نہ کرسکے تو حکومتِ اسلامیہ اسے مناسب گذارہ الاؤنس دیتی ہے اور علاج معالجے، دوا دارو کی سہولت فراہم کرتی ہے اور اس وقت تک پوری اُجرت دلاتی ہے جب تک وہ تندرست ہوکر کام پر دوبارہ نہ لگ جائے۔ ان تمام معاملات میں مسلمان اور اہل کتاب سب برابر ہیں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر وہ بوڑھا مزدور جو کام کے لائق نہ رہے یا اس پر کوئی آفت طاری ہو جائے، یا مالدار ہو اور غریب ہو گیا ہو اور اس کے ہم مذہب اس پر صدقہ خیرات کرتے ہیں تو اس کا جزیہ چھوڑ دیا جائے اور جب تک دارالاسلام میں رہے گا مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی کفالت کی جائے گی[1]

اور عمومی طور پر تمام مسلمان گورنروں کو یہ حکم تھا کہ خلافت کی حدود میں بلاتخصیصِ مذہب و ملت ہر تنگدست کی امداد کی جائے، ہر قرضدار کا قرض ادا کیا جائے، ہر کمزور و ضعیف اور ہر مظلوم کی اعانت کی جائے۔ ہر ظالم کو ظلم سے باز رکھا جائے، ہر ننگے کو کپڑا پہنایا جائے۔ غرض کوئی ضرورت مند ایسا باقی نہ رہے جس کی جائز ضرورت خلافت پوری نہ کرے[2] زمانۂ خلافت میں ان وظیفوں کی وہ شکل نہ تھی جو نوابوں اور راجاؤں کے یہاں سے لوگوں کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور بغیر ہاتھ

---

[1] کتاب الخراج بحوالہ الفاروق۔ [2] الاموال ص ۲۶ والخراج بحوالہ اسلام کا زرعی نظام ص ۲۶۱

پاؤں ہلائے اور بغیر کسی جائز استحقاق کے لوگ اس کے ذریعے پلتے رہتے ہیں بلکہ اس کی شکل ایسی تھی کہ اس کے ذریعہ ایک طرف تو یہ ہوتا تھا کہ کام کرنے کے قابل بیکار افراد برسرِ کار لگ جاتے تھے اور دوسری طرف یہ کہ کمزور اور ضعیف لوگ دوسروں کی دست نگری سے محفوظ رہتے تھے وہ جب بوڑھے ہو جاتے تھے یا کسی حادثے کا شکار ہو کر کام کاج کے قابل نہ رہتے تو بیت المال سے ان کے وظائف مقرر ہو جاتے تھے تاکہ وہ بھیک کی لعنت میں مبتلا نہ ہوں تاکہ ان کے بیوی بچے بے سہارا نہ ہوں، تاکہ انہیں بڑھاپے میں ٹوکری اٹھانا نہ پڑے۔ اسی طرح معصوم بچوں کے وظائف بھی بیت المال سے مقرر تھے تاکہ ان کا معصوم بچپن محنت مزدوری کی نذر نہ ہو جائے اور وہ تعلیم و تربیت سے محروم نہ رہ جائیں۔

اسلامی نظامِ خلافت کے مقابلے میں اگر آپ آج فیکٹریوں، کارخانوں بازاروں اور دوکانوں کا سروے کریں تو آپ کو بے شمار بوڑھے اور بچے اپنی طاقت سے زیادہ محنت مزدوری کرتے دکھائی دیں گے نگران کا کوئی پُرسانِ حال نہیں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کا بچپن ہوٹلوں میں برتن صاف کرتے ہوئے اور مالک اور استاد کی جھڑکیاں سُنتے ہوئے گزر جاتا ہے اور وہ اپنی دینی اور دنیاوی ہر طرح کی تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں، انہیں نماز اور کلمہ تک صحیح نہیں آتا وہ اپنا نام لکھنا نہیں جانتے، وہ اپنے والدین کی غربت اور اپنے پیٹ کے ہاتھوں مجبور ہیں میں نے ایک پٹرول پمپ پر کام کرنے والے معصوم بچے سے پوچھا بیٹا تم پڑھتے کیوں نہیں ہو اس نے جواب دیا: "مولانا اگر ہم پڑھیں گے تو کھائیں گے کہاں سے"، یہ ایک نوعمر بچے کی سوچ ہے اور اس سوچ کی ذمہ داری اس گندے نظام پر عائد ہوتی ہے۔ اگر اسلامی نظام ہوتا تو اس بچے کی یہ سوچ نہ ہوتی، اگر اسلامی

نظام ہوتا تو ایسے بچے یقیناً تعلیم سے محروم نہ رہتے، اگر اسلامی نظام ہوتا تو کسی خمیدہ کمر بوڑھے کو بوجھ اٹھانا نہ پڑتا

محنت کشوں کے حقوق

یہ تو ان لوگوں کے حقوق ہیں جو محنت مزدوری کے قابل نہ ہوں لیکن جو محنت کش برسرِ عمل ہوں ان کے حقوق میں سے سب سے پہلا حق جس کی ادائیگی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زور دیا ہے وہ ان کا اجرت اور معاوضے کی وصولی کا حق ہے۔ اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ ان کی مزدوری نہ صرف یہ کہ پوری دی جائے بلکہ اس کی ادائیگی جلد سے جلد کی جائے اس میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ آپؐ نے فرمایا :
مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل دے دی جائے۔

حقوق ہی حقوق

علاوہ ازیں اسلام مزدوروں کو وہ تمام حقوق دیتا ہے جو سوسائٹی کے دوسرے افراد کو حاصل ہیں۔

اسلام ہر مزدور کو جان کے تحفّظ کا حق دیتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :
"جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی"۔

اسلام ہر مزدور کو ذاتی ملکیت کے تحفّظ کا حق دیتا ہے۔ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں : امام (حکومت) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کی ثابت شدہ قانونی حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی چیز نکال لے۔

اسلام ہر مزدور کو اپنی عزت و آبرو کے تحفّظ کا حق دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے : "بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ ہے"

حضرت عمرؓ عاملوں کو رخصت کرتے وقت انہیں یہ ہدایت دیا کرتے تھے: "میں تمہیں جابر و قاہر بنا کر نہیں بلکہ امام اور راہنما بنا کر بھیجتا ہوں، مسلمانوں کو مار پیٹ کر انہیں ذلیل و خوار نہ کرنا۔"

اسلام ہر مسلمان کو نجی زندگی کا تحفظ دیتا ہے، اس کی نجی زندگی میں وقت کے حکمران تک کو مداخلت کی اجازت نہیں۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے ایک واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کی حدود مداخلت کیا ہیں، اور ایک شہری کو اس مداخلت سے کتنا وسیع تحفظ حاصل ہے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں گا رہا تھا، آپ کو شک گذرا اور آپ دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی، آپ نے پکار کر کہا: اے دشمنِ خدا! کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کریگا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا؟ اس نے جواب دیا: امیر المؤمنین جلدی نہ کیجئے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا، اور آپ نے تجسس کیا، اللہ نے حکم دیا تھا گھروں میں دروازے سے آؤ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے، اللہ نے حکم دیا تھا اپنے گھر کے سوا کسی اور کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ البتہ اس سے وعدہ لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔

اسلامی نظام میں کسی مزدور کو اور کسی بھی شہری کو محض شک کی بنیاد پر گرفتار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے جرم کو

کھلی عدالت میں ثابت کیا جائے اسلام کا اندازِ فکر اس معاملے میں یہ ہے کہ سزا سے حتی الامکان گریز کیا جائے اور اسباب و شواہد سزا کے لئے نہیں بلکہ برأت کے لئے ڈھونڈے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
"جس حد تک ممکن ہو مسلمانوں (شہریوں) کو سزا سے بچاؤ کی کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو تو ان کو چھوڑ دو یہ بات کہ امام (حکومت) کسی شخص کو چھوڑ دینے میں غلطی کر جائے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ اس کو سزا دینے میں غلطی کر جائے۔"[۱]
جب تک بچانے کی راہیں مل رہی ہوں اس وقت تک لوگوں کو سزا سے بچاؤ[۲]

اسلامی خلافت رعایا کے ہر فرد کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور احتجاج کرنے کا حق دیتی ہے بلکہ اس کی ترغیب دیتی ہے۔ مشہور حدیث ہے " افضل ترین جہاد اس شخص کا ہے جو کسی حق سے ہٹے ہوئے سلطان کے سامنے حق (یا کلمۂ عدل) کہے "

اسلامی ریاست کے ہر باشندے کو اظہارِ رائے کی آزادی حاصل ہے۔ قرآن مجید میں مؤمنوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے:

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

اسلام ہر شخص کو عقیدے اور مذہب کی آزادی دیتا ہے۔ قرآن کا فیصلہ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ	دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھدی گئی ہے۔

اسلام ہر شخص کو حصولِ انصاف کا حق دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس

سلسلے میں متعدد آیات ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آیات پر عمل کرتے ہوئے اپنی ذات کو قصاص کے لئے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اپنے زمانۂ خلافت میں فریقِ مخالف کی طرح عدالتوں میں حاضر ہوئے۔

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو بدلے کے لئے پیش کیا. عام شہریوں کی شکایت پر اپنے گورنروں کو سزائیں دیں اور حصولِ انصاف کی راہ میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹیں دور کرکے دادرسی کو انتہائی سہل بنادیا۔

اسلامی ریاست میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بنیادی شرط کے ساتھ شہریوں کو تنظیم سازی اور اجتماع کا حق حاصل ہوگا. قرآن میں مسلمانوں کے مقصدِ حیات کی پوری وضاحت ایک آیت میں کردی گئی ہے "تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

موازنہ کیجئے میں پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کررہا ہوں کہ اسلام کے عطا کردہ حقوق کو ایک طرف رکھئے، اور روس، امریکہ، فرانس، چین، جرمنی اور برطانیہ کے قوانین کو دوسری طرف رکھئے، مزدوروں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل اور حسن سلوک کو ایک طرف رکھئے اور مغرب کے سارے لیڈروں کے کردار کو دوسری طرف رکھئے اور موازانہ کیجئے غیر متعصبانہ انداز میں غور وفکر کیجئے اگر آپ کا ضمیر زندہ ہے، اگر آپ کے اندر سچ بولنے کی طاقت ہے اگر آپ کے اندر حقیقت پسندی کا کچھ بھی عنصر باقی ہے تو آپ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ دوسرے نظاموں کے سارے پروگرام سراب ہیں، اسلام حقیقت ہے۔ دوسرے لیڈروں کی زندگی میں منافقت ہے، دوغلا پن ہے، دورنگی ہے میرے آقاؐ اور آقاؐ کے جان نثاروں کی زندگی میں سچائی ہے، یک رنگی ہے،

ظاہر وباطن کی موافقت ہے۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ کر دکھایا۔ آیئے ہم اسی عادلانہ، منصفانہ اور حقیقت پسندانہ نظام کے نفاذ اور احیاء کی کوشش کریں اور نظام سرمایہ داری اور سوشلزم اور کمیونزم کے سراب کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

عظیم ترین مگر مظلوم ترین کتاب

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
جب قول و قسم لینے کے لئے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں
کس بزم میں میرا ذکر نہیں کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

قرآن ایسا نور ہے جس سے ہم ضلالت و گمراہی کے تمام اندھیروں کو دور کر سکتے ہیں۔
قرآن ایسی کتاب ہے جس کی بنیاد پر ہم زمانے میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں اور اپنی کھوئی ہوئی عزت و وقار بحال کر سکتے ہیں۔
قرآن ایسا راستہ ہے جو سیدھا اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی طرف لیجاتا ہے۔
قرآن ایسا خزانہ ہے جس سے ہم اپنے گھروں کو، اپنے شہروں کو، اپنے ملکوں کو ایسا مالا مال کر سکتے ہیں کہ ہمیں غیروں کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے۔
قرآن اصلاح اور تربیت کا ایسا نظام ہے جو انسان کا تزکیہ کر کے اسے مثالی انسان بنا دیتا ہے
قرآن ایسا سایہ دار درخت ہے جو اپنے نیچے بیٹھنے والوں کو قلبی سکون اور راحت عطا کرتا ہے۔
قرآن ایسا امام ہے جو اپنی اقتداء کرنے والوں کو زمانے بھر کا امام بنا دیتا ہے۔
قرآن ایسا باوفا ساتھی ہے جو قبر میں بھی ساتھ نبھاتا ہے اور حشر میں بھی وفا کا حق ادا کرے گا۔
قرآن ایسا سفارشی ہے جو وہاں سفارش کرے گا جہاں سفارش کرنے سے انبیاء بھی ہچکچائیں گے۔
قرآن کے اندر ایسی تاثیر ہے کہ یہ حامل قرآن کو فائر پروف بنا دیتا ہے، اس پر جہنم کی آگ اثر نہیں کر سکتی۔
مسلمانو! قرآن والے اللہ کی قسم قرآن کے اندر کھربوں ایٹم بموں سے زیادہ طاقت ہے مگر افسوس کہ ہم نے قرآنی علوم و معارف سے، قرآن کے نظامِ تعلیم و تربیت سے قرآن کی طاقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

عظیم ترین مگر مظلوم ترین کتاب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۙ لَّا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ○ (حٰمٓ السجدہ۔ ع ۵)

اور یہ بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم ومحمود کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ○ (النساء۔ ع ۱)

پھر کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا (اللہ کی طرف سے نہ ہوتا) تو ضرور یہ اس کی بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! آج ستائیسویں شب ہے جگہ جگہ ختم قرآن کی تقریبات منعقد ہو رہی ہیں، مسجدیں نمازیوں سے بھری پڑی ہیں مٹھائیاں بٹ رہی ہیں، چہروں پر مسرت اور شادمانی ہے لیکن معاف کیجئے گا اگر میں یہ کہوں کہ ہمارے ہاں حقیقت پسندی کے بجائے ظاہر پرستی آگئی ہے، ہماری تقریبات روحانیت سے خالی ہیں، ہمارے اسلاف بھی قرآن ختم کرتے تھے اور کئی کئی قرآن ختم کرتے تھے۔ اگر وہ ختم پر مٹھائیاں بانٹتے اور تقریبات منعقد کرتے تو ان کا پورا رمضان انہی تقریبات میں گزر جاتا۔

مسلمان بھائیو! میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن حکیم دنیا کی عظیم ترین کتاب بھی ہے اور مظلوم ترین کتاب بھی ہے۔ دنیا کی کسی شخصیت پر، کسی قوم پر اور کسی کتاب پر اتنا ظلم نہیں ہوا ہوگا جتنا ظلم خود مسلمانوں نے قرآن حکیم پر کیا ہے۔ ہم قرآن کے نام پر تقریبات تو منعقد کرتے ہیں، ہم اپنے جلسوں کی رونق کیلئے تو اسے پڑھتے ہیں، ہم جھوٹی سچی قسمیں کھانے کے لئے تو اسے سر پر رکھتے ہیں، ہم بیماروں کی شفاء کے لئے اس سے تعویذ تو بناتے ہیں، ہم اسے خوب صورت غلافوں میں بند کرکے طاقوں پر تو سجاتے ہیں، ہم اپنے مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لئے تو اسے پڑھتے پڑھواتے ہیں لیکن اس پر عمل کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

افسوس تو یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو مُردوں کی کتاب بنالیا، حالانکہ یہ تو زندہ اور جیتے جاگتے مَردوں کی کتاب تھی، ہم اپنی زندگی میں تو اس کو اپنے گھر میں داخل ہونے نہیں دیتے، ہاں مرنے کے بعد یہ ہمارے گھر میں داخل ہوسکتا ہے معاوضہ دے کر چند قرآن خوانوں کو لے آتے ہیں اور قرآن خوانی کروا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے مرنے والے کی بخشش کا سامان کر دیا، خواہ مرنے والا زندگی بھر قرآن مجید کے قریب بھی نہ گیا ہو۔ خواہ اس نے اپنی زندگی میں قرآن کے کسی حکم پر عمل نہ کیا۔

خواہ اس نے ساری زندگی جہنم کا ایندھن ہی جمع کیا ہو، وہ شراب نوش ہو، وہ سود خور ہو، وہ غریبوں کے حقوق سلب کرنے والا ہو، وہ ظالم ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا عقیدہ ہی صحیح نہ ہو، وہ یورپ کا مقلّد ہو، وہ ملحد ہو، وہ مشرک ہو۔ خواہ وہ کچھ بھی ہو لیکن مسلمان خاندان سے اس کا تعلق ہو تو ہم قرآن خوانی کروا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کو جنّت کا حقدار بنا دیا۔ حالانکہ جو لوگ معاوضہ طے کر کے قرآن خوانی کرتے ہیں خود ان کو تو ثواب نہیں ملتا دوسرے کیلئے کیسے ایصالِ ثواب کریں گے مگر ہمارے ہاں تو جناب یہ قرآن خوانی کا کاروبار زوروں پر ہے بڑی منظم قرآن خوان پارٹیاں ہیں جو لوگوں کے مرنے کا انتظار کرتی ہیں۔ کسی کے مرنے سے ان کے ہاں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، یہ بغلیں بجاتے ہیں کہ اب چالیسویں تک ہم گھر میں کھانا پکانے سے بے نیاز ہو گئے، اور ایک کا چالیسواں ہونے سے کسی دوسرے کے گھر میں عزرائیل کی آمد ہو جاتی ہے، یوں ان کا کاروبار چلتا رہتا ہے اور یہ کاروبار ایسا ہے کہ ایک پیسہ خرچ کئے بغیر شروع ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اس میں بعض اوقات مسابقت اور مقابلے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک کثیفہ ہم نے بچپن میں ایک لطیفہ سُنا تھا بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اسے کثیفہ کہنا چاہیئے، کیونکہ کسی نے عجیب سی کہانی بنائی ہے لیکن ہے بڑی پُرلطف اور مُردوں اور قبروں پہ پلنے والوں کی ذہنیت کو خوب نمایاں کرتی ہے، کہا جاتا ہے کہ کسی گاؤں میں ایک بڑے میاں برلبِ گور تھے، بڑے نحیف اور کمزور ہو چکے تھے، مُردوں کا بزنس کرنے والی ایک پارٹی کا سینئر رکن ان کی موت پر بہت بڑی آس لگائے بیٹھا تھا کیونکہ وہ گاؤں کے بڑے رئیس کے پدرِ نامدار تھے وہاں دستور یہ تھا کہ جو شخص مرنے والے کا جنازہ پڑھا دیتا باقی رسوم بھی وہی ادا کرتا تھا۔ آنجناب کو کسی سخت مجبوری سے شہر جانا پڑا دل تو ان کا جانے کو نہیں چاہتا تھا مگر

معاملہ ایسا تھا کہ جائے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا، بیچارے دل پر پتھر رکھ کر چلے گئے، ان کے جانے کے بعد بڑے میاں کا انتقال ہو گیا انہیں جب شہر میں خبر ہوئی تو الٹے پاؤں واپس بھاگے، مگر ان کے گاؤں پہنچنے سے پہلے جنازہ ایک دوسرے صاحب پڑھا چکے تھے، انہیں بڑی فکر ہوئی کہ اب کیا بنے گا کیونکہ یہاں کے دستور کے مطابق جو جنازہ پڑھا دیتا تھا بعد کی رسوم کا بھی وہی حقدار ٹھہرتا تھا تیجے، دسویں اور چالیسویں میں بھی وہی پیش پیش ہوتا اور مالِ غنیمت بھی وہی سمیٹتا۔ انہوں نے دماغ پر زور ڈالا تو شیطان نے دل میں ایک ترکیب ڈال دی۔ انہوں نے بھولے بھالے دیہاتیوں سے پوچھا: ہاں بھائی جن صاحب نے جنازہ پڑھایا تھا انہوں نے جنازہ پڑھتے وقت مرنے والے کا اور اس کے والد اور والدہ کا نام لیا تھا؟ لوگوں نے بتایا ہم نے تو ان کے منہ سے کسی کا نام نہیں سنا۔ انہوں نے کہا: جناب یہ تو جنازہ ہوا ہی نہیں بھلا جب نمازِ جنازہ میں مرنے والے کا اور اس کے والدین کا نام نہ لیا جائے تو کسی کو کیا پتہ کہ یہ جنازہ اِن کا تھا یا کسی اور کا تھا۔

مرحوم کے وارث بڑے پریشان ہوئے انہوں نے پوچھا کہ حضرت اس کا حل کیا ہے ؟

انہوں نے بتایا کہ اس کا صرف ایک حل ہے کہ جنازہ دوبارہ پڑھا جائے چنانچہ آنجناب نے جنازہ دوبارہ پڑھا اور جنازہ میں کچھ مناجات انہوں نے پڑھی اس کا مفہوم اردو میں کچھ یوں تھا، والد کا نام فتو، والدہ کا نام فاطمہ، اس کا نام رمضان فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ باقی لوگ تو اس انوکھے جنازے پر سر دھننے لگے ایک صاحب جو قدرے پڑھے لکھے تھے انہوں نے لقمہ دیا: یہ جنازہ نہ بیچ حدیث کے نہ بیچ قرآن
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

انہوں نے جب کھیل بگڑتے دیکھا تو ان کو اشاروں کنایوں میں جو جواب دیا اس کا مفہوم یہ تھا :

آدھا تیرا آدھا میرا ذرا بند کر زبان
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

بخیلوں کا مال تو یہ تو ایک دیہاتی قسم کا کثیفہ ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو ان لوگوں کی خوب چاندی ہوتی ہے اور یہ سوچ بھی ہوتی ہے کہ ویسے تو یہ کنجوس لوگ کچھ دیتے نہیں ہیں ان سے تو اسی طرح مال نکالو۔ بلکہ ایک مولوی صاحب سے میں نے خود سُنا وہ کہہ رہے تھے کہ :
"اجی چھوڑیئے جائز اور ناجائز کو، سنّت اور بدعت کو یہی تو موقعہ ہوتا ہے ان سے کچھ نکالنے کا ورنہ یہ کنجوس لوگ کہاں قابو میں آتے ہیں، ایک دمڑی ہمیں دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ہمیں ایک کپ چائے پلا دیں تو ان کا دل جل جاتا ہے۔ ان کا تو وہ حال ہے کہ کوئی بخیل شہد سے روٹی کھا رہا تھا، ایک دوست آگیا، روٹی تو فوراً چھپا دی اور شہد اس لئے چھوڑ دیا کہ خالی شہد کون کھائے گا۔ اس کے بعد ان دوست کو بلایا اور کہا شہد حاضر ہے، اس نے بے دریغ کھانا شروع کر دیا جب بخیل نے دیکھا کہ یہ سب ہی کھا جائے گا تو کہا وَاللهِ یَا اَخِی اِنَّهٗ یُحرِقُ القَلْبَ۔ یعنی واللہ! اے بھائی یہ شہد تو دل کو جلاتا ہے۔ دوست نے کہا : صَدَقتَ وَلٰکِن قَلْبَکَ یعنی تم نے سچ کہا لیکن تیرے قلب کو جلاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور بخیل کا واقعہ ہے کہ وہ انجیر کھا رہا تھا کہ ایک دیہاتی آگیا اس نے وہ انجیر کمبل کے نیچے چھپا دیئے اور چاہا کہ کسی طرح اس کو ٹالوں یا کسی اور شغل میں لگاؤں پوچھا هَلْ تَحْفَظُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ یعنی تم کو کچھ

قرآن یاد ہے۔ اس نے کہا ہاں اور اَعُوذُ، بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر شروع کر دیا ...... وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ الخ بخیل نے کہا ہائیں اَیْنَ التِّیْنُ یعنی والتِّین کہاں گیا (تین عربی میں انجیر کو کہتے ہیں) دیہاتی نے کہا هُوَ تَحْتَ کِسَاءِكَ یعنی وہ تیرے کمبل کے نیچے ہے، بخیلوں سے تو چھین کر کھانا جائز نہیں بلکہ ان کی تو اجازت بھی مشکوک ہوتی ہے۔ اگر وہ زبان سے خاموش بھی رہیں تو نہ جانے ان کے دل و دماغ پر کیا گزر رہی ہوگی۔ تو اس نزنس پارٹی کی یہ فلاسفی ہے کہ چونکہ یہ سرمایہ دار ویسے تو ہمارے قابو نہیں آتے اور مرنے کے بعد ان کے ورثاء کا بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ دے دلا کر ان کی بخشش کا سامان ہو جائے تو سودا مہنگا نہیں اس لئے وہ ایسی پارٹیوں کو کچھ نہ کچھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، مگر یہ فلاسفی اور سوچ تو ان مفت خوروں کی ہے۔ لیکن جو پڑھولتے ہیں ان کو حیا نہیں آتی کہ زندگی میں تو ہم کبھی قرآن کے قریب نہیں جاتے ہمیں کبھی توفیق نصیب نہیں ہوتی، ہمارے گھروں سے گانے بجانے کی آوازیں تو آتی ہیں مگر تلاوتِ قرآن کی آواز نہیں آتی، ہم فحش کتابیں اور ناول، افسانے پڑھنے کے لئے تو وقت دیتے ہیں مگر قرآن کے مطالعہ کے لئے ہمارے پاس کچھ وقت نہیں۔

خدارا سوچئے کیا یہ قرآن پر ظلم نہیں ہے، اسی لئے تو میں نے شروع میں کہا تھا کہ قرآن دنیا کی مظلوم ترین کتاب ہے، کہ ہم نے اسے مُردوں کی کتاب بنا دیا ہے۔

ایک اور ظلم جو اللہ تعالیٰ کی اس کتابِ مقدس پر ہو رہا ہے کہ لوگ اپنے ہر قسم کے کاروبار اور ہر طرح کی دوکانوں اور کارخانوں کے افتتاح کے لئے قرآن خوانی کرواتے ہیں خواہ یہ دوکانیں ناجائز اور حرام کاروبار ہی کے لئے کیوں نہ ہوں اور خواہ ان کارخانوں اور فیکٹریوں کی تعمیر میں سودی پیسہ ہی کیوں نہ لگا یا گیا ہو۔ حیرت تو یہ ہے کہ سینماؤں تک کے افتتاح کے لئے قرآن خوانی ہوتی ہے۔

بتائیے! کیا یہ قرآن پر ظلم نہیں ہے۔ یہ عظیم اور مقدس ترین کتاب اسی لئے نازل کی گئی تھی کہ اس کے ذریعے حرام اور سودی کاروبار کا افتتاح کیا جائے میری ناقص رائے میں تو کوئی ایسا شخص جو اس کتاب ہدایت کے مرتبے اور مقام سے واقف ہو وہ اس کی ناقدری اور اس کے حقوق کی پامالی کے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

آیئے اس مقدس شب کی مناسبت سے میں آپ کو قرآن کریم سے متعارف کراؤں تاکہ آپ قرآن کریم کی عظمت و فضیلت اور اس کے نزول کے مقاصد سے آگاہ ہو سکیں۔ کیونکہ قرآن کریم کا سب سے بہترین تعارف وہ ہے جو خود قرآن نے بیان کیا ہے۔

مقاصد قرآن میں جب قرآن کریم سے پوچھتا ہوں کہ اے علیم وخبیر ذات کی عظیم ترین کتاب آج تیرے ماننے والوں میں سے کوئی تجھے صرف اس لئے پڑھتا ہے تاکہ قریب المرگ شخص کی روح آسانی سے نکل جائے اور کوئی اس لئے پڑھتا ہے تاکہ اس کے جائز ناجائز کاروبار میں برکت اور اضافہ ہو جائے۔

کوئی اس لئے پڑھتا ہے تاکہ مرنے والے کی بخشش ہو جائے۔

کوئی تجھے تعویذ بنا کر گلے میں ڈالتا ہے تاکہ بلاؤں اور پریشانیوں سے حفاظت ہو جائے۔

کوئی اس لئے پڑھتا ہے تاکہ ان کا قاتل اور ڈاکو رشتہ دار جیل سے رہا ہو جائے

کوئی تجھے گھر کے طاق میں سجاتا ہے تاکہ چوروں، ڈاکوؤں، دشمنوں اور حاسدوں سے گھر کی حفاظت ہوتی رہے۔

کوئی تجھے جھوٹی سچی قسمیں اٹھانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

مگر میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے نزول کا مقصد اور اپنی خصوصیات

کے متعلق بتا کیونکہ تو میرے سچے اللہ کی سچی کتاب ہے، تیری کوئی بات جھوٹی اور غلط نہیں ہو سکتی، تیرا بیان خطا سے پاک ہے، تیرا اظہار غلطی سے مبرا ہے، تیری باتیں ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہیں۔ میں جب قرآن سے سوال کرتا ہوں تو قرآن مجھے بتاتا ہے کہ میں جھوٹی سچی قسمیں کھانے اور مردہ پارٹی کے کاروبار کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ میں تو لوگوں کو نصیحت کرنے اور سمجھانے کے لئے نازل ہوا ہوں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○

اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے۔

مجھے اس لئے نازل کیا گیا تا کہ میں منکروں، کافروں اور فاسقوں اور نافرمانوں کو ڈراؤں اور تقوی والوں کو خوشخبریاں سناؤں۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ○

پس اس کو ہم نے آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپؐ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو بشارت دیں اور نیز اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔

مجھے اس لئے نازل کیا گیا ہے تا کہ میں انسانوں پر حجت بن جاؤں تا کہ کل قیامت کو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم راہِ ہدایت کو کیسے اختیار کرتے ہمیں تو اس کے متعلق بتایا ہی نہیں گیا۔ دوسری اقوام کے لئے کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے مگر ہم پر کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

یہ ایک مبارک کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے

مجھے اس لئے نازل کیا گیا تاکہ میں انسانوں کے باہمی اختلافات ختم کرڈالوں۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

اور ہم نے آپؐ کی طرف وہ کتاب محض اسلئے اتاری ہے کہ آپ ان سے وہ باتیں بیان کریں جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ جو کتاب انسانوں کے اختلافات کو ختم کرنے کیلئے نازل کی گئی تھی آج اسی کتاب کے ماننے والے سب سے زیادہ اختلافات اور گروہ بندیوں کا شکار ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ مجھے اس لئے نازل کیا گیا تاکہ میں انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤں، کفر سے نکال کر ایمان سے ان کے سینوں کو منور کردوں۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔

یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لئے اتاری ہے تاکہ اس کے ذریعہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں۔

خصوصیات میں جب قرآن سے اس کی خصوصیات اور صفات کے بارے میں سوال کرتا ہوں تو قرآن کریم مجھے اپنی سب سے پہلی خصوصیت یہ بتلاتا ہے کہ میں ایسا کلام ہوں جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ میری ہر سورت قطعی اور یقینی ہے، ہر آیت قطعی اور یقینی ہے، ہر لفظ قطعی اور یقینی ہے، ہر حکم قطعی اور یقینی ہے، ہر خبر قطعی اور یقینی ہے، ہر پیشگوئی قطعی اور یقینی ہے۔ دنیا کا کوئی فن ایسا نہیں جو شک وشبہ سے بالاتر ہو، کوئی کتاب ایسی نہیں جو شک وشبہ سے خالی ہو، کوئی تحقیق ایسی نہیں جس میں تشکیک کا کوئی پہلو نہ ہو، کوئی ایجاد ایسی نہیں جو بگاڑ اور فساد سے پاک ہو، کوئی تصنیف ایسی نہیں جس کی تردید نہ ہو سکتی ہو۔

سائنسدانوں کی سائنس، حکیموں کی حکمت، اسکالروں کی تحقیقات اور اربابِ قلم کی کتابیں کوئی چیز بھی شکوک و شبہات سے خالی نہیں، اسی لئے یہ لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کی تردید کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اللہ کا کلام ہر قسم کے شک و شبہ سے خالی ہے، اس میں تشکیک کا کوئی پہلو نہیں، اسے تردید کا کوئی ڈر نہیں۔ قرآن کا سب سے پہلا اعلان یہی ہے:

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ — یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں شک کی گنجائش نہیں۔

اس میں کوئی غیر واقعی اور مشکوک بات ہو بھی کیسے سکتی ہے، یہ کوئی انسانی کلام نہیں یہ تو علام الغیوب کا کلام ہے،

وَاِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝ — یہ بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے نہ پیچھے کی طرف سے۔ یہ خدائے حکیم و محمود کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

یہ اس ذات کا کلام ہے جو ہر قسم کی غلطی اور بھول چوک سے پاک ہے۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ۝ — (موسیٰ نے) فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے

انسان کا علم اور انسان کی تحقیق حواسِ خمسہ کی محتاج ہے لیکن حواس خمسہ غلطی کر سکتے ہیں۔ آنکھ دیکھنے میں غلطی کر سکتی ہے، اور کان سننے میں غلطی کر سکتے ہیں، ناک سونگھنے میں غلطی کر سکتا ہے، ہاتھ چھونے میں غلطی کر سکتے ہیں، زبان چکھنے میں غلطی کر سکتی ہے، اور تو اور عقل سوچنے میں غلطی کر سکتی ہے۔ اس لئے انسان کا علم، انسان کی تحقیق غلطی

سے پاک نہیں ہو سکتی۔ انسان جہالت سے کبھی بھی پوری طرح محفوظ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انسان جتنا زیادہ علم حاصل کرتا جاتا ہے اسے اپنی جہالت کی خبر ہوتی جاتی ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

یہ زہد و ورع یہ اتقا کچھ بھی نہیں — یہ فضل و ہنر یہ فلسفہ کچھ بھی نہیں
دے بادہ کہ انتہائے علم اے ساقی — اقرار جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں

جہالت پر پردہ یہ الگ بات ہے کہ انسان لیپا پوتی کے ذریعہ اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور جہالت کا اقرار کرنے سے اُسے شرم آتی ہے۔ بعض جاہل مولوی اپنی جہالت پر یوں پردہ ڈالتے ہیں کہ اُن سے جو سوال بھی پوچھا جائے ان کا یہی جواب ہوتا ہے کہ جی اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ایک ایسے ہی شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ کسی استاد کے پاس پڑھتا تھا جب کتابیں پڑھ کر اپنے گھر چلا تو استاذ سے پوچھا کہ حضرت یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ مجھے آتا جاتا تو خاک بھی نہیں مگر وہاں لوگ عالم سمجھ کر مسائل پوچھیں گے تو کیا کروں گا۔ استاذ تھے بڑے ذہین، انہوں نے کہا کہ ہر سوال کے جواب میں یہ کہدینا کہ اس میں اختلاف ہے، اور واقعی کوئی مسئلہ مشکل سے ہی ایسا ہوگا کہ جس میں اختلاف نہ ہو، سوائے عقائدِ توحید و رسالت کے۔ تو یہ ہر بات کا ایک ہی جواب دیتا کہ اس میں اختلاف ہے، انہوں نے ہر سوال کے جواب کے لئے یاد کر لیا کہ اس میں اختلاف ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں میں اس کی ہیبت بیٹھ گئی کہ بڑا متبحر عالم ہے، بڑا وسیع النظر ہے۔ مگر فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیم کوئی صاحب سمجھ گئے کہ اس نے سب کو اُلّو بنا رکھا ہے، آکر کہا: مولانا مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے، انہوں نے کہا فرمایئے۔ کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں آپ کی کیا تحقیق ہے۔

کہنے لگے اس میں اختلاف ہے، بس آپ کی قلعی کھل گئی۔

اسی طرح کسی منطقی طالب علم سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ گلہری کنوئیں میں گر پڑی ہے پاک کرنے کے لئے کتنے ڈول نکالے جائیں یہ بیچارا صرف منطق ہی جانتا تھا فقہ کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا جہل چھپانے کے لئے اس سے منطق جھاڑی۔ کہنے لگا: "گلہری جو گری ہے دو حال سے خالی نہیں یا خود گری ہے یا کسی نے گرادی ہے، پھر اگر خود گری ہے تو دو حال سے خالی نہیں دوڑ کر گری یا آہستہ گری۔ اور اگر کسی نے گرائی ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا آدمی نے گرائی یا جانور نے اور ہر ایک کا جدا حکم ہے۔ تو اب بتلاؤ کہ گلہری کے گرنے کی کیا صورت ہے۔ سائل نے پریشان ہو کر کہا کہ صاحب اس کی تو خبر نہیں۔ یہ کہنے لگے کہ پھر میں کیا جواب دوں؟ وہ بیچارہ گھبرا کر چلا آیا کہ ان کی منطق کا کیا جواب دے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انسان جہالت کا اقرار کرتے ہوئے شرماتا ہے، حالانکہ اس کی جہالت کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا جسے تمام علوم و فنون پر عبور حاصل ہو تمام مذاہب کا اسے علم ہو، تاریخ انسانی کا ہر واقعہ اُسے معلوم ہو۔ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ مستقبل میں یہاں کیا کچھ ہونے والا ہے۔ وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ اس دنیا کے آباد ہونے سے پہلے یہاں کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔ چونکہ انسان پر جہل کا غلبہ ہے اس لئے اس کی تحقیقات اور تالیفات بھی جہالت اور شک و شبہ سے پاک نہیں ہو سکتیں مگر رب العالمین ہر قسم کی جہالت سے پاک ہے، اس لئے اس کا علم قطعی اور یقینی ہے اور اس کی کتاب ہر طرح کے شک و شبہ سے بلند ہے۔

تو میں جب قرآن سے اس کی خصوصیات اور اوصاف کے بارے میں سوال کرتا ہوں تو وہ مجھے اپنی پہلی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ میں قطعی اور یقینی ہوں، میری

کسی بات میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

بے مثال اوصاف قرآن ہمیں اپنے جو دوسرے اوصاف بتاتا ہے اگر میں ان کی تفصیل میں جاؤں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اس لئے میں اختصار کے ساتھ عرض کر رہا ہوں

قرآن ہدایت ہے ۔ یاد رکھیں قرآن سائنس یا تاریخ یا نفسیات یا طب کی کتاب نہیں بلکہ اول سے آخر تک کتابِ ہدایت ہے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ ساری انسانیت کے لئے ہدایت

قرآن رحمت اور شفاء ہے :

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور ہم قرآن کے ذریعہ ایمان والوں کے لئے وہ چیز اتارتے ہیں جو ان کے لئے رحمت اور شفاء ہے

قرآن بشارت ہے :

لِيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ٥ تاکہ جنہوں نے ظلم کیا ہے انہیں ڈرائے اور نیکوکاروں کے لئے بشارت ہو۔

قرآن نور اور برہان ہے ، کتابِ مبین ہے :

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ٥ لوگو! کوئی شک نہیں کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے یقینی دلیل آچکی ہے اور تمہاری طرف کھلا نور اتارا ہے۔

قرآن حکمت والی کتاب ہے :

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

قرآن بشیر و نذیر ہے :

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ (قرآن) بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے

اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ — پر ان میں سے اکثر نے منہ موڑ لیا وہ سنتے ہی نہیں۔

قرآن، فرقان ہے یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا :

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ — یہ (قرآن) لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور باطل میں فرق کرنے والی کھلی دلیلیں ہیں (اس میں)

قرآن مفصل ہے اس میں ہر چیز کا بیان ہے :

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ — اور بے شک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے جس کو ہم نے علم کے ساتھ مفصل بیان کیا ہے۔ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

قرآن مجید وہ آئینہ ہے جس میں مختلف عقائد اور مختلف اعمال والے لوگ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ اس میں ہر شخص کا تذکرہ موجود ہے، کسی کا تذکرہ صراحۃً ہے، کسی کا تذکرہ اشارتاً ہے اور کسی کا تذکرہ پچھلی قوموں کے ذکر میں آگیا ہے۔ فرمانِ باری تعالےٰ ہے :

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ — ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

جلیل القدر صحابی اور عرب سردار احنف بن قیس ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے ان کے سامنے یہی آیتِ کریمہ پڑھی وہ چونک پڑے اور کہا ذرا قرآن مجید تو لانا اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں کہ میں کن لوگوں کے ساتھ

ہوں اور کن سے مجھے مشابہت ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کھولا تو ایسی آیات سامنے آئیں جن میں راتوں کو جاگ کر اللہ کے سامنے رونے والوں کا تذکرہ تھا، ان کا تذکرہ تھا جو راتیں سجدوں میں گزار دیتے ہیں، ان کا تذکرہ تھا جو دونوں ہاتھوں سے اللہ کے راستے میں دولت لٹاتے ہیں، ان کا تذکرہ تھا جو خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے ہیں، ان کا تذکرہ تھا جو اپنا دامن گناہوں سے آلودہ ہونے سے بچاتے ہیں۔

احنف بن قیس نے یہ آیات پڑھیں تو ٹھٹک کر رہ گئے اور کہنے لگے:

اے اللہ میں اپنے سے واقف ہوں، میں تو ان لوگوں میں نظر نہیں آتا، پھر انھوں نے ان آیات کا مطالعہ کیا جن میں کافروں اور متکبروں کا بیان تھا، جن کی پیشانیوں پر توحید کے ذکر سے بل پڑ جاتے ہیں، ان کا بیان تھا جو نماز روزے کے قریب نہیں جاتے، ان کا بیان تھا جو یوم جزا کو نہیں مانتے۔

ان آیات پر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے دم بخود رہے پھر کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا: ان لوگوں سے تیری پناہ! میں ان لوگوں سے بری ہوں۔

اب وہ قرآن مجید کے ورقوں کو اُلٹ رہے تھے اور اپنا تذکرہ تلاش کر رہے تھے، یہاں تک کہ اس آیت پر جا ٹھہرے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ	اور کچھ اور لوگ ہیں جن کو اپنے گناہوں کا
خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ	(صاف) اقرار ہے، انہوں نے اپنے اچھے
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ	اور بُرے عملوں کو مِلا جُلا دیا تھا، قریب ہے
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	کہ اللہ ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے،
	بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس موقع پر ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا، ہاں ہاں! یہ بے شک میرا حال ہے۔

مزید سوالات میں یہ بتا رہا تھا کہ قرآن اپنا تعارف خود پیش کرتا ہے، وہ اپنا مقصدِ نزول خود بتاتا ہے اور اپنی خصوصیات اور اوصاف خود بتاتا ہے۔ اگر آپ قرآن سے پوچھیں کہ تو کس مہینہ میں نازل ہوا ہے تو وہ بتاتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا

اگر پوچھیں گے کہ کس رات میں نازل ہوا تو وہ بتاتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ بے شک ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا

اگر پوچھیں کہ کہاں نازل ہوا تو وہ بتاتا ہے:

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ اُس نے تو اِس (قرآن) کو اللہ کے حکم سے تیرے دل پر اُتارا ہے۔

اگر پوچھیں کہ تجھے لیکر کون آیا تو وہ بتاتا ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ کہدے کہ اس کو روح القدس (حضرت جبرائیل) لیکر آئے ہیں۔

اگر پوچھیں کہ جبرائیلؑ کون ہے تو وہ بتاتا ہے:

ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝ بڑی قوت والا صاحبِ عرش کے نزدیک مرتبے والا ہے، جس کا کہا مانا گیا اس کے علاوہ امانت دار بھی ہے۔

اگر پوچھیں کہ کس کی طرف سے نازل ہوا تو وہ بتاتا ہے:

تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یہ نازل کردہ ہے شفیق مہربان کی طرف سے

اگر پوچھیں کہ کس زبان میں نازل ہوا تو وہ بتاتا ہے:

بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝ کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان میں (اترا ہے)

ارشاداتِ نبوی قرآن کا تعارف قرآن کی زبانی تو آپ سن چکے، آیئے

میں آپ کو اس ذاتِ مقدس کے چند ارشادات بھی سُنا دوں جس عظیم ذات پہ قرآن نازل ہوا کہ وہ قرآن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَرفع بِھٰذا الکتاب اَقْوَامًا و یضعُ بِہٖ اٰخَرِین

اس کلام کی وجہ سے رب کریم بعض لوگوں کو رفعتیں اور عظمتیں عطا فرماتا ہے اور بعض لوگوں کو پستیوں اور ذلتوں میں پھینک دیتا ہے۔

وہ لوگ جو سچے دل سے قرآن پر ایمان لائے، اسے سمجھ کر پڑھا اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی بلندیاں عطا فرمائیں کہ آج تک زمین اور آسمان میں ان کی بلندیوں کے چرچے ہیں۔ انہیں خالقِ عظمت و رفعت نے ایسی عظمت عطا کی کہ عظمتوں اور وجاہتوں کے بڑے بڑے مدعی ان کے پاؤں کی ٹھوکر پہ انہوں نے تاجِ کسریٰ اور تختِ قیصر اپنے پاؤں تلے روند ڈالا، وہ عرب کے بدو تھے، صحرا کے باسی تھے، اونٹوں کے چرواہے تھے، بھیڑوں کے گلہ بان تھے، علم و حکمت سے خالی تھے، دنیا کی نظر میں حقیر اور ذلیل تھے، مگر جب انھوں نے قرآن کو سینے سے لگایا تو زمانے کے امام بن گئے، قوموں کے مقتدیٰ اور پیشوا بن گئے، قسمت کے دھنی بن گئے، اخلاق کے غنی بن گئے۔ دنیا حیران تھی کہ یہ جنگلی کیا سے کیا بن گئے۔

اور ہم نے قرآن کو چھوڑا تو پستیاں ہمارا مقدر بن گئیں، ذلت اور رسوائی ہمارا نصیب ٹھہری، کفار ہماری ذلت پر پھبتیاں کستے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، یہودی ہم پر ظلم ڈھاتے ہیں، ہندو ہماری مسجدوں کو مندر بناتے ہیں، رافضی ہمارے آقا کے جانثار غلاموں کو گالیاں دیتے ہیں، ہمیں دنیا پروفیشنل بھکاریوں کے

نام سے جانتی ہے۔ یہ سب کیوں ہوا ہم بلند چوٹیوں سے پستیوں میں کیوں گرے ہم عزت و تکریم کے تخت و تاج سے کیوں محروم ہوئے ہو در حاضر کے رجحانِ امریکہ سے ہم کیوں خوفزدہ ہیں۔ ہم اب تک سیاسی اور معاشی غلامی میں کیوں مبتلا ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ ہم نے اس کو خوبصورت غلافوں میں بند کر کے الماریوں کی زینت بنا دیا، ہم نے اُسے مُردوں کا کلام بنا دیا اور جن کا ہم نام لیتے ہیں، کہاں وہ اور کہاں ہم، اُن کی زبانیں تلاوتِ قرآن سے تر و تازہ رہتی تھیں۔

ان کی آنکھیں قرآن کی زیارت سے ٹھنڈی ہوتی تھیں،
ان کے کان قرآن کی حلاوت سے شیرینی محسوس کرتے تھے،
قرآن ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، قرآن ان کی زندگی تھا، قرآن ان کی شان تھا، قرآن ان کا وقار تھا،
ان کے بچوں کی زبانیں سب سے پہلے قرآن سے آشنا ہوتی تھیں،
ان کے بچوں کی مائیں انہیں قرآن کی لوریاں سُناتی تھیں،

مگر آج ہماری حالت کیا ہے؟ ہمارے نوجوانوں کے ہاتھوں میں بارونیم اور رسا رنگیاں ہیں، ان کی زبانوں پر فحش گانوں کے بول ہیں، ان کی آنکھوں کو ننگے ڈانس سے ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے، ان کے کان مشرقی اور مغربی موسیقی میں حلاوت محسوس کرتے ہیں، فلمیں ان کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔

ہمارے بچوں کی زبانیں سب سے پہلے گالیوں سے آشنا ہوتی ہیں اور ان کی مائیں انھیں ڈسکو ڈانس سکھانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

ہمیں ان بزرگوں سے کیا نسبت جن کے شب و روز تلاوتِ قرآن میں بسر ہوتے تھے، مگر انہیں پھر بھی سیری نہیں ہوتی تھی، نہ، اس طرح ڈوب کر

قرآن پڑھتے تھے کہ انہیں دنیا و ما فیہا کی خبر نہیں ہوتی تھی، ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، لیکن آج ہماری یہ حالت ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ کسی اُچکّے کی دھمکی سُن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، یا کسی افسر بالا کے سامنے پیشی کے موقع پر ہمارے جسم پر کپکپی طاری ہو جائے یا اپنی کرکٹ ٹیم کی شکست کی خبر سُن کر ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں، بلکہ اخباروں میں ایسی خبریں بھی آچکی ہیں کہ ٹیم کی شکست کی خبر سُن کر بڑے میاں کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ لیکن قرآن سن کر، وعید کی آیات سُن کر، جہنّم کی ہولناک آیات کا تذکرہ سُن کر، اللہ تعالیٰ کی گرفت کی خبر سُن کر اُن پر یہ کیفیات کبھی طاری نہیں ہوتیں۔ لیکن جن بزرگوں کی طرف ہماری نسبت ہے وہ لہو و لعب سے تو متاثر نہیں ہوتے تھے البتہ کلام اللہ سے خوب متاثر ہوتے تھے۔

وہ کیسے لوگ تھے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے وقت آنکھوں کو قابو میں نہ رکھ سکتے تھے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا، میں مَردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (یوسف ع ۱۰)

(یعقوبؑ نے کہا) میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔

حضرت عمرؓ بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے، آپؓ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دور سے سُنائی دی۔

ابن عمرؓ کی بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا

گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکیوں کی آواز تین صفوں کے پیچھے سنی۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے رات کے ورد میں کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپؓ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑ جاتا کہ لوگ عیادت کے لئے آتے۔

محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پوری پوری رات ایک رکعت میں گزار دیتے تھے، جس میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔ امام احمدؒ اور ابن عساکرؒ کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ اگر تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گزرے جس میں مجھے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئے، حضرت عثمانؓ کی کی شہادت ہوئی تو جس مصحف میں وہ پڑھا کرتے تھے وہ ان کی کثرتِ تلاوت سے جابجا شکستہ ہو گیا تھا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کو وفاتِ نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز گھر سے باہر نہیں نکلے۔

زرارہ بن اوفیٰ کے متعلق تو یہاں تک بیان کیا گیا کہ وہ جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے سورۂ مدثر کی یہ آیت جب انہوں نے پڑھی:

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝ فَذٰلِكَ	پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو
يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا۔
غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝	نہ کہ آسان

تو ان کی روح پرواز کر گئی اور وہ گر گئے۔ بہز بن حکیمؒ کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو ان کی نعش اٹھا کر گھر لائے۔

خلیدؒ نماز پڑھ رہے تھے جب انہوں نے آیت كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

پڑھی تو اس کو بار بار دُہراتے رہے، کسی نے گھر کے ایک گوشہ سے آواز دی، کہاں تک اس آیت کو دُہراتے رہو گے، نہ معلوم کتنوں کے جگر شق ہو گئے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ رمضان میں امامت کر رہے تھے، جب وہ اس پر پہنچے

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ٥ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۙ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ٥ (المؤمن / ع ۸)	جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لیجایا جائے گا پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

تو بار بار اسی کو دہراتے رہے۔ ایک رات تہجد میں یہ آیت پڑھی:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ (البقرہ / ع ۳۸)	اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تو اس کو بیس سے زائد مرتبہ دہرایا اور رات بھر اتنا روئے کہ ان کی آنکھوں پر اثر پڑ گیا۔

امام ابو حنیفہؒ نے ایک مرتبہ تہجد میں یہ آیت پڑھی:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ٥ (القمر / ع ۳)	لیکن ان کا اصل وعدہ تو قیامت کے دن کا ہے اور وہ بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے

برابر اسی آیت کو دہراتے رہے حتی کہ صبح ہو گئی۔

وہ قرآن سے محبت کرتے تھے، قرآن والا ان سے محبت کرتا تھا۔ وہ قرآن کی عزت و احترام کرتے تھے۔ قرآن والے اللہ نے ساری دنیا سے ان کی عزت کروائی۔ انہوں نے قرآن کو امام اور مقتدا مانا تھا رب کریم نے انہیں زمانے کا امام اور مقتدا بنا دیا۔ انہوں نے قرآن کو سر آنکھوں پر رکھا اللہ نے انہیں بلندیاں عطا کر دیں۔ انہوں نے قرآن کی محبت سے اپنے دلوں کو اور اس کی تلاوت سے اپنی محفلوں کو آباد کیا اللہ نے ان کے گھروں کو، ان کے شہروں اور

دیہاتوں کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے آباد کردیا۔

لیکن ہم نے قرآن کو چھوڑا تو ہم عزت سے محروم ہوگئے، ہم دنیا کی پیشوائی اور امامت سے محروم ہوگئے ہم بلندیوں سے محروم ہوگئے، ہم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم ہوگئے ہم سچی خوشی اور سکون سے محروم ہوگئے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

یہی مفہوم ہے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن مجید کے ذریعہ بعض کو اٹھاتا ہے اور بعض کو گراتا ہے ترکِ قرآن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوگئے ہیں اب انہیں راضی کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ ہم قرآن کی طرف واپس آجائیں۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اللہ جل شانہ کی طرف رجوع اور اس کے ہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرسکتے جو خود حق سبحانہ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔

جب ہم قرآن حکیم کے قریب آئیں گے اسے پڑھنا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا شروع کردیں گے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہم پر متوجہ ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہوکر تلاوتِ کلام پاک اور اس کا ورد نہیں کرتی مگر ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں کرتے ہیں۔

دلوں کا زنگ ہمیں جو تلاوتِ کلام پاک میں لطف محسوس نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے ہمارے دلوں پر زنگ لگ چکا ہے اور اس زنگ کا علاج بھی تلاوتِ قرآن ہی ہے، اللہ کے کلام کو سوچ سمجھ کر پڑھتے رہیئے، یہاں تک کہ دل میں اس کی حلاوت محسوس ہونے لگے، جب حلاوت محسوس ہو تو سمجھ لیجئے کہ زنگ اتر رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نقل کرتے ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ ھٰذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء قیل یارسول اللہ وما جلاءُھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے پانی لگنے سے پوچھا گیا کہ حضور ان کی صفائی کی کیا صورت ہے آپؐ نے فرمایا: موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا

یہ فتنوں کا دور ہے، مادیت کا فتنہ ہے، الحاد کا فتنہ ہے، دہریت کا فتنہ ہے، سوشلزم کا فتنہ ہے، مغربی جمہوریت کا فتنہ ہے، قادیانیت کا فتنہ ہے، عیسائیت کا فتنہ ہے، رافضیت کا فتنہ ہے۔ ان میں سے ہر فتنہ کی دعوت دی جارہی ہے۔ ان کے داعی ریڈیو، ٹی وی، رسائل و اخبارات اور کتابوں کے ذریعہ عالم اسلام پر چڑھائی کئے ہوئے ہیں۔ ان فتنوں سے حفاظت بھی قرآن کے سمجھنے، سمجھانے اور قرآن کے نور کو عام کرنے سے ہوسکتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

نزل جبریل علیہ السّلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاَخبرہٗ انّہٗ ستکونُ فتنٌ	حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا جبرئیل قَالَ كِتَابُ اللهِ — دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہوگی انہوں نے بتایا قرآن شریف۔

اگر آپ آخرت میں اپنی مغفرت کا سامان کرنا چاہتے ہیں تو بھی ضروری ہے کہ آپ قرآن کو لازم پکڑیں کیونکہ حضرت جابرؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ قرآن پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑالو ہے جس کا جھگڑا تسلیم کرلیا گیا، جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے اس کو یہ جنت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اس کو پسِ پشت ڈالدے اس کو یہ جہنم میں گرا دیتا ہے

خلاصہ یہ کہ محترم سامعین! میری تمام معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کی صورت میں زندگی کا ایسا دستور دیا ہے جس پر عمل پیرا ہوکر ہم اپنے تمام مذہبی، سیاسی اور معاشی مسائل حل کرسکتے ہیں۔

قرآن ایسا نور ہے جس سے ہم ضلالت و گمراہی کے تمام اندھیروں کو دور کرسکتے ہیں۔

قرآن ایسا نسخۂ کیمیا ہے جس سے ہم اپنی تمام روحانی بیماریوں کا علاج کرسکتے ہیں۔

قرآن ایسی کتاب ہے جس کی بنیاد پر ہم زمانے میں انقلاب برپا کرسکتے ہیں، اور اپنی کھوئی ہوئی عزت اور وقار بحال کرسکتے ہیں۔

قرآن ایسا راستہ ہے جو سیدھا اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت تک لیجاتا ہے۔

قرآن ایسا خزانہ ہے جس سے ہم اپنے گھروں کو، اپنے شہروں کو، اپنے ملکوں کو ایسا مالامال کرسکتے ہیں کہ ہمیں غیروں کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے۔

قرآن اصلاح و تربیت کا ایسا نظام ہے جو انسان کا تزکیہ کرکے انہیں

مثالی انسان بنا دیتا ہے۔

قرآن ایسا سایہ دار درخت ہے جو اپنے بیٹھنے والوں کو قلبی سکون اور راحت عطا کرتا ہے

قرآن ایسا امام ہے جو اپنی اقتداء کرنے والوں کو زمانے بھر کا امام بنا دیتا ہے۔

قرآن ایسا باوفا ساتھی ہے جو قبر میں بھی ساتھ نبھاتا ہے اور حشر میں بھی وفا کا حق ادا کرے گا۔

قرآن ایسا سفارشی ہے جو وہاں سفارش کرے گا جہاں سفارش کرنے سے انبیاء بھی ہچکچائیں گے۔

قرآن کے اندر ایسی تاثیر ہے کہ یہ حاملِ قرآن کو فائر پروف بنا دیتا ہے اس پر جہنم کی آگ اثر نہیں کر سکتی۔

مسلمانو! قرآن والے اللہ کی قسم قرآن کے اندر کھربوں ایٹم بموں سے زیادہ طاقت ہے۔

للہ! قرآن کو پڑھنے کے لئے اور سمجھنے کے لئے کچھ وقت نکالیے ہر محلے میں ہر مسجد میں، درسِ قرآن کے حلقے قائم کیجئے، اپنے واعظوں اور خطیبوں کو مجبور کیجئے کہ وہ بے بنیاد کہانیوں کے بجائے آپ کو قرآن و سنت سنائیں۔ اور سمجھائیں۔

یاد رکھئے! اگر آپ نے قرآن سے اعراض جاری رکھا تو اللہ کی رحمتیں آپ سے روٹھ جائیں گی۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ٥	جس نے اعراض کیا ہمارے ذکر سے اس کی زندگی تنگی میں ہو گی اور ہم اس کو قیامت میں لائیں گے اندھا کر کے۔

اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ قرآن کو ذکر فرمایا ہے۔ دیکھ لیجئے کہ ہم نے قرآن سے اعراض کیا تو ہماری دنیا کی زندگی تلخ ہو کر رہ گئی ہے ہمیں کسی پل سکون نصیب نہیں ہے جب دنیا میں اللہ تعالیٰ کی وعید پوری ہوتی ہے تو آخرت میں بھی پوری ہو کر رہے گی قرآن سے اعراض کرنے والے کو قیامت کے دن اندھا کر کے ضرور اٹھایا جائے گا اور پھر وہ سوال کرے گا قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ میں تو دنیا میں بصارت والا تھا۔ دیکھ سکتا تھا آج مجھے اندھا کیوں کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے :

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝

تو دنیا میں میری آیات سے اندھا بن گیا تھا آج تجھے میں نے حقیقتاً اندھا بنا دیا اور اللہ فرمائیں نے ہمارا دستور ہی یہ ہے

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝

اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اس کو جس نے تجاوز کیا اور یقین نہ کیا اپنے رب کی نشانیوں پر اور آخرت کا عذاب بہت سخت ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

قرآن کے ساتھ اعراض کرنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسری جانب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عدالت میں استغاثہ دائر کریں گے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

اور کہا رسول نے اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔

سوچئے جب اللہ کے رسول بھی ہمارے خلاف مستغیث بن جائیں گے تو ہمارا کیا بنے گا، ہم ان کی شفاعت کی امید لگائے بیٹھے ہیں مگر جب آپ ہی ہمارے

خلاف مدعی ہو جائیں گے اور فیصلہ کرنے والا اللہ ہوگا، دن وہ ہوگا جس میں ناانصافی ہو ہی نہیں سکتی۔ تو سوچئے اور بار بار سوچئے کہ اگر ہم سے سوال کریگا کہ ظالمو! بتاؤ تو سہی میری اس عظیم ترین اور بے مثال کتاب پر تم نے کیوں ظلم کیا، اس سے اعراض کیوں کیا، اسے بند کر کے الماریوں میں کیوں سجا دیا، اسے پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی، تمہارے پاس اتنا بڑا خزانہ تھا پھر تم نے دنیا بھر میں دریوزہ گری کیوں کی تم اس کے احکام اور آیات کو دنیا کے چند ٹکوں کے بدلے کیوں بیچتے رہے تو ہم ان سوالات کا کیا جواب دیں گے۔ اللہ تعالٰے سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان سوالات کے جوابات کی عملی طور پر تیاری کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

مسٹر اور مُلّا

نرا مُلّا سمجھ رکھا ہے تو نے مجھ کو اے مسٹر
جبھی تیری یہ جرأت ہے یہ بیباکی یہ لسّانی
صفائی جانتا ہوں پالسی مجھ کو نہیں آتی
نہ رکھوں گا لگی لپٹی کہوں گا بات حقّانی
مہذّب گالیاں تیری طرح دینا نہیں آتا
سنانا کوری کوری جانتا ہوں میں ہوں دہقانی
یہی دھن ہے ترقی کی تو پھر کیا ہے ڈکیتی کر
نہیں جب خوفِ ربانی تو کیوں ہو خوفِ سلطانی

" آپ بار بار کہتے ہیں کہ جی یہ نیا زمانہ ہے، اس میں پرانی باتوں کو نہیں دہرانا چاہیئے اگر سب پرانی باتوں کو چھوڑنا چاہتے ہیں تو زمین بھی پرانی ہے، آسمان بھی پرانا ہے اور اس میں جو سورج چاند، ستارے ہیں یہ بھی پرانے ہیں، ان سے بھی استفادہ نہیں کرنا چاہیئے، پھر منہ سے کھانا پینا یہ بھی دقیانوسی طریقہ ہے اب تو کوئی نیا طریقہ ہونا چاہیئے۔ آپ کب تک پرانے بڈھوں کی تقلید کرتے رہیں گے، یہ دو ٹانگوں سے چلنے کا طریقہ بھی بہت فرسودہ ہو گیا ہے۔ یہ ماڈرن دور ہے اب تو چلنے کا طریقہ کوئی دوسرا ہونا چاہیئے۔ کیا ہی مزہ آئے گا اگر ٹانگیں اوپر ہوں اور سر نیچے یقین کریں لطف آجائے گا، ترقی کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔ معاف کیجئے گا ایسا نہ ہو کہ کل کلاں کچھ لوگ والدین کو بھی پرانا کہہ کر ریجیکٹ کردیں کہ جی ہمیں تو نیا ڈیڈی اور ممی چاہیئیں۔ نئے زمانے کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ہر پرانی بات کو اور تمام پرانی اقدار کو ٹھکرا دیا جائے۔ اسلام نے جن عظیم ترین حکمتوں کے تحت بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام کیا تھا، بعض کاموں کو فرض اور واجب اور بعض کاموں کو مکروہ اور ناپسندیدہ ٹھہرایا تھا وہ حکمتیں اب بھی باقی ہیں۔ اسلام جن انسانی اور اخلاقی قدروں کا تحفظ پہلے چاہتا تھا ان کے تحفظ کی آج بھی ضرورت ہے۔ کوئی فاتر العقل اور مخبوط الحواس ہی ہوگا جو یہ کہے کہ پرانے زمانے میں شرافت کی ضرورت تھی آج اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ پرانے میں عفت وطہارت کا مقام تھا مگر آج اس کا کوئی مقام نہیں "

مسٹر اور مُلّا

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ امّا بعد

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً

مسلمانو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَھُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَجٰھَدُوۡا بِاَمۡوَالِھِمۡ وَاَنۡفُسِھِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۝

مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے اس میں کچھ شک نہ کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کیا یہی لوگ (اپنے ایمان میں) سچے ہیں۔

وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے، نیک اعمال کئے وہ

وَلَا الْمُسِيْئُ ط قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ	اور گنہگار برابر نہیں ہیں۔ تم لوگ غور کم ہی کرتے ہو۔
وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی كَانَ لَهٗ اَجْرٌ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا	حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص ہدایت کی دعوت دے اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ اس شخص کو جو اس کی پیروی اختیار کرے اور (اس اطاعت گزار) کے اجر میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی اور جو گمراہی کی طرف بلائے اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا کہ ان کو جو اس کی اطاعت کریں اور ان کے گناہ میں کچھ بھی کم نہ ہوگا۔
وعنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ	انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کے بگڑنے کے وقت میری سنت کو اپنا رہنما بنایا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔
وعن ابراهيم بن عبد الرحمٰن العُذْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ	ابراھیم بن عبد الرحمٰن العذری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاصل کریں گے اِس علم (کتاب وسنت) کو ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے نیک لوگ جو دور کریں گے اس

وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ .
سے حد سے گزر جانے والے لوگوں کی تحریف کو اور اہل باطل کی افتراپردازی اور جاہلوں کی تاویلات کو ۔

محترم سامعین ! برّصغیر پاک وہند میں انگریزوں نے جو اپنی بہت ساری قابلِ مذمت یادگاریں چھوڑی ہیں ان میں سے ایک "ملّا اور مسٹر" کی باہمی آویزش بھی ہے ۔ لارڈ میکالے نے ہمارے اسکولوں کے لئے ایسا نصابِ تعلیم تجویز کیا جس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اسکول کالج میں پڑھنے والوں کو اپنی تہذیب ، اپنے تمدن ، اپنی تاریخ ، اپنی زبان اور اپنے مذہب کے بارے میں احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا ۔ وہ انگریز کے تہذیب و تمدن اور لباس اور زبان کو ترقی کی علامت سمجھتے ہیں اور قومی زبان اور تہذیب اور مذہبی لباس میں شرمساری محسوس کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان بیچاروں نے انگریز کو اُلٹی سیدھی اُردو بولتے دیکھا تو اس کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی اپنی زبان بگاڑ لی ۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے خوب کہا ہے ؎

کہا مسٹر نے جب "دل مانگتا ہے بولنا تم کیا "
تو منہ تکنے لگا اس کا میں ہو کر محوِ حیرانی
کبھی دل میں کہا یہ کونسی بولی زباں اس نے
نہ اُردو ہے نہ انگریزی ہے نہ پشتو ہے نہ ایرانی
کبھی سمجھا کہ یہ نقال ہے بھیس اس نے بدلا ہے
زباں بولی ہے ایسی جو سمجھ لی جائے سُریانی
کبھی سوچا زباں اینٹھی ہوئی ہے کیوں تلفظ میں
گماں لقوے کا ہو کر ، ہو گئی لاحق پریشانی

اس نصابِ تعلیم میں دوسری خرابی یہ ہے کہ اس میں دینیات کو ثانوی اور ضمنی حیثیت دیدی گئی ہے جس کی وجہ سے یہاں سے محکموں کے آفیسر اور دفتروں کے کلرک تو پیدا ہونے لگے لیکن دینی شعور رکھنے والے علماء اور عالم اسلام کے لئے تڑپنے والے اربابِ دل کا سلسلہ موقوف ہو گیا اور نصابِ تعلیم کے بارے میں انگریز سامراج کی یہ سوچ رنگ دکھانے لگی کہ ہم اس کے ذریعے مسلمانوں کو عیسائی نہ بھی بنا سکیں تو کم از کم ان کو مسلمان بھی نہیں رہنے دیں گے۔

اس نصابِ تعلیم میں تیسری خرابی یہ ہے کہ "مسٹر اور ملا" کی آویزش مستقل حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ میری ناقص سوچ کے مطابق اس آویزش کو بڑھانے میں اُن چند علماء کا حصہ بھی ہو سکتا ہے جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ہی سہی مگر بہر حال اسکول کالج میں پڑھنے والوں کو اچھوت سمجھ کر ان سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی اور انہیں اپنے قریب پھٹکنے نہ دیا جس کی بنا پر یہ خلیج روز بروز وسیع ہوتی چلی گئی۔ لیکن اس میں زیادہ حصہ لارڈ میکالے کے تجویز کردہ نصابِ تعلیم ہی کا تھا۔ اس نصابِ تعلیم کو حرفِ آخر سمجھنے والوں نے علماء تو کیا اسلامی شعائر اور احکام کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا۔

میں ابتدا ہی میں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی بھی طبقہ اور کسی بھی جماعت میں نہ تو سارے افراد بُرے ہوتے ہیں، نہ ہی سارے افراد اچھے ہوتے ہیں۔ میں تمام علماء کو بھی کائنات کے امام اور وارثانِ پیغمبر نہیں کہتا کیوں کہ دنیا میں اگر علماءِ حق موجود ہیں تو علماءِ سوء کی بھی کمی نہیں بلکہ دورِ حاضر میں تو نام نہاد مولویوں اور علماءِ سوء کی کثرت ہے۔ لیکن ان کی وجہ سے شریعت سے نفرت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے بیزاری کی اجازت

نہیں دی جاسکتی۔

اسی طرح میں سارے مسٹروں کو بھی بُرا نہیں کہتا بلکہ جب مسٹر اور ملا کی آویزش کی بات ہوگی تو اس سے وہ مسٹر مراد ہوں گے جو واقعی اس آویزش کے ذمہ دار ہیں۔

یورپ کی غلامی یعنی جو یورپ کی غلامی میں مبتلا ہیں، جو یورپ سے آنے والی ہر بات کو آسمانی وحی سمجھ کر سینے سے لگانے کے لئے تیار رہتے ہیں خواہ یورپ کی اتباع سے معاشرتی زندگی کا سکون تباہ ہو جائے ان کی بَلا سے۔ ان کو تو بس اس کی اتباع کرنی ہے شریعت کے احکام ان کو بھاری محسوس ہوتے ہیں لیکن انگریزوں کے طور و طریق بڑے آسان نظر آتے ہیں۔

ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی بنیے نے عورت سے کہا کہ مجھے ذرا باٹ اٹھا کر دے دے، اس نے کہا ہونہہ بھلا مجھ سے اتنا بھاری باٹ اُٹھے گا۔ اس نے کیا کیا کہ سنار سے کہہ کر ایک سِل کے اوپر سونا چڑھوایا اور گھر میں لایا کہ لے میں نے تیرے واسطے نئی قسم کا زیور بنوایا ہے جیسے وہ زیور عورت کے سامنے آیا بے ساختہ گلے میں ڈال لیا پھر تو بنیئے نے اس کی خوب مرمت کی کہ کل تو تجھ سے باٹ بھی نہ اٹھتا تھا اور آج سِل کو گلے میں بلا تکلف ڈالے پھرنے لگی ہے۔

یہی ان کا حال ہے۔ مثال کے طور پر انہیں داڑھی رکھنا بڑا عجیب اور بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن اگر انگریز داڑھی رکھ لے تو بلا توقف آپ کو ان کے چہروں پر یہ فیشنی داڑھیاں نظر آئیں گی۔

اندھی تقلید یورپ والے اگر مخصوص قسم کا لباس پہنتے ہیں یا مخصوص قسم کے مکانوں میں رہتے ہیں تو ہمیں اس سے کیا تعلق اس لئے کہ ہمارا مذہب دوسرا ہے ان کا مذہب دوسرا ہے۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ ان کا تو کوئی مذہب ہی نہیں ان کی

اکثریت تو بے مذہب ہے وہ عیسائیت پر بھی کہاں عمل کرتے ہیں جبکہ ہم مسلمان ہیں ہم تو وہ کام کریں گے جس کی اجازت شریعت دے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ملک کی آب وہوا اور ہے اور ہماری آب وہوا اور ہے، موسم اور ہے۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ بغیر نفع نقصان کو سوچے سمجھے ان کی اندھی تقلید کرتے پھریں۔ ہمارا تو وہی حال ہے جو ایک صوفی صاحب کا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک صوفی صاحب سفر میں کسی خانقاہ میں ٹھہرا ان لوگوں پر کئی وقت کا فاقہ تھا۔ انہوں نے رات میں خادم کو غافل پاکر صوفی کا گدھا کھول کر بازار میں بیچ دیا اور خوب کھایا پیا اور صوفی کی بھی دعوت کی کھانے کے بعد قوالی ہوئی ان لوگوں نے قوال سے فرمائش کردی کہ یہ شعر پڑھو ؎

خربرفت وخربرفت وخربرفت	خربرفت وخربرفت وخربرفت
ترجمہ: گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا	گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا

گدھے کا مالک بھی یہی کہہ رہا تھا، صبح کو جو دیکھا گدھا ندارد۔ خادم سے پوچھا تو اس نے کہا وہ تو رات سے غائب ہے اور میں نے حضور کو اطلاع کرنی چاہی تھی لیکن آپ خود ہی کہہ رہے تھے "خربرفت وخربرفت" میں سمجھا کہ آپ کو کشف سے اطلاع ہو چکی ہے اس لئے خاموش واپس آگیا، کہنے لگا: کم بخت مجھ کو کیا خبر تھی میں تو اوروں کی تقلید میں کہہ رہا تھا۔ ایسی تقلید کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں: ؎

خلق را تقلید شان برباد داد	کہ دوصد لعنت برین تقلید باد
ترجمہ: مخلوق کو ان کی تقلید نے برباد کیا	ایسی تقلید پر دوسو لعنتیں ہودیں

یوں ہی یہ مسٹر بیچارے بے سوچے سمجھے انگریزوں کی اندھی تقلید کئے جا رہے ہیں اور "ملا" کے انتہائی محترم لفظ کو جو انہوں نے گالی بنادیا تو اس کی وجہ بھی دین کے ان ازلی دشمنوں کی تقلید ہی ہے۔

کہتے ہیں ایک بوڑھا آدمی حکیم کے پاس جا کر کہنے لگا کہ میری آنکھوں میں کمزوری ہے حکیم نے کہا بڑھاپے سے ہے، کہا میرا دماغ خالی سا ہو گیا ہے حکیم نے کہا بڑھاپے سے، کہا میرے ہاتھ پاؤں میں درد رہتا ہے حکیم نے کہا یہ بھی بڑھاپے سے، بڈھے نے جھلا کر حکیم کے ایک دھول رسید کی کہ نامعقول تو نے بڑھاپے کے سوا حکمت میں کچھ اور بھی پڑھا ہے! حکیم نے ہنس کر کہا کہ میں آپ کے غصہ کا بُرا نہیں مانتا یہ غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے۔

اسی طرح ان کو جو مولویوں پر غصہ آتا ہے اور ملا کے لفظ کو طنز اور دل آزاری کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو اس کی وجہ بھی یہ اندھی تقلید ہی ہے۔ بعض الزامات اور اعتراضات بھی ہیں جو یہ مولویوں پر کرتے رہتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ مولویوں کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔

ملا اور ترقی ملاؤں پر مسٹروں کا میرے خیال میں سب سے بڑا الزام یا اعتراض یہ ہے کہ ملا ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں ؎

ترقی کر کے قومیں منزلِ مقصود تک پہنچیں — مگر یہ لوگ ہیں اب بھی اسیرِ دامِ نادانی
جنونِ نو جو وہ تہذیبِ مغرب کو بتاتے ہیں — تو یہ نکلے ہیں لے کر نسخہ ہائے طبِ یونانی

ساری دنیا ترقی کرتی جارہی ہے مگر یہ مولوی ہمیں دنیا سے پیچھے رکھنا چاہتا ہے، زمانہ بدل گیا ہے، نیا دور ہے، نئے تقاضے ہیں لیکن مولوی صاحب وہی پرانی باتیں دہراتے جارہے ہیں نماز پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو، حج کیا کرو، تلاوت کیا کرو، داڑھی رکھو، ایسا لباس پہنو ویسا نہ پہنو، وہی پُرانی باتیں ہیں، دقیانوسی خیالات ہیں۔ مگر صاحب! سوال یہ ہے کہ ان میں سے کونسی بات ہے جو آپ کو ترقی کرنے سے روکتی ہے۔ آپ سائنس میں، میڈیکل لائن میں، انجنیرنگ میں، اسلحہ سازی میں، صنعت و حرفت میں اگر کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو نماز، روزہ، حج،

زکوٰۃ، تلاوت، عبادت، داڑھی، کُرتہ شلوار، پردہ ان میں سے کوئی چیز بھی حصولِ کمال سے مانع نہیں ہے۔ کیا ان شعبوں میں کمال حاصل کرنے کے لئے بےحیا اور بےغیرت بننا ضروری ہے؟ یہ آپ کو کس نے بتا دیا کہ داڑھی رکھنے سے ترقی کا سفر رُک جاتا ہے یا پردہ کرنے سے سائنس وغیرہ میں کمال حاصل نہیں کیا جا سکتا یا نماز پڑھنے والا ڈاکٹر اور انجینئر نہیں بن سکتا، ترقی کرنا تو شرعی فرض ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ؕ (البقرۃ)	یعنی ہر قوم کے لئے قبلہ کی ایک جہت مقرر ہے جس کی طرف وہ منہ کرتی ہے، تو تم ایک دوسرے سے بھلائیوں میں آگے بڑھو۔

ہم کو تو استباق یعنی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حکم ہے اور یہی ترقی ہے۔ تو ترقی کی ضرورت قرآن شریف سے ثابت ہے بلکہ فَاسْتَبِقُوْا امر کا لفظ ہے جو فرض ہونے کا تقاضہ کرتا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اسلام میں ترقی کرنا فرض ہے۔ اب کس کی مجال ہے کہ ترقی سے روک سکے۔ لہٰذا علماء پر یہ الزام بالکل تہمت ہے، قرآنی فرض سے کوئی کیسے روک سکتا ہے۔ بس فرق صرف یہ ہے کہ مسٹر کہتے ہیں کہ دوسری قوموں کے قدم بقدم چل کر ترقی کرو اور علماء یہ کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن کہے اس طرح ترقی کرو۔

ترقی اچھی باتوں میں بھی ہوتی ہے اور بُری باتوں میں بھی، مگر بھلائیوں میں تو ترقی کوشش کر کے حاصل کرنے کے قابل ہے اور برائیوں میں نہیں ورنہ ایک ڈاکو کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ مجھے ڈاکے سے کیوں منع کیا جاتا ہے، میں تو ترقی کرنا چاہتا ہوں بلکہ اسی طرح ہر دھوکہ باز کو، چور کو، جیب کترے کو، کفن چور کو،

رشوت خور کو، سود خور کو، سٹے باز کو۔ غرض ہر بدمعاش کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا۔ اسلئے بھلائی میں تو ترقی اچھی ہے، اور برائی میں ترقی بُری ہے تو اب جس ترقی کو مسٹر ترقی کہتے ہیں یا تو وہ اس کا بھلا ہونا ثابت کردیں یا جس کو علماء اسلام ترقی کہتے ہیں ہم اس کا بھلا ہونا ثابت کردیں۔ خود ترقی کرنا تو ضروری اور فرض ہے مگر آج کے طریقوں نے ترقی کو برائی میں ترقی بنا دیا ہے۔

غیر محدود ترقی | غیر محدود ترقی کی اجازت تو دنیا کا کوئی قانون، کوئی گورنمنٹ اور کوئی سوسائٹی نہیں دے سکتی۔ اگر غیر محدود ترقی کی اجازت ہے تو آج سے چوری اور ڈاکہ زنی شروع کردیجئے۔ دوسروں کے مال چھین چھین کر اپنا مال بڑھائیے۔ اس کے بعد اگر آپ عدالت میں پکڑے جائیں تو صاف کہدیں کہ ہم تو ترقی کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا عدالت اس کو قبول کرلے گی؟ اگر نہیں قبول کرے گی تو پھر ثابت ہوگیا کہ گورنمنٹ نے ترقی کی یہ حد قائم کی ہے کہ ڈکیتی نہ ہو، چوری نہ ہو، غصب نہ ہو۔ جب گورنمنٹ ترقی کے لئے حدود قائم کرسکتی ہے تو کیا اللہ تعالیٰ حدود قائم نہیں کرسکتے؟ افسوس ہے کہ گورنمنٹ سے تو غیر محدود ترقی کی امید نہ رکھیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے یہ امید ہو کہ ترقی غیر محدود کی اجازت دیں اور اگر ترقی غیر محدود مطلوب ہے تو اجازت دیجئے کہ میں آپ کا کُرتہ اتارلوں، آپ کا مکان اور جائداد چھین لوں کیونکہ آپ کے نزدیک تو ترقی کی کوئی حد ہے ہی نہیں اگر آپ کو یہ گوارا ہو تو میں ادب سے عرض کروں گا کہ آپ میرے خطاب کے قابل نہیں، ایسا شخص تو مجنون ہے، دیوانہ ہے جس کو ڈاکٹر سے جنون کا سرٹیفکیٹ لینا چاہیے۔

غرض یہ کہ ترقی اور تمدن کی حقیقت اتنی ہی ہے جتنی شریعت نے اجازت دی ہے اور اس میں شریعت نے تنگی نہیں کی۔ شریعت نے اجازت دی ہے ترقی کی مگر اس کی حدود ہیں۔

ہمارے لیڈر بار بار اس میں غور کرتے ہیں کہ دوسری قوموں کی ترقی کا راز کیا ہے مگر اب تک حقیقت تک کوئی نہیں پہنچا۔ کسی نے یہ کہہ دیا کہ یہ لوگ سود لیتے ہیں اس وجہ سے ان کو ترقی ہو رہی ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اگر سود میں ترقی کا اثر ہوتا تو مسلمانوں میں سے جو لوگ سود کے گناہ میں مبتلا ہیں ان کی بھی ترقی ہونی چاہیئے تھی، حالانکہ دوسری قوموں کے مقابلے میں وہ بھی کچھ ترقی پاتے ہوئے نہیں ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت میں چونکہ تجارت کی بعض صورتوں کو ناجائز کہا گیا ہے۔ اس لیئے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے، مگر یہ بھی غلط ہے، کیونکہ معاملاتِ تجارت میں شریعت کی حدود کے پابند کتنے تاجر ہیں؟ غالباً دو چار کے سوا کوئی نہ ملے گا تو پھر ان تاجروں کو ایسی ترقی کیوں نہ ہوئی۔ یہ کونسے ناجائز معاملے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کبھی عورتوں کے پردے کو اٹھا دینا چاہتے ہیں کہ یہی پردہ ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، عورتیں آزاد ہوں گی تو علوم اور صنعت و حرفت سیکھیں گی خود بھی ترقی کریں گی اولاد کو بھی ترقی کرائیں گی۔ لیکن یہ خیال بھی غلط ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں بعض قوموں کی عورتیں پردہ نشین نہیں ہیں اور زیادہ تعداد ایسی غریب قوموں کی ہے جن میں ہمیشہ سے پردہ کا رواج نہیں۔ تو اگر بے پردگی ہی سے ترقی ہوتی ہے تو ان قوموں نے کیوں نہ ترقی کر لی۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی ایسی باتیں غیر قوموں کی ترقی کا سبب نہیں۔

غیر قوموں کی ترقی کا اصل سبب جو باتیں ہیں وہ دوسری ہیں۔ وہ ان کی ایسی صفتیں ہیں جو انہوں نے آپ ہی کے گھر سے لی ہیں جیسے منتظم ہونا، مستقل مزاج ہونا، وقت کا پابند ہونا، بردبار ہونا، انجام سوچ کر کام کرنا، صرف جوش سے کام نہ کرنا، ہوش سے کام لینا، آپس میں اتفاق و اتحاد کرنا۔ اور یہ

سب باتیں وہ ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے اور ان سب کا خاصہ ہے کہ ان کو اختیار کرنے سے ترقی ہوتی ہے اور چھوڑ دینے سے ترقی والوں کی ترقی بھی خاک میں مل جاتی ہے، چاہے کوئی اختیار کرے چاہے کوئی چھوڑ دے۔

نیا زمانہ آپ بار بار کہتے ہیں کہ جی یہ نیا زمانہ ہے اس میں پرانی باتوں کو نہیں دہرانا چاہیے اگر آپ سب پرانی باتوں کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو زمین بھی پرانی ہے، آسمان بھی پرانا ہے اور اس میں جو سورج، چاند ستارے ہیں یہ بھی پرانے ہیں ان سے بھی استفادہ نہیں کرنا چاہیے پھر منہ سے کھانا پینا یہ بھی دقیانوسی طریقہ ہے اب تو کوئی نیا طریقہ ہونا چاہیے آپ کب تک پرانے بڈھوں کی تقلید کرتے رہیں گے، یہ دو ٹانگوں سے چلنے کا طریقہ بھی بہت فرسودہ ہوگیا ہے۔ یہ ماڈرن دور ہے اب تو چلنے کا طریقہ کوئی دوسرا ہونا چاہیے کیا ہی مزہ آئے گا اگر ٹانگیں اوپر ہوں اور سر نیچے ہو سقین کریں لطف آجائے گا، ترقی کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔ معاف کیجئے گا ایسا ہو کہ کل کلاں کچھ لوگ والدین کو بھی پرانا کہہ کر ریجیکٹ کردیں کہ جی ہمیں تو نیا ڈیڈی اور ممی چاہئیں۔ نئے زمانے کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ہم ہر پرانی بات کو اور تمام پرانی اقدار کو ٹھکرادیں اسلام نے جن عظیم ترین حکمتوں کے تحت بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام کیا تھا، بعض کاموں کو فرض اور واجب اور بعض کاموں کو مکروہ اور ناپسندیدہ ٹھہرایا تھا وہ حکمتیں اب بھی باقی ہیں۔ اسلام جن انسانی اور اخلاقی قدروں کا تحفظ پہلے چاہتا تھا ان کے تحفظ کی آج بھی ضرورت ہے۔

کوئی فاتر العقل اور مخبوط الحواس ہی ہوگا جو یہ کہے کہ پرانے زمانے میں شرافت کی ضرورت تھی مگر آج اس کی ضرورت نہیں۔ پہلے شرم و حیا کی اہمیت تھی آج اس کی کوئی اہمیت نہیں، پرانے زمانے میں عفت و طہارت کا مقام

تھا مگر آج اس کا کوئی مقام نہیں۔

نئے زمانے کی رَٹ لگانے والے یہ بھی تو سوچیں کہ جس خالق و مالک نے شریعتِ اسلامیہ کے احکام نازل کئے ہیں وہ پرانے زمانے کے تقاضوں سے بھی باخبر تھا اور آنے والے تمام زمانوں سے بھی وہ خوب واقفیت رکھتا تھا، انسان کی کمزوریاں بھی اس کی نظر میں ہیں اور انسان کی صلاحیتوں سے بھی وہ واقف ہے دنیا میں جو جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ان کا علم اسے ازل سے تھا بلکہ جو تبدیلیاں بعد میں ہونے والی ہیں ان کا بھی اسے علم ہے اس لئے اس کے احکام اور اس کی شریعت جیسے پہلی صدی ہجری میں کارآمد تھے آج بھی وہ کارآمد ہے زمانے کے بدلنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ پھر یہ جو آپ نے رٹ لگائی ہوئی ہے کہ جناب زمانہ بدل گیا ہے زمانہ بدل گیا ہے تو یہ بھی فضول ہے کیونکہ زمانہ تو نہیں بدلا لوگ بدل گئے ہیں، ہم بدل گئے ہیں، ہمارے رجحانات بدل گئے ہیں، ہماری خواہشات بدل گئی ہیں، زمانے پر تو ناحق ہم تہمت رکھتے ہیں۔ جیسے سورج نہیں بدلا، چاند نہیں بدلا، زمین آسمان نہیں بدلے اسی طرح زمانہ بھی نہیں بدلا لیکن انسان کے اندر چونکہ اتنی جرأت نہیں کہ وہ اپنی تبدیلی کا اعتراف کرے اس لئے وہ اپنے گناہ اور اپنی کمزوری کا سبب زمانے کو ٹھہرا دیتا ہے۔ زمانے کا کوئی قصور نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ آپ کے دل و دماغ پر یورپ پرستی کا بھوت سوار ہے ان کی ہر تبدیلی کو عین تہذیب و ثقافت سمجھ کر اپنے سینے سے لگانے کو تیار ہو جاتے ہیں اور مولوی کی ہر بات کو قدامت پرستی اور دقیانوسیت کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں یعنی آپ یورپ کی مادر پدر آزاد سوسائٹی سے رشتہ جوڑیں تو وہ زمانے کا تقاضہ ٹھہرے اور مولوی قرآن کے پیغام ہدایت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے تحفظ اور اس سے محبت کرنے کی

تلقین کرے تو وہ نگوں بن کر رہ جائے گویا کہ ؎

پھیلتے وہ ہیں کہ اغیار سے رشتہ جوڑیں یہ ہیں سمٹے ہوئے اور حفظِ نسب کرتے ہیں
وقت کو دیکھ کے اب آپ ہی انصاف کریں وہ ستم کرتے ہیں یا آپ غضب کرتے ہیں

شیم شیم ہماری موجودہ حکومت کے وزراء تواتر کے ساتھ اخبارات میں بیانات دے رہے ہیں کہ مولوی ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں انہی کی وجہ سے ہماری صنعتی اور ملکی ترقی رکی ہوئی ہے حالانکہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں جو مولویوں کی بیساکھیوں کا سہارا لیکر اقتدار کی منزل تک پہنچے ہیں اور اب وہ مولویوں پر ہی گرج برس رہے ہیں اسی لئے میں معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ اس میں ان مولوی حضرات کا بھی قصور ہے جو ان بدبختوں کی بیساکھیاں بننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں مولوی کی شایان نہیں ہے کہ وہ کسی کی بیساکھی بنے مسلم لیگ ہو یا پیپلز پارٹی ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جنہیں مولوی کے نام سے بھی چڑ ہے وہ صرف الیکشن کے موقع پر مولویوں کی جھوٹی سچی خوشامد کرتے ہیں اور وعدوں کے سبز باغ دکھاتے ہیں بعد میں سب کچھ فراموش کر دیتے ہیں۔ ان وزراء سے میرا سوال یہ ہے کہ وہ کونسا محکمہ ہے جہاں مولوی نے رکاوٹیں کھڑی کی ہیں مولوی کو تو آپ نے مسجد اور مدرسہ تک محدود کر دیا ہے اور مولوی کو فخر ہے کہ اس نے وسائل کے نہ ہوتے ہوئے بھی مسجد اور مدرسہ کی لائن سے دین کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا، قوم کے لاکھوں بچوں کے سینوں کو قرآن کے نور سے منور کر دیا، انہیں حدیث، فقہ اور دوسرے اسلامی علوم سے روشناس کرایا اور اچھے انسان بنایا، چنانچہ تمام خرابیوں کے باوجود مدرسہ کے فارغ التحصیل میں تمہارے کالج اور یونیورسٹی کے پڑھے ہوؤں سے زیادہ شرافت ہوتی ہے، انسانیت ہوتی ہے اخلاق ہوتے ہیں، سچائی ہوتی ہے۔

لیکن جو محکمے سراسر تمہارے رحم و کرم پر ہیں تم نے وہاں کیا ترقی کی ہے تھانہ تمہارے قبضے میں، کسٹم تمہارے قبضے میں، انکم ٹیکس کی وصولی تمہارے اختیار میں، بینکاری تمہارے قبضے میں، ٹیلیفون کا محکمہ تمہارے قبضے میں، وزارتیں تمہارے رحم و کرم پر ہیں، اقتدار تمہارے پاس ہے اور تم نے اقتدار میں رہتے ہوئے اس ملک کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تاریخ میں سیاہ حروف سے لکھا جائے گا۔ پاکستان کو دو ٹکڑے کس نے کیا؟ مولویوں نے یا تم نے؟ اس ملک میں لسانی اور قومی تعصبات کو کس نے ابھارا مولویوں نے یا تم نے؟ ہر محکمے میں بد دیانتی اور رشوت ستانی کو فروغ

کس نے دیا مولویوں نے یا تم نے؟ گھٹیا مال برآمد کر کے ملک کو کس نے بدنام کیا مولویوں نے یا تم نے؟ اگر میں ان بے لگام وزیروں کی لوٹ کھسوٹ کی داستانیں سنانے لگوں تو مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے ہر شخص شیم شیم کہنے پر مجبور ہو جائے گا۔

شکلیں اور لباس ان حضرات کے نزدیک نئے زمانے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ شکلیں بھی انگریزوں جیسی بنائی جائیں اور لباس بھی انہی جیسا زیب تن کیا جائے۔ بعض بدبخت تو سرِ عام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی شکل وصورت کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ اگر کوئی شخص داڑھی نہ رکھے اور اپنے آپ کو گناہگار سمجھتا رہے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم کھاتے ہوئے اسے توبہ کی توفیق دے دیں لیکن جو شخص معاذ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مذاق اڑائے اور چہرے پر اس سنت کے سجانے والوں کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھے اس کا تو ایمان ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ مفتی حضرات ایسے شخص کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کا فتویٰ دیتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہو مسلمان اور اللہ کے نبی والی شکل وصورت سے نفرت ہو اور حیوان جیسی زندگی گذارنے والوں کی شکل وصورت سے محبت ہو اور اب تو کچھ ایسا رواج چل نکلا ہے داڑھی بھی صاف اور مونچھیں بھی صاف، پتہ ہی نہیں چلتا محترم ہیں یا محترمہ ہیں۔ حضرت مجذوبؒ نے خوب کہا ہے ؎

بڑا عاقل ہے تو مسٹر پہیلی بوجھ اک میری | بتا وہ کون ہے جس میں ہیں یہ اوصاف لاثانی
نہ داڑھی ہے نہ مونچھیں نہ عورت ہے نہ امرد ہے | نہ زنخہ ہے نہ خنثیٰ ہے نہ چینی ہے نہ جاپانی
مرا داڑھی بڑھالینا تو فعلِ وحشیانہ ہو | جو موتے تو کھڑا ہو کر نہ ہو وہ خوئے حیوانی
نہ ہو پر قینچ پہنے کوٹ اور پتلون اگر مسٹر | بنوں بغلول اگر پہنوں میں شلوار اور شروانی

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ

ایک صاحب کے گھر تشریف لے گئے ان صاحب کا بچہ شاہ صاحب کے پاس آنے سے گھبرا رہا تھا آپ نے پیار کرنے کے لئے اٹھانا چاہا تو رونے لگا ایک دوسرے صاحب داڑھی مونچھ صفا چٹ بیٹھے تھے انہوں نے اس کو پچکارا تو اُن کے پاس وہ فوراً چلا گیا انہوں نے ازراہِ مذاق کہا "شاہ صاحب کیہہ گل اے ایہہ بچہ مولویاں کولوں کیوں ڈر دا اے" شاہ صاحب نے فرمایا: "مولوی ایہنوں مرد نظر اوندا اے تے تہاڈی شکل اِسدی ماں دے نال ملدی جلدی اے" اس نے کہا تھا کہ کیا بات ہے شاہ صاحب، یہ بچہ مولویوں کے پاس جانے سے گھبراتا ہے آپ نے جواباً فرمایا کہ مولوی اُسے مرد معلوم ہوتا ہے جبکہ آپ کی شکل اس کی والدہ سے ملتی جلتی ہے، اور بچہ فطرتاً ماں کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے کیا کہنے، آپ حاضر جوابی کے بادشاہ تھے بڑے بڑوں کو لاجواب کر دیتے تھے۔

ایک بار ایک وکیل صاحب نے استہزاء کے طور پر کہا شاہ صاحب! مولوی تو تاویل کے بادشاہ ہوتے ہیں آپ کوئی ایسی تاویل کریں کہ انسان کھاتا پیتا بھی رہے اور اس کا روزہ بھی نہ ٹوٹے۔

شاہ صاحبؒ نے فرمایا بہت آسان طریقہ ہے۔ آپ یہاں بیٹھ جائیں میں آپ کے سر پر جوتے مارتا ہوں آپ جوتے کھاتے رہیں اور غصہ پیتے رہیں، کھانا پینا بھی ہوتا رہے گا اور روزہ بھی نہ ٹوٹے گا۔

میں یہ بتا رہا تھا کہ مسٹر حضرات نئے زمانے کا ایک تقاضہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اپنی شکلیں اور لباس بھی تبدیل کر لیا جائے۔ وہ بڑے طمطراق سے کہتے ہیں: ارے جی ہم بھی مسلمان ہیں مگر سارا دین داڑھی میں تو نہیں ہے، سارا

دین لباس میں تو نہیں ہے۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ سارا دین داڑھی اور لباس میں نہیں ہے مگر دین کے اندر لباس بھی ہے اور داڑھی بھی ہے۔ ہمارے دین نے ہمیں شترِ بے مہار کی طرح نہیں چھوڑا ہے کہ جو چاہو کرتے پھرو، جیسا چاہو لباس پہن لو، جیسی چاہو شکل و صورت بنالو۔ بلکہ اس سلسلہ میں واضح ہدایات ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و صورت کا نمونہ ہے، صحابہ کے حالات ہیں، اولیاء اور اسلاف کی سوانح ہیں، دین کے کچھ تقاضے ہیں۔ ہم انگریز کی نقالی کے شوق میں ان سب سے بغاوت نہیں کرسکتے۔ ہمیں تشبہ بالکفار کی وعیدوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اگر انگریز جیسی شکل و صورت میں ہمارا انتقال ہوجائے تو ہم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ داڑھی کا مذاق اڑانا تو کجا خود داڑھی رکھنے کا عزم کریں۔ داڑھی کا مذاق اڑانے سے آپ کو فائدہ کے بجائے اُلٹا نقصان ہوگا۔ بقول حضرت اکبر ؎

ہم نے واعظ کی خوب داڑھی نوچی   یہ بات مگر اپنے دل میں نہ سوچی
مذہب کو شکست دے کے کیا پائیں گے   آخر کو رہیں گے موچی کے موچی

علماء کا اختلاف | مسٹر حضرات کا دوسرا بڑا اعتراض مولویوں پر یہ ہے کہ ان کا آپس میں اتفاق نہیں ہے اور واقعی یہ ایک ایسا سوال ہے جس نے کئی مخلص لوگوں کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ علماء میں باہم سخت اختلاف ہے۔ کوئی ایک بات کو حرام کہتا ہے تو دوسرا اس کو جائز کہتا ہے، کوئی ایک بات کو سنت کہتا ہے تو دوسرا اس کو بدعت کہتا ہے۔ اب کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں۔ یا تو سب پر عمل کریں یہ تو غیر ممکن ہے یا ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں تو ترجیح کی وجہ کیا ہے؟ لہٰذا بعض نے تو یہ فیصلہ کیا کہ سب کو چھوڑ دو۔

دوستو! مجھے اس فیصلہ کی شکایت تو نہیں مگر رونا اس کا ہے کہ جب یہی صورتِ اختلاف فنونِ دنیا کے ماہرین میں پیش آئی تو وہاں آپ نے یہ فیصلہ کیوں نہ کیا۔ وہاں کسی ایک کو ترجیح دے کر کیوں پکڑا۔ یعنی بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی مریض کے علاج میں اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے مختلف ہوتی ہے کوئی مرض کی تشخیص کچھ کرتا ہے، کوئی کچھ کرتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کو صحیح بتلاتا اور دوسرے کی رائے پر عمل کرنے کو مریض کے لئے مہلک بتلاتا ہے وہاں آپ نے سب حکیموں کو کیوں نہیں چھوڑا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ افسوس اطباء میں اتفاق ہی نہیں! اب ہم کس کا علاج کریں۔ بس جاؤ مریض کو مرنے دو ہم کسی کا بھی علاج نہیں کرتے، وہاں آپ کسی ایک حکیم کو ترجیح دے کر اس کا علاج کیوں کرتے ہیں؟

علیٰ ہٰذا القیاس اپنے وکلاء کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیوں نہیں کیا گیا جو علماء کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کیا وکلاء میں باہم اختلاف نہیں ہوتا؟ یقیناً ہوتا ہے پھر وہاں ایک وکیل کو دوسرے پر کیوں ترجیح دی جاتی ہے؟ اور سب کو کیوں نہیں چھوڑا جاتا؟ اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے۔

اس کا جواب بھی میں ہی دیتا ہوں۔ جو ایک گہری اور باریک بات ہے وہ یہ کہ دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں ایک وہ جن کو ضروری سمجھا جاتا ہے، دوسری وہ جن کو ضروری نہیں سمجھا جاتا جن باتوں کو تو ضروری سمجھا جاتا ہے ان کو کسی اختلاف کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا بلکہ وہاں آدمی اپنی عقل سے تدبیر سوچتا ہے اور باوجود اختلاف کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے لیتا ہے اور جن باتوں کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے ان کو اختلاف وغیرہ کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے وہاں تدبیر و تامل سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی مشقت گوارا نہیں کی جاتی۔ یہ قاعدہ ہے طبیعتِ انسانیہ کا۔ اسی کے موافق یہاں عمل کیا گیا ہے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں جان اور ایمان۔

جان چونکہ عزیز ہے اس لئے اس کی صحت وحفاظت کے اسباب میں اختلاف ہونے سے سب کو ترک نہیں کیا جاتا بلکہ وہاں یہ قاعدہ نکالا جاتا ہے کہ اہل کمال میں تو اختلاف ہوا ہی کرتا ہے۔ اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ہم اپنی عقل سے اور اپنے خیر خواہوں سے دریافت کریں گے کہ ان سب حکیموں اور ڈاکٹروں میں کون سب سے زیادہ حاذق وماہر ہے پھر اسی کا طریقۂ علاج اختیار کریں گے۔ اور ایمان چونکہ عزیز نہیں اس لئے علماء کے اختلاف میں عقل سے کام لینا اور غور و تامل کی محنت برداشت کرنا گوارا نہیں اگر آپ ایمان کو بھی عزیز سمجھتے تو علماء میں بھی اسی طرح انتخاب کرتے جس طرح حکماء میں کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس آپ کو ایمان عزیز نہیں اس لئے سب کو صاف چھوڑ دیا۔

بہانہ بعض لوگوں نے بے عملی کے لئے علماء کے اختلاف کو بہانہ بنا لیا ہے یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ فلاں مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے لہذا ہم ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں کرتے یہ تو ایسے ہی ہو گیا جیسے کوئی شخص کہے کہ چونکہ فلاں بیماری کی تشخیص اور اس کے علاج کے بارے میں ڈاکٹروں کے مختلف قول ہیں لہذا جب تک ڈاکٹروں کا اتفاق نہیں ہو جاتا میں علاج ہی نہیں کراؤں گا۔

میں ان لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ اُن تمام مسائل پر عمل کرتے ہیں جن پر علماء کا اختلاف ہے ؟

کیا شراب اور زنا کی حرمت کے بارے میں علماء کا اتفاق نہیں ؟
کیا جھوٹ، غیبت اور بہتان کے حرام ہونے کے بارے میں اتفاق نہیں؟
کیا سود اور رشوت کے عدمِ جواز پر اتفاق نہیں ؟
کیا غصب و نہب اور ظلم و ستم کی شناعت کے بارے میں اتفاق نہیں ؟
کیا موسیقی اور رقص و سرود کی قباحت کے بارے میں اتفاق نہیں ؟

مگر کتنے مسلمان ہیں جو ان قبیح ترین برائیوں سے بچتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف بہانہ ہے اور اگر یہ بہانہ دور بھی کر دیا جائے تو بے کار لوگ بے عملی کے لئے کوئی دوسرا بہانہ تلاش کر لیں گے۔

پردہ مسٹر حضرات کا ایک تیسرا اعتراض مولویوں پر یہ ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں یہ عورتوں کو پردہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں انہیں باہر نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ ملک کی ترقی میں حصہ نہیں لینے دیتے۔ جدت پسند حضرات کا خیال یہ ہے کہ پردہ ترقی کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اگر اس رکاوٹ کو دور کر دیا جائے تو ہمارا ملک بڑی تیزی سے ترقی کر سکتا ہے۔ غربت دور ہو سکتی ہے، علم عام ہو سکتا ہے، معاشرتی زندگی صحیح رُخ پر آسکتی ہے، ظلم ختم ہو سکتا ہے ہم دنیا کے دوش بدوش چل سکتے ہیں، ہمارے کارخانوں اور فیکٹریوں کی پیداوار بڑھ سکتی ہے۔

لیکن حضرات! میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ پردے کا حکم کس نے دیا ہے۔ کیا یہ حکم کسی مولوی نے دیا ہے یا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ قرآن اٹھایئے سورۃ نور پڑھیئے، سورۃ الاحزاب پڑھیئے، احادیث رسول کا مطالعہ کیجئے۔ بخاری شریف دیکھئے، مسلم شریف دیکھئے، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مؤطا مالک مؤطا محمد، مشکوٰۃ، سنن بیہقی، سنن دارمی دیکھئے، حدیث کی ایک ایک کتاب دیکھئے اور بتایئے کہ پردے کا حکم کس نے دیا ہے۔ آپ جب انتہائی دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ پردہ ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اللہ اور رسولؐ نے ہماری ترقی کے راستے میں روڑے اٹکا دیئے ہیں۔ اگر واقعی ہماری یہی سوچ ہے تو پھر ہمیں ایسے اللہ اور رسول کو ماننا ہی نہیں چاہیئے

جنہوں نے معاذ اللہ ہماری ترقی کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے ہم پر ظلم کیا ہے
اگر آپ نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ یقیناً اس بات کو تسلیم کریں گے کہ اسلامی
تاریخ کا وہ معاشرہ جس میں پردے کا رواج تھا، جس میں عورت کا اصل مقام
اس کے گھر کو سمجھا جاتا تھا، جس میں عورت کی عزت عورت ہونے کی وجہ سے کیجاتی تھی
جس میں عورت کی عفت و ناموس ایک قیمتی شے سمجھی جاتی تھی، جس معاشرے میں
عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہونے کے ناطے محترم ہستی تصور کیا جاتا تھا
اس معاشرے نے اس ترقی کے ریکارڈ قائم کئے جسے آپ ترقی سمجھتے ہیں اس معاشرے
میں اولیاء، حکماء علماء پیدا ہوئے۔ محدثین، مفسرین اور مصنفین نے جنم
لیا، بڑے بڑے فاتحین اور کشورکشاؤں نے متکبر اور سرکش گردنوں کو
اللہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا اور بحر و بر میں اسلامی فتوحات کے
جھنڈے گاڑ دیئے اس معاشرے میں عدیم المثال اطباء، محققین اور
سائنسدانوں نے اپنی تحقیقات سے زمانے کو حیرت و استعجاب کی تصویر بنا دیا۔
پردہ ان کی تحقیقات اور فتوحات کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنا بلکہ ان کے لئے
معاون ثابت ہوا جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ جب سے پردہ ختم ہوا ہے مسلمانوں
کی علمی، عملی اور تحقیقی ترقیات کا راستہ بھی رک گیا ہے۔

یہ بات بھی بالکل غلط ہے کہ عورتوں کی علمی ترقی پردے کی وجہ سے رکی ہوئی
ہے ورنہ ایسی اقوام کی عورتوں کی علمی ترقی خوب ہونی چاہئے تھی جو پردے سے
کوسوں دور ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ ہونے میں پردہ یا بے
پردگی کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں بڑا دخل توجہ کو ہے۔ اگر کسی قوم کی عورتوں
کی تعلیم پر توجہ ہو تو وہ پردے میں بھی تعلیم دے سکتے ہیں ورنہ بے پردگی میں

بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غور کیا جائے تو پردہ میں تعلیم زیادہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تعلیم کے لئے یکسوئی اور اجتماعِ خیال کی ضرورت ہے اور وہ گوشۂ تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے مرد بھی مطالعہ کے لئے گوشۂ تنہائی تلاش کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ طلباء کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ پس عورتوں کا پردہ میں رہنا ان کے لئے مفید ہے نہ کہ مضر۔ نہ معلوم لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ پردہ کو تعلیم کے منافی سمجھتے ہیں ؟

آپ عورتوں کے ذریعہ اپنی فیکٹریوں اور کارخانوں کی پیداوار بڑھانا چاہتے ہیں تو مولوی اس سے بھی آپ کو منع نہیں کرتا لیکن حدودِ شریعت کا لحاظ اور پاس رکھنا ضروری ہے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ایسی انڈسٹریز لگائی جائیں جہاں اوپر سے نیچے تک سارا عملہ خواتین پر مشتمل ہو۔ مگر معاف فرمایئے گا ہمارے ہاں جو بے حیائی اور بے پردگی کی ہوا چل رہی ہے اس سے صاف نظر آتا ہے کہ مقصد عورت کی فلاح و بہبود نہیں ہے بلکہ اس سے غرض نفسانی خواہشات کی پیروی اور غلیظ سوسائٹیوں کی اتباع ہے ترقی کا توصرف لیبل لگا رکھا ہے۔ اس ترقی کے لیبل نے ہمیں دین سے دور کر دیا، ہمیں عفت و پاکدامنی سے محروم کر دیا، ہمیں غیرت و حیا سے فارغ کر دیا، نہ مردوں کو اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کا احساس ہے نہ عورتوں کو ؎

ترقی کی نئی راہیں جو زیرِ آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیویاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یادِ خدا آتی نہیں ان کو
دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹ سے عرضیاں نکلیں

آخری بات | اگرچہ مولویوں پر مسٹروں کے اور بھی اعتراضات ہیں

مگر میں نے ان میں سے صرف چند بڑے بڑے اعتراضات ذکر کئے ہیں ۔
وقت بہت مختصر ہے اب میں آخری بات کہہ کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں ۔
کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس ملک کی ترقی کے لئے مولویوں کی بھی ضرورت ہے اور مسٹروں کی بھی ضرورت ہے ۔ مسٹروں سے میری مراد وہ مسٹر نہیں جو دین اور دین داروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انہیں مولویوں سے ایسی ضد ہو گئی ہے کہ ان کا حال کچھ یوں ہو گیا ہے ۔

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے　　میں لیٹا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے
نہیں اُن کو کچھ شرم لاحول قوم　　یہ مسٹر تو چکنے گھڑے ہو گئے ۔

بلکہ وہ مسٹر مراد ہیں جو دینی سوچ رکھتے ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کی فلاح و بہبود کا جذبہ رکھتے ہیں خواہ وہ انجنیئر ہوں یا پروفیسر ہوں یا سائنس داں ہوں یا ڈاکٹر ہوں یا کسی اور شعبے سے منسلک ہوں

اسی طرح مولویوں سے بھی میری مراد تمام مولوی نہیں ہیں ، خواہ وہ دین فروش ہوں ، کاسہ لیس ہوں ، نفس کے پجاری ہوں بلکہ وہ مولوی مراد ہیں جو مولویت کے عظیم منصب کی نزاکتوں کو سمجھتے ہیں ۔ تو اگر مسٹر اور مولوی مل جائیں اور مسلمانوں اور عالم اسلام اور اس ملکِ عزیز کی ترقی کا عزم مصمم کر لیں تو حالات کی کایا پلٹ سکتی ہے ۔

خدارا کہیں یہ نہ سمجھئے گا کہ ہم ہر اس شخص سے نفرت کرتے ہیں جس نے انگریزی تعلیم حاصل کی ہے کیونکہ یہ کوئی گناہ نہیں ، کوئی جرم نہیں ، بلکہ یہ علوم تو مسلمان کا ورثہ ہیں جہاں سے ملیں انہیں حاصل کرنا چاہیئے ۔
آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے اپنی زندگی کے آخری دور میں علیگڑھ کے اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا " اے نونہالان

وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور چند مخلص احباب نے ایک قدم علیگڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علیگڑھ کا رشتہ جوڑا۔

میں حضرت شیخ الہند کی اتباع کرتے ہوئے دست بستہ عرض کرونگا کہ اے انگریزی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانو! اور یورپ سے ڈگریاں حاصل کرنے والے ساتھیو آیئے ہم قرآن و سنّت کو مرکز بناکر توحیدِ باری تعالیٰ کو مجمع البحرین بناکر محبت رسولؐ کو محور بناکر دین کی اشاعت اور اتباع کو اپنا مقصد بناکر مسٹر اور ملا کی آویزش ختم کرڈالیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

جمعۃ المبارک

ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی
افسوس کہ جمعہ[1] سے کوئی واقف بھی نہیں ہے
گرجا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود
مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں

[1] بتغیر

" شرم کی بات تو یہ ہے کہ فلموں اور ڈراموں کا افتتاح بھی جمعہ کے دن ہوتا ہے، بڑے دھڑلے سے اخبارات میں اشتہارات دیئے جاتے ہیں کہ جمعہ کے مبارک دن سے فلاں فلم اور فلاں سٹیج ڈرامے کا افتتاح ہوگا پھر ہاکی اور کرکٹ وغیرہ کے میچ بھی جمعہ کے دن ہوتے ہیں لوگ سارا سارا دن ریڈیو سے کمنٹری سنتے رہتے ہیں یا ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔ کیا جوان اور کیا بوڑھے اور بچے، کیا مرد کیا عورتیں۔ سب ٹی وی کے سامنے جم کر بیٹھ جاتے ہیں اور ہلنے کا نام نہیں لیتے۔ حیرت ہے کہ پاؤں قبر میں ہیں مگر جمعہ چھوڑ کر فلمیں دیکھتے رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہماری منگنیاں ہوتی ہیں تو جمعہ کے دن، شادیاں ہوتی ہیں تو جمعہ کے دن، دیگر تقریبات ہوتی ہیں تو جمعہ کے دن، مقامی کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں تو جمعہ کے دن، پکنک پر جانے کے پروگرام بنتے ہیں تو جمعہ کے دن، سب ہی کام جمعہ کے دن ہوتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جمعہ کے دن جن لوگوں نے تعطیل منظور کروائی تھی اگر ان کو علم ہوتا کہ ہماری قوم تعطیل کی وجہ سے جمعہ کا یہ حشر کرے گی تو شاید وہ جمعہ کی تعطیل کا ہرگز مطالبہ نہ کرتے۔ افسوس تو یہ ہے کہ عیسائی اتوار کے دن گرجا گھر میں اور یہودی ہفتہ کے روز اپنے عبادت خانہ میں حاضری کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن مسلمان کو جمعہ کے دن کی اہمیت کا احساس نہیں ہے۔

بنی اسرائیل نے یوم السبت کی بے حرمتی کی تو ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں آج جو لوگ جمعہ کی بے حرمتی کا ارتکاب کر رہے ہیں ان کی روحیں مسخ ہو چکی ہیں"

جمعۃ المبارک

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم سمجھو۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ اُدْخِلَ الْجَنَّۃَ وَفِیْہِ اُخْرِجَ مِنْھَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں کا جن میں سورج طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا (ان کی تخلیق مکمل ہوئی) اور اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انہیں وہاں سے نکالا

الْجُمُعَةِ۔ | گیا اور قیامت بھی جمعہ کے دن قائم ہوگی۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَلٰی اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَیَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَیَكُوْنَنَّ مِنَ الْغَافِلِیْنَ ۝

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منبر کی لکڑی (سیڑھیوں) پر فرماتے سُنا کہ لوگ جمعہ کی نماز چھوڑنے سے باز رہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مُہر لگادیں گے اور ان کا شمار بھی غافلین میں ہونے لگے گا۔

میرے بزرگو اور دوستو! ربِ کریم نے اپنی مخلوق میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور بات یہ ہے کہ وہ فضیلتوں اور عظمتوں کا مالک ہے وہ رحمتیں اور برکتیں تقسیم کرنے والا ہے وہ جس چیز پر اپنے فضل و کرم کی نظر ڈال دے اس کے مقامات بلند ہوجاتے ہیں اور جس چیز پر وہ اپنے غضب کی نظر ڈال دے اس کی پستی اور نکبت کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا اس نے عرب کی بے آب و گیاہ وادی کا انتخاب کیا تو وہاں سید البلاد وجود میں آگیا اس نے آذر جیسے بُت پرست اور بُت فروش کی صلب پر نظر کی تو خلیل اللہ تولد ہوگئے۔

اُسی اللہ نے چار فرشتوں یعنی جبرائیلؑ، اسرافیلؑ، میکائیلؑ اور عزرائیلؑ کو تمام فرشتوں پر فضیلت دی۔

اُسی نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر فضیلت دی۔

اُسی نے چار مہینوں یعنی رجب، شعبان، رمضان اور محرم کو تمام مہینوں پر فضیلت دی۔

اُسی نے حضرت ابوبکرؓ ، حضرت عمرؓ ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو تمام صحابہؓ پر فضیلت دی۔

اُسی نے امام ابوحنیفہؒ ، امام مالکؒ ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کو تمام ائمہ پر فضیلت دی۔

اُسی نے چار راتوں یعنی شبِ قدر ، شبِ برات ، شبِ جمعہ اور شبِ عید کو تمام راتوں پر فضیلت دی۔

اُسی نے چار دنوں یومِ عرفہ ، یوم الاضحیٰ ، یوم الفطر اور یوم الجمعہ کو تمام دنوں پر فضیلت عطا کی۔

پھر ان میں آپس میں بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔

افضل الایام جیسے جبرئیل علیہ السلام کو تمام ملائکہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر ، قرآن کو تمام کتابوں پر اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام صحابہؓ پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح جمعہ کو بھی بقیہ ایام پر فضیلت و عظمت حاصل ہے اور بجا طور پر جمعہ کو افضل الایام اور سید الایام کہا جا سکتا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جیسے اس اُمت کے رسولؐ تمام رسولوں اور انبیاء سے افضل ہیں جیسے وہ کتاب جو اس اُمت کو عطا کی گئی وہ تمام کتابوں سے افضل ہے وہ دین جو اس امت کو دیا گیا وہ تمام ادیان سے افضل ہے جیسے وہ عبادت جس کا حکم اس امت کو دیا گیا ہے وہ تمام عبادات سے افضل ہے اور جیسے خود یہ اُمت تمام اُمتوں سے افضل ہے اسی طرح اس کے لئے ہفتے میں عبادت کا جو دن مخصوص کیا گیا وہ تمام دنوں سے افضل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازل سے طے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اقوام کا امتحان لیا۔ یہود سے کہا کہ تم عبادت کے لئے ایک دن متعین کر دو،

جو ہمارے علم میں متعین ہے انہوں نے یوم السبت مقرر کیا یعنی کہ ہفتہ کے دن بجز اطاعت وعبادت کے کوئی کام نہ کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہودیوں سے فرمایا، اے یہود یوم السبت کا احترام کیا کرو جب دعویٰ کرتے ہو کہ وہ مقدس ہے تو اس کی تقدیس کرو۔

نصاریٰ سے کہا گیا کہ تم بھی ایک دن منتخب کرلو۔ وہ ہمارے علم میں طے شدہ ہے دیکھتے ہیں کہ تم اس تک پہنچتے ہو یا نہیں؟

نصاریٰ نے اتوار کا دن عبادت کے لئے تجویز کیا۔ اسی میں ان کے لئے عبادت فرض کردی گئی۔

مسلمانوں سے کہا گیا تم بھی ایک دن منتخب کرلو تو ہمارے پیغمبر (فداہ روحی وابی وامی) نے جمعہ کا دن منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی ہمارے علم میں ازل سے عبادت کے لئے طے شدہ تھا۔ یہود اور نصاریٰ نے اس کے طے کرنے میں غلطی کی۔ تو اس وقت کو وحیِ خداوندی سے مناسبت دی گئی۔ اب پوری اُمت اپنے پیغمبر کے قائم مقام ہے۔ جو اللہ کے علم میں طے تھا وہی طے پا گیا۔

شانِ جامعیت | تو چونکہ جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے طے کیا گیا اس لئے یہ یقیناً سیدالایام بننے کا مستحق ہے۔ اس کی فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جتنے بھی بڑے بڑے امور ہیں وہ اسی دن ظاہر ہوئے آپ غور کریں جمعہ کے نام ہی میں جامعیت کی شان پائی جاتی ہے جتنی بھی منتشر اور بکھری ہوئی چیزیں تھیں وہ اسی دن میں جمع کی گئیں آدم علیہ السلام کی مٹی جو پوری زمین سے لی گئی وہ جمعہ کے دن ہی جمع کی گئی، اور ان کا پتلا بنایا گیا۔

حدیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام جس دن جنت میں داخل کئے گئے۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ جنت سے زمین پر لائے گئے وہ بھی جمعہ کا دن تھا صحف آدمؑ آسمانوں سے اتارے گئے وہ بھی جمعہ کا دن تھا۔ جیسے قرآن کریم میں تفسیر بتلائی گئی ہے اور احادیث میں زیادہ شرح ہے کہ چھ دن میں اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو تیار کیا اور اس کے چھ دن تمہارے چھ ہزار سال کے برابر ہیں۔

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ٥ — ایک دن تیرے رب کے ہاں تمہارے شمار کردہ ہزار سالوں کے برابر ہے۔

تو چھ ہزار سال میں کائنات تیار ہوئی۔ گویا اتوار سے بننی شروع ہوئی اور جمعہ پر ختم ہوئی۔ اس میں زمین بنائی گئی، پھر آسمان بنائے گئے پھر زمین میں قوتیں رکھ دی گئیں، پھر جمادات و نباتات پیدا کئے گئے، پھر آسمانوں میں ستارے پیدا کئے گئے جب ساری کائنات بن کر تیار ہوگئی تو جمعہ کی آخری ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ یہ زمین کا فرش بچھایا گیا آسمان کا خیمہ تانا گیا چاند اور ستارے لٹکائے گئے دریا جاری کئے گئے غذائیں جمع کی گئیں یہ کس کے لئے تھیں؟

وَاِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ۔ — بے شک دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔

ساری دنیا انسان کے لئے بنائی گئی انسان معبود کے لئے بنایا گیا۔ آپ جب کسی مہمان کو بلاتے ہیں تو پہلے کوٹھی منتخب کرتے ہیں وہاں مہمانداری کا سامان کرتے ہیں، کھانے کا، پینے کا، رہائش کا، جب سب کچھ مہیا ہوتا ہے تب کہتے ہیں کہ تشریف لایئے تو مہمان آتا ہے ساری چیزیں اس کے استعمال میں آتی ہیں تو آدم علیہ السلام پوری کائنات کے مہمان ہیں ان کو لانے سے پہلے ساری

مکمل کردی گئی، زمین کو فرش بنادیا گیا، آسمان کو چھت بنادیا گیا، سورج اور چاند کے چراغ لٹکائے گئے تاکہ روشنی ہو اور پھر عجیب طریقے سے زمین کو گودام بنادیا، اس میں سے غذائیں نکل رہی ہیں۔ زمین کو واٹر ورکس بنادیا جس میں سے پانی نکل رہا ہے۔ ایک صندوق بنادیا جس میں سے لباس بھی نکلتے چلے آرہے ہیں تو زمین ساری ضروریات کا ذخیرہ ہے۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت کا بھی۔ اسی سے آدمی پیدا ہوتا ہے اور اسی میں کھپ جاتا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى ○ — اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی میں سے دوسری مرتبہ تمہیں نکالیں گے۔

تو زمین ہماری قرارگاہ بھی ہے، ہماری موت گاہ بھی ہے ہماری دنیا بھی ہے ہمارا برزخ بھی ہے۔ ساری چیزیں جمع کردی گئیں۔ اس کے بعد آخر میں آدم علیہ السلام لائے گئے، تو جمعہ کا دن تھا۔ آخری ساعت تھی جس میں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔

اسی لئے فرمایا گیا کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے وہ اگر کسی پر گذر جائے اس میں جو دعا مانگے وہ یقیناً قبول ہوتی ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ یہی وہ ساعت ہے جس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آئی تو جتنے بڑے بڑے امور ہیں سب اسی دن واقعہ ہوئے ہیں۔ آدمؑ کی پیدائش، آدمؑ کی مٹی کا جمع ہونا۔ آدمؑ کو دنیا میں اتارنا تو اس دن کو آدمی سے ایک خاص نسبت ہے اور ایام بھی انسانوں کے لئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن میں جامعیت کا ایک مادہ موجود ہے وہ ...علیہ السلام کی بکھری ہوئی مٹی یوم جمعہ میں جمع کی گئی جو کمالات چھپے

ہوئے تھے وہ جمع ہو کر جمعہ کے دن نمایاں ہوئے۔ قیامت ہوگی تو کھربوں اربوں انسان زمینوں میں چھپے پڑے ہوئے ہوں گے لیکن اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ جمعہ کا دن انہیں جمع کر دے گا۔ غرض اس میں جامعیت کی شان ہے۔

اجتماعیت | جامعیت کے ساتھ جمعہ میں اجتماعیت کی شان بھی پائی جاتی ہے اور اگر آپ دوسرے اسلامی احکام اور عبادات میں غور فرمائیں تو آپ کو ان میں بھی قدم قدم پر اجتماعیت نظر آئے گی۔

حج ہی کو دیکھ لیجئے جو اجتماعیت، عالمی مساوات اور اُخوّت اسلامی کا فقید المثال مظہر ہے اس میں اجتماعیت کی شان دوبالا کرنے اور یکسانیت کے لئے یہ حکم بھی دیا گیا کہ یہاں آنے والے افراد کا لباس بھی ایک ہو وضع بھی ایک اور افعال بھی سب ایک اور یکساں ہوں، امیر و غریب، بادشاہ و گدا، خواص و عوام، عالم و جاہل۔ نیک و بد۔ صالح و طالح، متقی اور فاسق، ایک ہی لباس میں، ایک ہی کفن میں۔ ننگے سر، ننگے پاؤں یکساں فقیرانہ انداز سے اس بیت کریم کے ارد گرد جمع ہوں، احرام بندھا ہوا ہو اور ایک وضع اور ایک رخ ہو کر اس بیت کریم کے ارد گرد پروانوں کی طرح چکر کھائیں، طواف کریں، اور اس پر جاں نثاری کا ثبوت دیں۔

عرفات کے میدان میں بھی اسی ایک وضع میں خاک بسر ہو کر اپنے رب کے سامنے گڑگڑائیں، فریاد کریں، مزدلفہ اور منیٰ میں بھی ایک ہی انداز سے گریہ وزاری میں محو اور مست ہوں، صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان بھی اسی ایک اندازِ گرویدگی اور محویت سے عاشقانہ اور والہانہ دوڑ لگائیں۔ ایک قافلہ، دوسرے قافلے کو دیکھے تو بجائے کسی دنیوی یا معاشرتی نعرہ کے

"لبّیک لبّیک" کا نعرہ بلند کرے تاکہ باہمی یکسانی کے ساتھ ان کی بندگی میں بھی یکسانی رہے اور ایک ہی متواضعانہ اور سروفروشانہ انداز سے ایک دوسرے کے سامنے آئیں خواہ وہ حکمران ملک اور سربراہان ریاست ہوں، یا عوام الناس اور پبلک میں ہوں ظاہر ہے کہ جب اس طرح لاکھوں انسانوں کی ایک ہی فقیرانہ وردی، ایک ہی سب کی نقل وحرکت، ایک ہی عمل، ایک ہی مرکز اور ایک ہی رُخ ہوگا۔ کیسے ممکن ہے کہ اس مساویانہ انداز میں ہوکر ان میں اونچ نیچ کا کوئی تصور بھی باقی نہ رہے گا دنیا کی کوئی قوم اجتماعیت، ظاہر و باطن کی ہمواری اور مساوات کا ایسا نمونہ دکھا سکتی ہے؟

ظاہر و باطن کی یکسانی پھر اس کے ساتھ سب کی پارسائی اور زہد وقناعت کا یہ عالم کہ گھر بار چھوڑے زر ومال بقدر ضرورت ہی لئے ہوئے نہ رسمی عزت وجاہ کا تصور، نہ کسی کو کسی پر بڑائی کا زعم، نہ کسی میں اونچ نیچ کا دم، نہ کسی کی زبان پر کوئی فحش و بے حیائی کا کلمہ، نہ آپس میں جھگڑا اور نزاع نہ جدال وقتال۔ بلکہ قلبی طور پر ایک دوسرے ساتھ گرویدگی، خدمت باہمی کا جذبہ، ایثار و قربانی کا ہمہ وقت تصور اور ہر ایک میں بجائے ہیچ ہونے کے غناء و توکل کا جذبہ، رسمی کروفر اور ٹھاٹھ باٹھ سے کوسوں دور سادگی اور بے تکلفی سے مخمور، اسی ایک کی محبت میں چُور چُور، اُسی کو پکارنا اسی ایک سے مانگنا۔ اور اسی ایک کے آگے جھکنا۔ جو سب کا ایک ہی مرکز حقیقی، اصل وجود اور خالق و مالک ہے۔ اور اسی ایک کے بین الاقوامی گھر کے ارد گرد گھومنا جو سب کا مرکز ظہور سب کی مادی اصل اور سب کے لئے مرکز کشش ہے۔

دنیا کی کسی بھی سوسائٹی میں کسی بھی قوم میں۔ کسی بھی مذہب میں

آپ کو ظاہر و باطن کی یہ یکسانی اور اجتماعیت کی جھلک بھی دکھائی نہیں دے گی، نماز بھی اجتماعیت ہی کا مظہر ہے، نماز کے لیے حکم یہ ہے کہ اسے جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے انفرادی نماز اور اجتماعی نماز میں ستائیس درجوں کا فرق ہے پھر جس مسجد میں جتنا بڑا اجتماع ہوگا اتنا زیادہ ثواب ہوگا۔

جماعت کے ساتھ نماز کی صورت میں غریب و امیر، شاہ و فقیر، عالم اور جاہل۔ دیہاتی و شہری، سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہر قسم کے طبقاتی، جماعتی اور خاندانی امتیازات مٹ جاتے ہیں۔

عیدین کے اجتماعات بھی اجتماعیت ہی کی شان کو دوبالا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ میں بھی اجتماعیت کی روح کارفرما ہے صاحب ثروت مسلمانوں کو حکم ہے کہ اپنے غریب بھائیوں کا بھی خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ تم تو زیادہ کھالینے کی وجہ سے بدہضمی کا شکار ہو جاؤ اور تمہارے دوسرے مسلمان بھائی بھوک سے بستر پر کروٹیں بدلتے رہیں۔

عیدین میں بھی ایسا انتظام کیا گیا کہ ہر مسلمان خوشیوں میں شریک ہو عیدالاضحیٰ میں تو گوشت کا اتنا وافر انتظام کیا گیا کہ ہر کوئی پیٹ بھر کر کھا سکے اور عیدالفطر میں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ کسی کا چولہا بجھا نہ رہے۔

روزوں میں بھی اجتماعیت ہے پورا دن ہر امیر اور غریب بھوکا پیاسا رہتا ہے ایسا نہیں کہ غریب روزے رکھیں اور امیر پیسے دے کر چھوٹ جائیں اور پھر ایک ہی وقت میں سب افطار کرانے کی اس قدر فضیلت بیان فرمادی کہ یہ بات ناممکن ہوگئی کہ کوئی مسلمان غربت کی وجہ سے افطار نہ کرسکے۔

جہاد بھی اجتماعیت کی شان و شوکت کا مظہر ہے غرضیکہ اسلام نے انفرادیت سے زیادہ اجتماعیت کو اہمیت دی ہے قطروں سے زیادہ دریا کو اہمیت دی ہے پھولوں سے زیادہ گلدستہ کو اہمیت دی ہے۔
نماز کی جماعت کی صورت میں چھوٹے محلّے والوں کا اجتماع ہوتا ہے جمعہ کی صورت میں بڑے بڑے محلّوں کے مسلمانوں کا ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے۔ عیدین کی صورت میں شہری سطح پر اجتماع ہوتا ہے اور حج کی صورت میں انٹرنیشنل اجتماع ہوتا ہے۔

لازمی حاضری پھر یہ بات بھی نہیں ہے کہ جمعہ کی صورت میں ہفتہ واری اجتماع میں حاضری اختیاری ہو بلکہ اس میں حاضری اور شرکت لازمی ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی نفسیات پر گہری نظر تھی اس لئے آپؐ نے جمعہ کی اہمیت کو ترغیب سے بھی سمجھایا ہے اور ترہیب سے بھی، کیونکہ انسان کو کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے یہ دونوں طریقے موثر ہوتے ہیں ترغیب کی بھی ضرورت ہے اور ترہیب کی بھی۔ اگر صرف ترغیب ہی ترغیب ہو تو انسان اتنا پر امید ہو جائے گا کہ کسی درست عمل کی اہمیت اس کے دل سے نکل جائے گی اور اگر صرف ترہیب ہی ترہیب ہو تو اس پر ایسا خوف مسلّط ہو جائے گا جو اسے مایوسی اور نا امیدی تک پہنچا دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰی اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منبر کی لکڑی (سیڑھیوں) پر فرماتے سنا کہ لوگ جمعہ کی نماز چھوڑنے سے

الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنَنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ٥

باز رہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مُہر لگا دیں گے اور ان کا شمار بھی غافلین میں ہونے لگے گا۔

جس کے دل پر مہر لگ جائے پھر اس کے دل میں کوئی چیز اثر نہیں کرتی وہ اللہ کا کلام سنتا ہے مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنتا ہے مگر ٹس سے مس نہیں ہوتا وہ بزرگوں کے واقعات سُنتا ہے مگر اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی بشارت کی باتوں سے اس کے دل میں عمل کی امنگ پیدا نہیں ہوتی اور انذار کی باتوں سے اس کے دل میں خوف پیدا نہیں ہوتا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدترین سزا ہے اسے معمولی سزا مت سمجھئے، مال کا نقصان، بچوں کا نقصان، جسمانی بیماری وغیرہ یہ تو معمولی سزائیں ہیں یہ چیزیں دوبارہ مل سکتی ہیں لیکن جس بدبخت کے دل پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مُہر لگ جائے اور ہدایت کے تمام راستے بند ہو جائیں اسے سب سے بڑی سزا ملی ہے چاہے وہ سمجھے یا نہ سمجھے۔

بہترین اور بدترین جس شخص کا دل قبولِ ہدایت کی صلاحیت رکھتا ہو وہ انتہائی خوش قسمت انسان ہے اور جس شخص پر شقاوت اتنی غالب آجائے کہ دل میں قبولِ ہدایت کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے وہ انتہائی بدقسمت انسان ہے میرے دوستو! یہی دل بہترین بھی ہوتا ہے اور بدترین بھی ہوتا ہے یہ بہترین ہو تو انسان کو بہترین بنا دیتا ہے اور یہ بدترین ہو تو انسان کو بدترین بنا دیتا ہے۔

حضرت لقمان ایک زمانے میں غلام تھے۔ آقا نے حکم دیا بکری ذبح کرو اور اس کے گوشت میں سے بہترین چیز پکا کر ہمارے لئے لے آؤ۔ آپ نے

بکری ذبح کی اور دل اور زبان پکا کرلے آئے اور فرمایا ان دونوں سے بہتر کوئی چیز نہیں چند روز کے بعد آپ نے فرمائش کی کہ بکری ذبح کر کے اس کی بدترین چیز پکا کر ہمیں کھلاؤ آپ بکری ذبح کر کے دل اور زبان لے آئے۔ آقا نے تعجب سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ دونوں اگر درست ہیں تو بہترین ہیں اور اگر بگڑ جائیں تو بدترین بھی یہی ہیں۔

اور یہ بھی یاد رکھیں جب دل پر مہر لگ گئی غافلین میں شمار ہو گیا یادِ الٰہی سے محرومی ہو گئی تو اب زندگی کس کام کی؟ جس دل میں یادِ الٰہی نہ ہو وہ دل کس کام کا؟ دل تو ہے ہی یادِ الٰہی بسانے کے لئے۔ اگر دل میں دنیا جہان کے پراگندہ خیالات ہوں لیکن یادِ الٰہی نہ ہو تو پھر موت بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ایک جگہ سے گزر رہے تھے ایک لڑکے پر نظر پڑی جس کے چہرے بشرے سے ذہانت ہویدا تھی آپ نے پوچھا بیٹا! کچھ پڑھا بھی ہے یا یوں ہی اپنا وقت اور عمر برباد کر رہے ہو، اس نے کہا کچھ زیادہ تو نہیں پڑھا چار باتیں سیکھی ہیں آپ نے پوچھا کونسی؟ کہنے لگا مجھے سر کا علم، کانوں کا علم، زبان کا علم اور دل کا علم حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے بھی تو کچھ بتاؤ، اس نے کہا سر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکانے کے لئے ہے کان اس کا کلام سننے کے لئے۔ زبان اس کا ذکر کرنے کے لئے اور دل اسکی یاد بسانے کے لئے۔ حضرت ابن مبارک اس کے حکمت آمیز کلام سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس سے نصیحت کے لئے کہا۔ اس لڑکے نے کہا آپ مجھے شکل و صورت سے عالم معلوم ہوتے ہیں اگر علم اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے امید نہ رکھنا۔

دل اور سر ' دل تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے ہے اور سر

اس کے سامنے جھکانے کے لئے ہے صرف اسی کی یاد اس قابل ہے کہ اسے دل میں جگہ دی جائے اور صرف اسی کا دروازہ اس قابل ہے کہ وہاں سر کو جھکایا جائے جو سر دولت کے سامنے جھکتا ہے ۔ طاقت کے سامنے جھکتا ہے حُسن کے سامنے جُھکتا ہے مگر اس کے سامنے نہیں جُھکتا وہ سر حقیقت میں سر نہیں ہے مجھے ایک شعر یاد آیا ؎

سر جس پہ نہ جھک جائے اُسے در نہیں کہتے
سر در پہ جو جُھک جائے اسے سر نہیں کہتے

رحمۃ للعالمین کی ناراضگی | تو اس حدیث میں یہ بتایا گیا کہ مسلسل ترکِ جمعہ کی وجہ سے دل پر مہر لگ جاتی ہے ایک دوسری روایت جو عبداللہ بن مسعودؓ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ یَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَۃِ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰی رِجَالٍ یَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَۃِ بُیُوْتَھُمْ ۔	سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں جو نماز جمعہ میں پیچھے رہ جاتے ہیں (یعنی نمازِ جمعہ نہیں پڑھتے) فرمایا کہ میں سوچتا ہوں کہ میں کسی شخص سے کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور پھر میں (جاکر) ان لوگوں کے گھر بار جلا دوں جو جمعے کی نماز چھوڑتے ہیں (بلا عذر)

ترکِ جمعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اتنا بڑا جرم ہے کہ رحمۃ للعالمینی کی شان کے باوجود آپؐ فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ایسے بدبختوں کے گھر جلا ڈالوں جو ہفتے میں ایک بار اللہ کے گھر میں حاضر

نہیں ہو سکتے۔ ایک تیسری روایت جو حضرت عبداللہ بن عباس رض
سے منقول ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَۃَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ کُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ کِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ (وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ ثَلَاثًا)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بلا عذر جمعہ کی نماز چھوڑ دیتا ہے وہ ایسی کتاب میں منافق لکھا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جاتی ہے اور نہ کبھی تبدیل کی جاتی ہے (اور بعض روایات میں ہے کہ جو شخص تین جمعے چھوڑ دے یہ وعید اس کے لئے ہے)۔

آپ نے اس حدیث کے الفاظ پر غور فرمایا؟ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ضروریات کا کیسا لحاظ فرمایا ہے؟ تارکِ جمعہ کے لئے وعید فرماتے ہوئے "مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ" کی قید لگا دی یعنی اگر کوئی عذر سے سخت مجبوری ہے بیمار ہے زخمی ہے راستہ بند ہے برفباری ہو رہی ہے سخت بارش ہے اور مسجد تک پہنچانے والا بھی کوئی نہیں ہے تو اسے جمعہ کی نماز چھوڑنے کی اجازت ہے۔

اصل میں اسلام کا کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں ہے کہ جس پر عمل کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ شارعِ اسلام نے انسان کی کمزوریوں اور مجبوریوں کا پوری طرح خیال رکھا ہے ربّ کریم کا واضح اعلان ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔	کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

تو مجبوری اور عذر کی وجہ سے تو جمعہ چھوڑ سکتا ہے لیکن اگر کسی مجبوری اور

عذر کے بغیر جمعہ ترک کیا تو "نامۂ اعمال" میں اسے منافق لکھ دیا جائے گا اور اللہ کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟

اگرچہ علمائے نے منافق کی دو قسمیں بیان کی ہیں اعتقادی منافق اور عملی منافق لیکن منافق کا لقب اس قدر شدید ہے کہ اگر اس شخص کو کوئی اور سزا نہ بھی دی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے منافق کہا جانا اور نامۂ اعمال میں منافق لکھا جانا ہی ہزاروں سزاؤں کی ایک سزا ہے اور اللہ نہ کرے اگر قیامت کے دن اس کا حشر بھی منافقوں کے ساتھ ہوا تو اس کی تباہی اور بربادی میں کوئی شک نہیں۔

فضیلتیں ترک جمعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وعیدیں تو آپ نے سن لیں اب وہ فضیلتیں بھی سماعت فرمالیں جو آپ نے جمعہ کے دن کے لئے بیان فرمائی ہیں حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دنوں کا جن میں سورج طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا (ان کی تخلیق مکمل ہوئی) اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انہیں وہاں سے نکالا گیا اور قیامت بھی جمعہ کے دن قائم ہوگی"

اس مقدس دن میں کاروان انسانی کے پہلے فرد کو پیدا کیا گیا اسی دن وہ جنت میں تشریف لائے اور اسی دن وہ جنت سے دنیا کی طرف آئے، بظاہر ان کا دنیا کی طرف آنا اور جنت سے نکلنا کوئی اتنا بڑا کارنامہ نظر نہیں آتا، جسے فضیلت وعظمت کے مقام پر ذکر کیا جائے لیکن کون نہیں جانتا کہ آدمؑ کی تخلیق تو ہوئی ہی اس لئے تھی کہ وہ اس دنیا میں رہیں گے جنت میں ہمیشہ رہنا تو طے ہی نہیں ہوا تھا اور پھر یہ

بھی تو سوچیے کہ اگر حضرت آدمؑ کو دنیا میں نہ بھیجا جاتا تو یہ بزم ہستی کیسے قائم ہوتی، کفر کے خلاف ٹکراؤ کیسے نصیب ہوتا، میدانِ جنگ کی فضیلتیں کیسے حاصل ہوتیں، شہادت کا قابلِ رشک مقام کس کے حصے میں آتا، انبیاؑ کا سلسلہ کیسے جاری ہوتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونا کیسے ممکن ہوتا؟

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندۂ مؤمن پالے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ بھلائی عطا فرمادیتے ہیں"

وہ خصوصی گھڑی جس میں دعا قبول ہوتی ہے اسے متعین نہیں کیا گیا جس میں یہ حکمت ہے کہ اس مبارک دن میں مسلمان کا اکثر وقت دعا میں گذرے اگرچہ بعض حضرات نے اپنے اپنے تجربے اور اندازے کے مطابق اس گھڑی کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ سب تخمینی باتیں ہیں۔ قطعی اور یقینی قول ان میں کوئی بھی نہیں جس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس ساعت کی تعیین کے بارے میں ۳۵ اقوال منقول ہیں، ایک تیسری روایت میں جمعہ کی فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے "جس شخص نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا اور جس قدر اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس جمعہ سے گذشتہ جمعہ تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے"

نور اللہ مرقدہٗ اور دوسرے بزرگ علما فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لئے ہفتہ میں جو ایک بار اجتماع ہوتا ہے تو اُس اجتماع کی مثال ہے جو جنّت میں اہلِ جنّت کا اجتماع میدان مزید میں ہوتا ہے اصل میں ایک تفصیلی حدیث میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ جنّت میں ایک طویل وعریض میدان مزید ہے وہاں انبیاء علیہم السلام کے منبر بچھائے جائیں گے انبیاءؑ کے ساتھ ان کے امتی بھی ہوں گے پھر حق تعالیٰ شانہٗ کی کرسی آئے گی جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں ہے "وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" اس کرسی پر تجلیاتِ حق کا ظہور ہوگا اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السّلام اپنی اعجازی خوش الحانی سے اس انداز سے مناجات ومضامین پڑھیں گے کہ اہلِ جنت پر کیف طاری ہو جائے گا۔ ملائکہ علیہم السّلام کو حکم ہوگا کہ شرابِ طہور تقسیم کرو جس سے روحوں پر کیف طاری ہو جائے گا اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فَسْئَلُوْنِيْ مَاشِئْتُمْ جو جس کا دل چاہے وہ مانگے سب مل کر عرض کریں گے کہ کونسی نعمت ہے جو آپ نے عطا نہیں فرمائی ہمیں تو ساری نعمتیں مل چکی ہیں بس اپنی رضا ہمیں عطا فرما دیجئے حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ نعمت تو تمہیں مل چکی اگر میں تم سے راضی نہ ہوتا تو تمہیں یہاں داخل نہ ہونے دیتا کچھ اور مانگو۔ لوگ حیران ہوں گے کہ کیا مانگیں اس موقع پر اہلِ علم مشورہ دیں گے کہ حق تعالیٰ کے دیدار کی درخواست کرو چنانچہ درخواست قبول کر لی جائے گی حدیث میں ہے کہ حجابات اٹھنے شروع ہو جائیں گے، صرف ایک حجاب کبریائی اور عظمت کا رہ جائے گا۔ باقی سب حجابات اٹھ جائیں گے اور بندے اپنے خدا کو دیکھیں گے اس شان سے کہ نہ سمت ہے، نہ جہت ہے، نہ رنگ ہے

اور پھر بھی مشاہدہ ہو رہا ہے اور دیکھ رہے ہیں یہ اس مزید کا موضوع ہے جس کا نام "میدان مزید" ہے۔

یہ اجتماع ہفتہ میں ایک بار ہوگا جب دربار ختم ہوگا تو اللہ تعالیٰ اہل جنت کو فرمائیں گے "جاؤ اپنے اپنے مقامات پر" اہل جنت واپس ہوں گے۔ جنت میں اپنے اپنے گھروں کو پہنچ جائیں گے۔

دنیا میں اس دربار کی مثال جمعہ کو رکھا گیا ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ یہ دربارِ خداوندی ہے، جو دنیا میں منعقد ہوتا ہے۔ خطیب و امام ویسا نائب حق ہوتا ہے، جیسا کہ تجلیاتِ ربانی کرسی پر ہوتی ہوں گی، یہاں خطیب منبر پر بیٹھتا ہے گویا وہ نمائندۂ حق ہے، اور خطابت کی تجلی اس میں ظہور کر رہی ہے، اس لئے کہ اصل خطیب حق تعالیٰ شانہٗ ہیں، ان کے بعد خطباء انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اس لئے حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں ا: اَنَا قَائِدُهُمْ وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ" قیامت کے دن میں ہی ساری اُمتوں کا قائد اور میں ہی ان کا خطیب ہوں گا۔ میں ہی ان کے سامنے خطبہ دوں گا ــــ تو انبیاء علیہم السلام اس تجلی کے بارے میں جو خطابت کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے، نمائندگانِ حق ہیں۔ اصل خطیب حق تعالےٰ شانہٗ ہیں۔ اس دنیا میں ان کا نمائندہ امام اور خطیب ہوتا ہے۔

آداب یہی وجہ ہے کہ عام مواعظ اور خطبوں کے جو آداب ہیں۔ اس خطبے کے آداب ان سے زیادہ ممتاز ہیں۔ فرمایا گیا: اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَاصَلٰوةَ وَلَاكَلَامَ۔ خطبے کے لئے امام جب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو تو اب نہ سلام و کلام جائز ہے نہ نوافل پڑھنی جائز ہے۔ صرف یہ کام ہے کہ امام کو خطبہ کی حالت میں دیکھو۔ فرمایا گیا جو کنکریوں سے کھیلنے لگا، اس

نے لغو حرکت کی مکروہ کا ارتکاب کیا۔ عام واعظوں میں اگر کوئی کنکری اٹھالے کوئی کراہت نہیں، لیکن خطبہ جمعہ میں اگر کنکریوں سے، یا چٹائی کی تیلیوں سے کھیلنے لگے تو اس پر نکیر کی گئی ہے، خطبہ شروع ہونے کے بعد نماز بھی جائز نہیں، تلاوتِ قرآن بھی جائز نہیں، درود شریف جیسی طاعت بھی جائز نہیں۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اس وقت خطیب کو دیکھا جائے۔ اس خطبہ پر کان لگائے جائیں، جو زیادہ سے زیادہ اس کو دیکھنے کی عادت ڈالے گا۔ اُسے میدانِ مزید میں زیادہ سے زیادہ حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ وہاں تجلیاتِ حق سامنے ہوں گی۔

اس لئے فرمایا گیا کہ جمعہ میں جو اذان سے پہلے اول وقت میں آگیا۔ صفِ اولیٰ میں اسے جگہ ملی۔ وہ ایسا ہے جیسے ایک اونٹ قربانی کا ذبح کردیا۔ اس کے بعد اس سے کم درجہ ہے کہ جیسے گائے ذبح کی پھر اس سے کم درجہ ہے کہ جیسے بکرا ذبح کیا، اس کے بعد جو آیا وہ ایسا ہے کہ اس نے مرغی ذبح کی۔ جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہوگیا، تو ملائکہ علیہم السّلام اپنے صحیفے لپیٹ کر خطبہ سُننے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر درجاتِ عالی کا کوئی مقام نہیں رہتا کہ اس میں نام لکھا جائے۔ ایسے میں جو آئے گا۔ اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔۔۔ اور جو یہاں صفِ اولیٰ میں ہوگا وہ وہاں بھی انبیاء علیہم السلام کے پیچھے صفِ اولیٰ میں جگہ پائے گا جو جتنا پیچھے ہوجائے گا وہاں بھی اتنا ہی پیچھے ہوگا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر لگا تار تین جمعے چھوڑ دیئے۔ بلا کسی شرعی یا طبعی عذر کے تو ظنِ غالب ہے کہ پھر اسے عمر بھر جمعہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوگی جب تک سچی توبہ نہ کرے اور رجوع نہ کرے۔ تو جمعہ کی نماز بھی بے شک فرض ہے،

مگر عام فرائض سے اس میں زیادہ خصوصیت ہے۔ اور عام خطبوں سے بڑھ کر ایک نئی شان رکھتا ہے جو امتیازی شان ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ ظہر کے چار فرض ہیں۔ جمعہ کے دو ہوتے ہیں، دو فرضوں کے قائم مقام یہ دو خطبے ہوتے ہیں جو امام کھڑے ہو کر دیتا ہے اس لئے ان خطبوں کے آداب عام خطبات سے زائد ہیں کہ امام کو دیکھو، تلاوت مت کرو، عبادت بھی مت کرو، بڑی عبادت یہ ہے کہ خطبہ سنو اور امام کو دیکھو۔ گویا دو خطبے بمنزلہ نماز کے ہیں، تو چار رکعتیں ہو جاتی ہیں، اس شان سے کہ دو رکعتیں جمعہ کی اور دو رکعتیں ان دو خطبوں کے قائم مقام۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس جمعہ کو دنیا میں میدانِ مزید کے نمونے کے طور پر اتارا ہے۔ اسی لئے شریعت کی اصطلاح میں جمعہ کا نام "یوم المزید" ہے، اس لئے یوم المزید کہا گیا کہ یہ جنت کا میدان اس دنیا میں ہے۔ جنت میں جا کر میدانِ مزید وہاں کی شان کے مطابق ہوگا۔ تو ساری دنیا کے جمعے اور جامع مسجدیں مل کر دنیا میں میدانِ مزید کا ایک نقشہ ہیں۔ ان کے مجموعے کو اٹھا کر آخرت میں لے جائیں گے اور یہ خطبے اور جنت میں پہنچائے جائیں گے تو وہاں کے دربارِ خداوندی کا یہاں ایک نمونہ ہے۔ اسی واسطے جمعے کو سید الایام کہا گیا ہے کہ تمام دنوں کا سردار ہے۔

جمعۃ المبارک کی یہ فضیلتیں یہ عظمتیں | اللہ کے عذاب سے ڈریئے

یہ آداب اور ترکِ جمعہ پر وعیدیں اور تہدیدیں تو آپ نے سماعت فرمالیں اب اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں اور مجموعی طور پر دیکھیں کہ ہمارے ہاں جمعہ کا کتنا اہتمام ہوتا ہے، جتنے کھیل تماشے ہوتے ہیں وہ جمعے کے دن ہوتے ہیں شرم کی بات تو یہ ہے کہ فلموں اور ڈراموں کا افتتاح بھی جمعہ کے دن ہوتا ہے بڑے دھڑلے سے اخبارات میں اشتہارات دیئے جاتے ہیں کہ جمعہ

کے مبارک دن سے فلاں فلم اور فلاں اسٹیج ڈرامے کا افتتاح ہوگا، پھر کرکٹ اور ہاکی وغیرہ کے میچ بھی جمعہ کے دن ہوتے ہیں لوگ سارا سارا دن ریڈیو سے کمنٹری سنتے رہتے ہیں یا ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں کیا جوان اور کیا بوڑھے اور بچے کیا مرد کیا عورتیں سب ٹی وی کے سامنے جم کر بیٹھ جاتے ہیں اور ہلنے کا نام نہیں لیتے۔

ہماری منگنیاں ہوتی ہیں تو جمعہ کے دن، شادیاں ہوتیں ہیں تو جمعہ کے دن، دیگر تقریبات ہوتی ہیں تو جمعہ کے دن، مقامی کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں تو جمعہ کے دن، پکنک پر جانے کے پروگرام بنتے ہیں تو جمعہ کے دن سب کام ہی جمعے کے دن ہوتے ہیں میں سوچتا ہوں کہ جمعہ کے دن جن لوگوں نے سرکاری تعطیل منظور کروائی تھی اگر ان کو علم ہوتا کہ ہماری قوم تعطیل کی وجہ سے جمعہ کا یہ حشر کرے گی تو شاید وہ جمعہ کی تعطیل کا ہرگز مطالبہ نہ کرتے افسوس تو یہ ہے کہ بعض عیسائی اتوار کے دن گرجا گھر میں اور یہودی ہفتہ کے دن اپنے عبادت خانہ میں حاضری کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن مسلمان کو جمعہ کے دن کی اہمیت کا احساس نہیں ہے حضرت اکبر الہ آبادی کے دو شعر ہیں جن کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یوں پڑھا کرتا ہوں ؎

ترکیب تو دیکھو زمانے کے چلن کی　　افسوس کہ جمعہ سے کوئی واقف بھی نہیں ہے
گرجا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود　　مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہے

کرنیل ایک بڑا فوجی اور کمشنر ایک بڑا انتظامی افسر ہوتا ہے انگریزی حکومت میں ان بڑے عہدوں پر عموماً انگریز فائز ہوتے تھے، ڈپٹی اور منصف نسبتاً چھوٹے عہدے تھے جو ہندوستانیوں کو ملتے تھے حضرت اکبر فرماتے ہیں کہ انگریز عیسائی بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود گرجا میں حاضری

دیتے ہیں لیکن مسلمان چھوٹے عہدوں پر ہوتے ہوئے بھی ایسے بد دماغ ہوجاتے ہیں کہ مسجد میں نہیں آتے۔

آپ یہ قطعاً نہ سوچیے گا کہ مولوی صاحب کو ہماری تقریبات سے اور ہمارے کھیل کود سے چڑ ہے ہم شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے نہ کھیل سے آپ کو منع کرتے ہیں نہ تقریبات سے بلکہ حضرت اکبر ہی کے الفاظ میں آپ کی خدمت میں یہ گذارش کرتے ہیں کہ ؎

تم شوق سے کالج پھلو پارک میں پھولو　　جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد　　اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

بنی اسرائیل کا انجام کیا آپ نہیں جانتے کہ بنی اسرائیل کے لئے یوم السبت ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور مچھلی کا شکار بھی اس روز ممنوع تھا۔ یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے اور مچھلی کے شوقین تھے اس حکم کو نہ مانا اور شکار کیا اس پر اللہ تعالیٰ کیطرف سے مسخ صورت کا عذاب نازل ہوا اور ان کی صورتیں مسخ کر دی گئیں اور انہیں خنزیروں اور بندروں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔

قرآن حکیم میں اس واقعہ کا یوں تذکرہ کیا گیا ہے:

وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَأْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ	اور پوچھو ان سے اس بستی کا احوال جو سمندر کے کنارے تھی جب حد سے بڑھنے لگے ہفتے کے حکم میں جب آنے لگیں اُن کے پاس مچھلیاں ہفتے کے دن پانی کے اوپر اور ہفتہ کے علاوہ نہ آتی تھیں یوں ہم نے آزمایا اُن کو

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ٥ اس لئے کہ وہ فاسق تھے۔

اور جب وہ وعظ و نصیحت کے باوجود بھی باز نہ آئے تو ان کی شکلیں بندروں کی صورت میں مسخ کر دی گئیں۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ٥

پھر جب انہوں نے اس کام میں حدود سے تجاوز کیا جس سے منع ہوا تھا تو ہم نے انہیں حکم دیا کہ ہو جاؤ پھٹکار پڑے بندر۔

ﷲ! بنی اسرائیل کے انجام سے ڈریئے انہوں نے ہفتے کے دن کی بے حرمتی کی تو ان پر شکلوں کے مسخ ہو جانے کا عذاب نازل ہوا ہم جمعہ کے دن کی بے حرمتی کا ارتکاب کر رہے ہیں کہیں ہم پر اللہ کی پھٹکار نہ پڑ جائے پھر یہ بھی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کتنی آسانی پیدا فرما دی ہے بنی اسرائیل پر ہفتے کے سارے دن عبادت لازم تھی مگر ہمیں تو جمعہ کے دن کا بہت تھوڑا سا حصہ عبادت کے لئے مخصوص کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ہماری حالت یہ ہے کہ اول تو ہم جمعہ کا اہتمام ہی نہیں کرتے اور جو حضرات آتے ہیں ان کا حال بھی یہ ہے کہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ عین خطبہ کے وقت مسجد میں پہنچیں یا صرف نماز میں آکر شامل ہو جائیں حالانکہ علماء نے لکھا ہے کہ پہلی اذان کے بعد وہ تجارت وغیرہ حرام ہے جس سے نماز جمعہ میں تاخیر ہوتی ہو اور اس پہلی اذان کے بعد مسجد کی طرف چل پڑنا ضروری ہے۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! ہمیں اگر ملک کے وزیراعظم بلکہ کسی وزیر اصغر کی طرف سے بھی بلاوا آجائے تو ہماری کوشش ہوتی ہے کہ

ہم ہر صورت میں وقتِ مقررہ پر بلکہ وقت سے بھی پہلے اس کے دربار میں پہنچ جائیں پھر کیا وجہ ہے کہ خالقِ اکبر کی طرف سے بُلاوا آتا ہے تو ہمارے قدم بھاری ہو جاتے ہیں اور ہمارے لئے مسجد کی طرف قدم اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے اور ہم نے چونکہ سن رکھا ہے کہ آخری رکعت میں شریک ہو جانے سے بھی جمعہ ادا ہو جاتا ہے تو ہم اسی چکّر میں رہتے ہیں کہ بس آخری رکعت میں یا زیادہ سے زیادہ خطبہ میں شریک ہو کر اس فرض کے بوجھ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی میں سبقت کرنے اور جمعہ کے لئے سب سے پہلے اپنے دربارِ اقدس میں حاضری کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اذان

زندہ حقائق کا اعلان

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں، کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِّ کلیم و خلیل
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
مردِ سپاہی ہے، وہ اس کی زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ

" اذان میں جو سب سے پہلی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی ہے۔ چونکہ ظاہر پرست انسان مادی چیزوں کی عظمت اور بڑائی سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے، اور یہ کبھی زمین و آسمان کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی عناصر کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی بادشاہوں کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی عہدہ اور منصب کو بڑا سمجھتا ہے اور کبھی خود اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھنے لگتا ہے، اس لئے سب سے زیادہ ضرب اسی بڑائی کے عقیدے اور تصور پر لگائی گئی ہے اور زبان سے بار بار " اللہ اکبر " کہلوا کر یہ بات دل میں بٹھا دی گئی کہ مادی چیزوں کو بڑا سمجھنے والو! سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عظمت وکبریائی کا مستحق صرف اللہ ہے اس کے مقابلے میں سب بزرگیاں اور بڑائیاں ہیچ ہیں۔

پوری انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب کسی نے بڑائی کا دعویٰ کیا اسے منہ کی کھانی پڑی اور بالآخر دنیا نے دیکھ لیا کہ اس کا دعویٰ جھوٹا اور اس کی تعلیاں بے بنیاد تھیں۔ اور اصلی عظمت اور حقیقی بڑائی تو صرف اللہ کے لئے تھی اور ہے

اَللّٰهُ اَكْبَر اَللّٰهُ اَكْبَر "

اذان زندہ حقائق کا اعلان

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ

اور جب تم نماز کے لئے بلاتے ہو تو یہ لوگ نماز کو کھیل سمجھتے ہیں اور ہنسی اڑاتے ہیں کیونکہ یہ بے عقل ہیں۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ

ان فروتنی کرنے والوں کو بشارت دیجئے کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور ان تکلیفوں میں صبر کرنے والوں کو جو ان کو پہنچی ہیں، اور نماز قائم رکھنے والوں کو اور ان کو جو خرچ کرتے ہیں اس مال میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

ایسے مرد کہ انہیں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے

وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ۔

اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَسْمَعُ نَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَیْءٌ اِلَّا شَہِدَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

حضرت ابوسعید خدری رضؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں سنتے جن اور انس اور نہ کوئی دوسری شئے مؤذن کی انتہائی آواز مگر یہ کہ شہادت دیں گے وہ قیامت کے دن اس کی۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو!

اگرچہ دین کے بہت سارے شعائر اور احکام کی طرح اذان بھی ہمارے ہاں ایک رسمی سی چیز بن کر رہ گئی ہے اور جب ہم اذان سنتے ہیں تو وہ ہمارے لئے محض نماز کے وقت کا ایک اعلان ہوتا ہے اور ہماری نظر و فکر ان حقائق کی طرف نہیں جاتی جن کو اذان میں جمع کر دیا گیا ہے اور جن کا دن میں کم از کم پانچ بار اعلان ہر ہر شہر اور ہر ہر بستی اور محلے میں برسر عام کیا جاتا ہے حالانکہ اگر صرف اور صرف خالی خولی نماز کے وقت کا اعلان ہی مقصد ہوتا تو اس کے لئے کچھ دوسرے آسان طریقے بھی تھے، جو اختیار کئے جا سکتے تھے۔ جیسے

دوسری قوموں نے اس وقت بھی اختیار کئے ہوئے تھے اور آج بھی اختیار کئے ہوتے ہیں۔

اور میں یہ بات انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ کہوں گا کہ بعض ماڈرن اور مغرب پرست مسلمان ایسے بھی ہیں جو ان طریقوں کو پسند کرتے ہیں۔ میں نے یورپ کی سیاحت کرنے والے بعض ترقی پسند (درحقیقت تنزل پسند) ادیبوں کے سفرنامے پڑھے ہیں جن میں وہ گرجا گھروں میں بجنے والے گھنٹوں کی بے ہنگم آوازوں کا تذکرہ بڑے ہی مسحور کن اور مرعوبیہ انداز میں کرتے ہیں جبکہ اذان کی آواز انہیں بڑی خوفناک محسوس ہوتی ہے جو ان کی اور ان کے بیوی بچوں کی میٹھی میٹھی نیند کا ستیاناس کر دیتی ہے حالانکہ ان کو جان لینا چاہیئے کہ عیسائیوں یہودیوں اور مجوسیوں کے طریقوں اور ان کی عادتوں سے محبت کا انجام ہرگز اچھا نہیں ہوگا۔

عبرت آموز واقعہ حضرت تھانویؒ نے اس سلسلہ میں ایک عبرت آموز واقعہ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا فتح محمدؒ فرماتے ہیں کہ شیخ دہان (تاجر روغن) ایک بڑے عالم تھے نے فرمایا کہ مکہ میں ایک عالم کا انتقال ہوگیا اور ان کو دفن کر دیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد کسی دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کے وارثوں نے ان عالم صاحب کی قبر میں دفن کرنا چاہا۔ مکہ میں یہ دستور ہے کہ ایک قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کر دیتے ہیں چنانچہ ان عالم صاحب کی قبر کھودی گئی تو دیکھا ان کی لاش کے بجائے ایک نہایت حسین لڑکی کی لاش رکھی ہوئی ہے اور صورت سے وہ لڑکی یورپین معلوم

ہوتی تھی، سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اتفاق سے اس مجمع میں یورپ سے آنے والا ایک شخص بھی موجود تھا، اس نے جو اس لڑکی کی صورت دیکھی تو کہا میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی ہے اور ایک عیسائی کی بیٹی ہے، یہ مجھ سے اُردو پڑھتی تھی، اور درپردہ مسلمان ہوگئی تھی۔ میں نے اس کو دینیات کے چند رسالے بھی پڑھائے تھے۔ اتفاق سے یہ بیمار ہو کر مر گئی اور میں دل برداشتہ ہو کر نوکری چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہوگئی کہ مسلمان اور نیک تھی لیکن اب یہ غور طلب بات ہے کہ عالم صاحب کی لاش کہاں گئی؟ بعض لوگوں نے کہا کہ شاید اس لڑکی کی قبر میں منتقل کر دی گئی ہو۔

اس پر ان لوگوں نے اس سیاح سے کہا کہ تم حج سے واپس ہو کر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی قبر کھود کر دیکھنا کہ اس میں مسلمان عالم کی لاش ہے یا نہیں؟ اور کوئی صورت شناس بھی ساتھ کر دیا چنانچہ وہ شخص یورپ گیا اور لڑکی کے والدین سے یہ حال بیان کیا۔ اس پر ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکی کی لاش کو دفن تو کیا جائے فرانس میں اور تم ان کی لاش مکہ میں دیکھ لو۔ آخر یہ طے پایا کہ لڑکی کی قبر کھودی جائے۔ چنانچہ اس کے والدین نے اور چند لوگوں نے اس حیرت انگیز معاملہ کی تفتیش کے لئے قبرستان جا کر اس لڑکی کی قبر کھودی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی لاش نہ تھی بلکہ اس کے بجائے وہ مسلمان عالم مقطع صورت وہاں دھرے ہوئے تھے جن کو مکہ میں دفن کیا گیا تھا۔

شیخ وہاں نے فرمایا کہ اس سیاح نے ہمیں کسی ذریعہ سے اطلاع دی کہ اس عالم کی لاش یہاں فرانس میں موجود ہے۔ اب مکہّ والوں کو فکر ہوئی کہ لڑکی کا مکہّ پہنچ جانا تو اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور اس کے مقبول ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی مگر اس عالم کا مکہّ سے کافرستان پہنچ جانا کس بناء پر ہوا، اس کے مردود ہونے کی وجہ کیا ہے اس کی بیوی سے پوچھنا چاہیئے چنانچہ اس کے گھر گئے اور دریافت کیا کہ تیرے شوہر میں خلاف اسلام کوئی بات تھی؟ اس نے کہا کچھ بھی نہیں وہ تو بڑا نمازی اور قرآن پڑھنے والا تہجد گزار تھا۔ لوگوں نے کہا سوچ کر بتاؤ کیونکہ اس کی لاش دفن کے بعد مکہّ سے کفرستان پہنچ گئی ہے کوئی بات اسلام کے خلاف اس میں ضرور تھی، اس پر بیوی نے کہا ہاں مجھے اس کی بات پر ہمیشہ کھٹکتی تھی۔ وہ یہ کہ جب بھی میرے ساتھ مشغول ہوتا اور فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتا تو یوں کہا کرتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ان کے یہاں غسلِ جنابت فرض نہیں۔ لوگوں نے کہا بس یہی بات ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو مکہّ سے اسی قوم کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقے کو وہ پسند کرتا تھا۔

یہ شخص بظاہر عالم، متقی اور پورا مسلمان تھا مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی موجود تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقے کو اسلامی حکم پر ترجیح دیتا تھا اور استحسانِ کفر، کفر ہے، اس لیے وہ شخص پہلے ہی مسلمان نہ تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے مگر اللہ تعالیٰ کہیں ایسا بھی کر کے دکھلا دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو

عبرت ہو کہ بدحالی کا نتیجہ یہ ہے۔

مؤذنوں کی تحقیر

جیسے مغرب کے غلام اذان کی تحقیر کرنے سے نہیں چوکتے اسی طرح وہ کبھی کبھی مؤذنوں کی تحقیر بھی کر دیتے ہیں اور انہیں اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں گھر کا بچا کھچا کھانا انہیں بھیج دیتے ہیں بعض اوقات تو عجیب مضحکہ خیز واقعات پیش آتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں

ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک مؤذن کے پاس محلے کا ایک بچہ رکابی میں کھیر لایا۔ مؤذن بڑے خوش ہوئے اور کہا شاباش، آج کیا تقریب تھی جو کھیر لایا؟ لڑکے نے کہا تقریب تو نہ تھی اماں نے کھیر پکائی تھی اس میں کتا منہ ڈال گیا۔ اماں نے کہا کہ پھینکنے سے اچھا ہے کہ مؤذن کو دے آ۔ رزق ہے پیٹ میں پڑ جائے گا۔ یہ سن کر مؤذن صاحب کو بڑا غصہ آیا اور رکابی اٹھا کر پھینک دی، کھیر بھی گر گئی اور رکابی بھی ٹوٹ گئی۔ لڑکا رونے لگا۔ اس پر مؤذن صاحب کو اور بھی غصہ آیا اور کہا ابے، تو کتے کے آگے کی کھیر لایا ہے اور اوپر سے روتا ہے تجھے کسی نے مارا ہے، کہا اماں مارے گی کیونکہ رکابی بھیا کا پائخانہ اٹھانے کی تھی۔

ظرف بھی پاکیزہ تھا اور مظروف بھی ویسا ہی تھا تو دونوں کا جوڑ اچھا ملا۔

مؤذنوں سے حقارت کی ایک وجہ تو دین سے اور دینداروں سے بُعد اور نفرت ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آج کل خیر سے ایسے ہی لوگ مؤذن رکھے جاتے ہیں جو کسی کام کے نہ ہوں اندھے، لنجے، اپاہج، بے علم آدمی مؤذن اور امام بنائے جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کے امام اور مؤذن بنانے کا راز یہ ہے کہ کچھ زیادہ خرچ نہ کرنا پڑے کیونکہ جو آدمی کام کا ہوگا وہ تو خرچ سے ہی آئے گا اور لطف تو یہ ہے کہ خرچ تو کرتے نہیں اور ان سے کام اتنا لیتے ہیں کہ

زرخرید غلام سے بھی کوئی نہ لے۔ ہمارے قصبات میں عام رواج ہے کہ پانی گرم کرنے کے لئے ایندھن وغیرہ لانا انہیں کے ذمہ ہے، محلے کا کوئی لڑکا اگر گھڑا لے آئے تو اس کو بھر کر دینا بھی اس کے ذمہ ہے، اہلِ محلہ کا گوشت لانا بھی مؤذن کے ذمہ ہے اور ضرورت کے وقت دہلیز میں سونا بھی مؤذن کے ذمہ شہروں میں جہاں ماشاء اللہ پڑھے لکھے لوگ رہتے ہیں وہاں بھی یہ حال ہے کہ مسجد کی صفائی تو بہرحال مؤذن کی ذمہ داری ہے اس کے علاوہ بعض مساجد میں مسجد کے متولی اور سیٹھ صاحب کی جوتیاں اٹھانا مؤذن کی ذمہ داری ہے اور وضو خانہ، غسل خانہ، یہاں تک کہ لیٹرینوں کو صاف رکھنا یہ بھی مؤذن کی ذمہ داری ہے وہ لوگ جو گھر میں اپنی بیویوں کے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے ہیں وہ مسجد میں آکر مؤذن اور خادم کو ایسے جھاڑ پلاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد انسان نہیں ہیں بلکہ ان کے زرخرید غلام ہیں۔ میں تو کبھی کبھی مذاق میں ایسے مظلوم مؤذنوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم لوگ متحد ہو جاؤ اور پھر ان بداخلاق اور بدزبان متولیوں کا اپنے اتحاد سے دماغ سیدھا کر دو کہ اذان جو افضل عمل تھا اور مؤذن جس کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں اسے یہ دو ٹکے کے بندے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

فضائل حضرت معاویہؓ کہتے ہیں۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

ہم نے سُنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ وہ فرما رہے تھے قیامت کے دن سب سے لمبی گردنیں مؤذنوں کی ہوں گی۔

گردنیں لمبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کا مرتبہ بلند ہوگا ان کا مقام اونچا ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِیْنَ مُحْتَسِبًا کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے اذان دی سات سال تک محض ثواب کی نیت سے اس کے لئے دوزخ سے نجات لکھی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے:۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین اشخاص مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے ایک تو وہ غلام جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور پھر اپنے آقا کا حق بھی ادا کیا، دوسرا وہ شخص جس نے قوم کی امامت کی اور قوم اس سے راضی رہی، تیسرا وہ شخص جو اذان دیتا ہے پانچوں نمازوں کی دن اور رات میں۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذان دینے والے کی بخشش کی جاتی ہے اس کی آواز کی انتہا کے مطابق اور گواہی دیتے ہیں اس کے لئے ہر تر اور خشک اور نماز میں حاضر ہونے والے کے لئے لکھا جاتا ہے ثواب پچیس [۲۵] نمازوں کا اور دور کئے جاتے ہیں اس کے وہ گناہ جو دو نمازوں کے درمیان کئے گئے۔ اور مؤذن کے لئے نماز پڑھنے والے کے برابر اجر ہوتا ہے:۔

مؤذن کتنا خوش قسمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی ہے:۔

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام ضامن اور مؤذن امانت دار ہوتا ہے اے اللہ تو ہدایت دے اماموں کو اور بخش دے اذان دینے والوں کو۔

حقیقت میں مؤذن اتنا افضل اور عظیم فریضہ سرانجام دیتے ہیں وہ واقعی ان فضائل اور بشارتوں کا مستحق ہے بس اخلاص اور نیت کی درستگی شرط ہے۔

مؤذن دین کے ایک اہم فریضہ کی ادائیگی کی دعوت دیتا ہے اللہ کی الوہیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اعلان کرتا ہے اسی لئے تو جب وہ اذان دیتا ہے تو شیطان گوز مارتے ہوئے بھاگ جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لئے اذان دیجاتی ہے تو شیطان پشت دے کر بھاگتا ہے۔ اور اس کے واسطے گوز کی آواز ہوتی ہے (گوز مارتا ہے) تاکہ اذان کی آواز اس کے کان میں نہ پہنچ سکے جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے، پھر جب تکبیر کہی جاتی ہے تو وہ (پھر) پشت دے کر بھاگتا ہے اور تکبیر ختم ہونے کے بعد پھر واپس آجاتا ہے تاکہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالے اور اس کو وہ چیزیں یاد دلائے جو اس کو یاد نہ تھیں یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے کہ کتنی رکعتیں پڑھیں"

کہتے ہیں کہ ایک راجہ کے یہاں ہندو پنڈتوں نے استغاثہ دائر کیا تھا کہ مسلمانوں کی مسجد مندر کے پاس ہے جس میں وہ اذان دیتے ہیں ان کو اس سے منع کیا جائے کہ زور سے اذان نہ دیا کریں اس سے ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں راجہ نے وزیر سے کہا کہ ہمارا ایک گھوڑا توپ کی آواز سے چونکتا اور بھڑکتا تھا تو ہم نے اس کا خوف نکالنے کی یہ تدبیر کی تھی

کہ اس کو توپ کے پاس رسّوں سے بندھوا کر خوب توپ چلانے کا حکم دیا تھا، جس سے اس کا خوف جاتا رہا، اگر ہمارے دیوتا اذان سے بھاگتے ہیں تو یہ ہمارے لئے بڑی مضر بات ہے۔ مسلمان جب چاہا کریں گے ان کو بھگا دیا کریں گے لہٰذا ان کا خوف نکالنا چاہیئے اور مسلمانوں سے کہنا چاہیئے کہ خوب زور سے اذان دیا کریں یہ تو ہمارے واسطے مفید ہے۔

شیطان کیوں بھاگتا ہے

جھوٹے دیوتا، شیاطین، اور بدمعاش لوگ اذان سن کر اس لئے بھاگتے ہیں کیونکہ اذان گھڑیال اور سنکھ کی طرح خالی خولی وقت کا اعلان نہیں ہے یہ کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جسے محض اپنی عقل اور تجربے سے تجویز کر لیا گیا ہو، اگر ایسا ہوتا تو اس میں وہ تاثیر نہ ہوتی جو تاثیر اس چیز اور اس بات میں ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے سکھائی جاتی ہے۔

بلکہ اذان کا طریقہ اور اذان کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں میں القاء کئے گئے تھے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:۔

کہ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو جمع ہو کر وقت کا اندازہ کرتے اور ایک وقت متعین کر دیتے تھے اور ان کا کوئی منادی نہ تھا پس ایک روز اس مسئلہ پر مشورہ کیا۔ بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس لے لو۔ بعض نے کہا قرنا لے لو جیسا کہ یہود کے پاس ہے حضرت عمرؓ نے کہا کوئی آدمی کیوں نہ مقرر کر دیں جو نماز کا بلاوا دے دیا کرے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"بلالؓ کھڑے ہو جاؤ اور نماز کی منادی کر دو۔"

اس کی مزید تفصیل ایک دوسری روایت میں سامنے آتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس کا حکم دیا۔ تاکہ اس کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کر دیا کریں تو مجھے خواب میں ایک شخص دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا پس میں نے خواب ہی میں اس سے پوچھا۔ اے اللہ کے بندے کیا اس کو فروخت کرتا ہے؟ اس نے کہا تو ناقوس سے کیا کرے گا۔ میں نے کہا ہم اس سے لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے۔ اس نے کہا کیا میں تجھ کو ایسی چیز نہ بتلا دوں جو اس سے بہتر ہے میں نے کہا کیوں نہیں۔ پس اس نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر (پوری اذان بتائی) اور اسی طرح تکبیر جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ خواب حق ہے اللہ نے چاہا تو۔ پس تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو الفاظ تم نے خواب میں معلوم کئے ہیں وہ اس کو بتلاؤ اور وہ اذان کہے اس لئے کہ وہ بلند آواز ہے چنانچہ میں بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہوا اور ان کو اذان کے کلمے بتانے لگا اور وہ اذان کہتے رہے راوی کا بیان ہے کہ جب عمر بن خطابؓ اپنے گھر میں اذان کی آواز سنی چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلے آکر عرض کی یا رسول اللہؐ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ عبد اللہ نے دیکھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔

بہترین مذہب

چونکہ اذان کا طریقہ اور اذان کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کئے گئے ہیں۔

اس لئے اذان نماز کے وقت کا خالی خولی اعلان نہیں ہے بلکہ یہ کئی حقیقتوں کی ترجمان اور ہیڈ لائن بھی ہے قبل اس کے کہ ان حقیقتوں کی میں آپ کے سامنے وضاحت کروں میں آپ کی معلومات کی تازگی کے لئے یہ بتا دینا مناسب خیال کرتا ہوں کہ اسلام کائنات کا بہترین مذہب ہے اور اس کا ہر طریقہ بھی بہترین ہے آپ صرف اس جملے کو دیکھ لیجئے جو ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کے وقت کہتا ہے یعنی "السلام علیکم" اس چھوٹے سے جملے میں کتنے نکات اور معانی پوشیدہ ہیں یوں تو دنیا کی ہر قوم اور ہر سوسائٹی میں ایسے کلمات رائج ہیں جو وہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو خیر سگالی کے اظہار کے لئے کہتے ہیں، کوئی نمستے کہتا ہے کوئی گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ وغیرہ کہتا ہے لیکن ان میں سے کسی کلمے میں وہ نکات، وہ معانی، وہ حقائق نہیں ہوں گے جو "السلام علیکم" میں ہیں۔

سلام کہنے والا مسلمان ایک تو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے دُعا کرتا ہے کہ اللہ تمہیں ہر مصیبت سے ہر پریشانی سے ہر بیماری سے، ہر آفت اور ہر حادثے سے، ہر دشمن اور ہر حاسد سے ہر فتنے اور گمراہی سے سلامت اور محفوظ رکھے۔ پھر وہ السلام علیکم کے ضمن میں اُسے یقین دلاتا ہے کہ میرے دل میں تمہارے لئے خیر سگالی کے جذبات کے سوا کچھ نہیں ہے، تمہیں میری طرف سے مطمئن اور بے فکر رہنا چاہیئے میں تمہاری سلامتی کے سوا کچھ نہیں چاہتا اس کے علاوہ اس جملے میں کئی اور حکمتیں بھی ہیں جن کے ذکر کرنے سے بات طویل ہو جائے گی۔ پھر حکمتوں کے علاوہ اس میں ثواب بھی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع بھی۔ چودہ سو برس سال کی تاریخ میں مشرق و مغرب میں ہر جگہ مسلمان اس جملے کو استعمال کرتے

رہتے ہیں۔

مگر انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان دوسروں کی دیکھا دیکھی اتنے پیارے اور جامع ترین کلام کو چھوڑ کر من مانے اور خود ساختہ الفاظ بولتے ہیں مثلاً ہمارے ہاں ہندو پاک میں کچھ لوگ آداب عرض اور حضرت سلامت کہنا بھی اچھا سمجھتے ہیں اور اس میں اپنی عزت بھی سمجھتے ہیں۔

حضرت سلامت

کہتے ہیں کہ ایک جگہ شیخ زادوں کا مجمع تھا کسی حجام نے جا کر السلام علیکم کہا۔ ایک شیخ صاحب نے اُٹھ کر پانچ جوتے مارے حجام نے کہا حضور کیا کہا کروں؟ شیخ صاحب بولے کہ حضرت سلامت کہا کرو اس کے بعد نماز جمعہ کا وقت آیا جب امام نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو وہ حجام زور زور سے کہنے لگا حضرت سلامت ورحمۃ اللہ۔ حضرت سلامت ورحمۃ اللہ لوگوں نے اس کو پھر مارنا چاہا تو اس نے کہا پہلے میرا عذر سن لو پھر جو چاہے کرنا۔ بات یہ ہے کہ آج میں نے شیخ صاحبوں کے مجمع میں السلام علیکم کہا تھا وہ بڑے خفا ہوئے اور مجھے پانچ جوتے مارے اور کہا کہ حضرت سلامت کہا کرو۔ اسی وجہ سے میں اب بھی ڈرا کہ اگر کہیں فرشتے بھی السلام علیکم سے ناراض ہو گئے تو وہ مجھے جیتا بھی نہ چھوڑیں گے کیونکہ ان میں ایک فرشتہ عزرائیل علیہ السلام بھی ہے اسی لئے میں نے نماز میں بھی حضرت سلامت کہا یہ جواب سن کر شیخ زادے شرمندہ ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

یہ سب جہالت اور ذہنی مرعوبیت کے کرشمے ہیں ورنہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جو خوبیاں اور جو اچھائیاں اسلام کے تعلیم کردہ الفاظ اور کلمات میں ہیں وہ کسی اور میں نہیں ہیں پھر کمال یہ ہے کہ ان سے ظاہری مقصد بھی

پورا ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ بھی بے شمار فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔

اذان کا بھی یہی حال ہے اس سے نماز کے وقت کا اظہار بھی ہو جاتا ہے اور تسلیم شدہ حقائق کا اعلان بھی ہو جاتا ہے یوں ہم خرما و ہم ثواب والی صورت ہو جاتی ہے۔

پہلی حقیقت: اذان میں جو سب سے پہلی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی ہے اور اس حقیقت کو ایک اذان میں چھ بار بیان کیا گیا ہے گویا پانچ وقت کی اذان میں تیس بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور اگر اقامت کو بھی شامل کر لیں تو تعداد ساٹھ تک پہنچ جائے گی اور اگر پانچ وقت کی نماز میں فرضوں، سنتوں اور وتر اور نوافل کے قیام اور قعود وغیرہ کے مواقع پر کہی جانے والی تکبیرات کو بھی شمار کر لیں تو تعداد دو سو چھیانوے تک پہنچ جائے گی اور چونکہ ہمیں سکھایا گیا ہے کہ ہر نماز کے بعد چونتیس بار اللہ اکبر کہا کرو تو اگر ہم اس کو بھی گن لیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک نمازی مسلمان اپنے عام معمول میں ایک دن رات میں چار سو چھیاسٹھ بار اللہ اکبر کہتا ہے۔

اور اگر وہ صبح و شام تسبیحات بھی کرتا ہے تو یہ تعداد مزید بڑھ جائے گی سوچنے کی بات یہ ہے کہ اذکار تو اور بھی ہیں، سبحان اللہ ذکر ہے، الحمد للہ ذکر ہے، ماشاء اللہ ذکر ہے، استغفر اللہ ذکر ہے تو آخر اللہ اکبر میں کیا بات تھی کہ اسے بار بار وردِ زبان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اذان اور نماز میں تو آپ سن ہی چکے ہیں، حج میں دیکھیں تو سب سے زیادہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے، عیدین میں دیکھیں تو سب سے زیادہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے، میدانِ جہاد میں بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا جاتا ہے، بلندیوں سے اترتے اور چڑھتے

ہوئے بھی اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کمزور ہے اس کی سوچ بھی کمزور ہے، اس کی تاریخ یہ بتاتی۔ ہے کہ یہ مادی چیزوں۔ سے متاثر ہوکر ان کو دیوتا مان لیتا ہے، خدا مان لیتا ہے، شریکِ خدا مان لیتا۔ ہے۔

یہ آسمان کی عظمت سے متاثر ہوا تو اسے دیوتا مان لیا، زمین کی وسعت وطوالت کو دیکھا تو، اسے خدا مان لیا، پہاڑوں کی ہیبت۔ سے متاثر ہوا تو اُن کے سامنے سر جھکا دیا اور اُن سے مورتیاں تراش کے گھروں میں سجالیں، سورج چاند اور ستاروں کی چمک دمک کو دیکھا تو اُن سے خوف کھانے لگا، بادشاہوں سے مرعوب ہوکر یہ یقین کر بیٹھا کہ یہ خدا ہیں یا ان کے اندر خدائی روح حلول کئے ہوئے ہے۔ اس خاک کے پتلے کے اندر مادیت پرستی اس قدر سمائی ہوئی ہے کہ یہ دولت تک کی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو چونکہ ظاہر پرست انسان مادی چیزوں کی عظمت اور بڑائی۔ سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے، اور یہ کبھی زمین و آسمان کو بڑا سمجھتا ہے کبھی عناصر کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی بادشاہوں کو بڑا سمجھتا ہے کبھی عہدہ اور منصب کو بڑا سمجھتا ہے، اور کبھی خود اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھنے لگتا ہے، اس لئے سب سے زیادہ ضرب۔ اسی بڑائی کے عقیدے اور تصور پر لگائی گئی ہے اور زبان سے بار بار "اللہ اکبر" کہلوا کر یہ بات دل میں بٹھادی گئی کہ مادی چیزوں کو بڑا سمجھنے والو! سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عظمت و کبریائی کا مستحق صرف اللہ ہے اس کے مقابلے میں سب بزرگیاں، اور بڑائیاں ہیچ ہیں۔

اصلی عظمت | وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور آسمانوں اور زمینوں پر اسکی بڑائی ہے۔ اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے

اسی کی بزرگی اور عظمت کو دوام حاصل ہے۔

وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ٥ — اور (اے نبیؐ) تیرے پروردگار کی بزرگی اور عزت والی ذات ہی باقی رہے گی۔

تمام انسانوں پر غلبہ اور اقتدار اسی کو حاصل ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ط — اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے،

وہ اگر کسی پر اپنا کرم کرنا چاہے تو اس کے کرم کو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر کسی کو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو اسے کوئی منع نہیں کر سکتا۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ط وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ — اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس تکلیف کو سوائے اس کے اور کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ کوئی تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ ہر شے پر قادر ہے۔

پوری انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب کسی نے بڑائی کا دعویٰ کیا، اسے منہ کی کھانی پڑی اور بالآخر دنیا نے دیکھ لیا کہ اس کا دعویٰ جھوٹا اور اس کی تعلیاں بے بنیاد تھیں، اور اصلی عظمت اور حقیقی بڑائی تو صرف اللہ کے لئے تھی اور ہے فرعون نے "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی" کا دعویٰ کیا تھا۔ اور اس نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے ہزاروں بچوں کو قتل کر دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا تھا، یہاں تک کہ مصر اور مصر کے دریاؤں اور نہروں کا اپنے آپ کو مالک بتاتا تھا بڑے فخر سے لوگوں سے پوچھتا تھا۔

اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ج اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥ — کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے ماتحت نہیں چلتیں؟ کیا تم یہ (سب کچھ) نہیں دیکھتے۔

پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ جن دریاؤں پر حقِ ملکیت جتلاتا تھا، انہی دریاؤں میں سے ایک کے اندر وہ بے بسی سے ڈبکیاں کھا رہا تھا، اس نے جان لیا تھا کہ ربوبیت کا منصب میرا نہیں ہے اور عظمت و کبریائی کا مستحق بھی میں نہیں ہوں بلکہ اس کی مستحق ذات تو کوئی اور ہے ڈبکیاں کھاتے ہوئے اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝	میں ایمان لاتا ہوں اس ذات پر جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل۔ اور میں ہوں فرمانبرداروں سے۔

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اس وقت کے اقرار نے اسے کچھ فائدہ نہ دیا فرمایا گیا۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ	اب (یہ کہہ رہے ہو) جبکہ اس سے پہلے تم نافرمانی کر رہے تھے اور تھا تو فسادیوں میں سے۔

آج اقرار کر رہے ہو پہلے تو تمہاری زبان پر انکار کے سوا کچھ نہ تھا تمہیں تو اپنے بڑا ہونے پر بہت گھمنڈ تھا اب ہم بھی تمہیں دنیا کے لیئے عبرت کا نشان بنا کے چھوڑیں گے تا کہ دنیا والے جان لیں کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں اور اپنے اقتدار پر اپنی دولت پر، اپنی قوت و طاقت پر اترانے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا وہ ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً ط وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ	آج ہم تمہارے جسم کو محفوظ کر لیں گے تاکہ تم اپنے بعد میں آنے والوں کے لیئے

النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ نشانی کے طور پر رہو اور البتہ بہت لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔

غرور کا انجام

قارون نے بھی بڑائی کا دعویٰ کیا تھا اسے اپنی دولت پر اپنے عہدے پر اپنی علمی صلاحیت پر بڑا ناز تھا وہ جب نوکروں اور خادموں کے جلو میں شان و شوکت کے ساتھ باہر نکلتا تھا تو بڑوں بڑوں کے منہ سے رال ٹپک پڑتی تھی اور وہ حسرت کے ساتھ کہا کرتے تھے۔

یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ لا کاش کہ ہم کو ایسا (مال) ملے جیسا قارون کو ملا
اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ بے شک وہ تو بہت خوش قسمت ہے

حضرت موسیٰؑ نے جب اسے یہ حقیقت سمجھانا چاہی کہ یہ مال جو تمہارے پاس ہے تمہارا نہیں ہے بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے لہٰذا اس کو اللہ کی کمزور مخلوق پر خرچ کرو تو اس نے سینہ تان کر کہا تھا،

"قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ" (کون سے اللہ کی بات کرتے ہو یہ مال تو صرف اور صرف میرا ہے) اور میں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں اور علمی قابلیت کے بل پر یہ کمایا ہے،

اس کے غرور کا انجام یہ نکلا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اس کے حوالی موالی اور خوشامدی ٹولہ اسے زمین میں دھنستے ہوئے دیکھ رہا تھا مگر اس کو زمین میں دفن ہونے سے نہ روک سکا اور اس کا خزانہ اور بے تحاشہ جمع کی ہوئی دولت بھی اس کے کسی کام نہ آسکی، ربّ کریم فرماتے ہیں۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قف ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین
فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَ میں دھنسا دیا پھر کوئی جماعت نہ ہوئی کہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۚ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ۝

اس کی مدد کرتی اللہ کے علاوہ اور نہ ہی وہ کوئی مدد گار لا سکا۔

وہ کم ظرف اور ظاہر پرست لوگ جن کے منہ میں قارون کی بے اندازہ دولت دیکھ کر پانی آجایا کرتا تھا آج وہ اس کے عبرت ناک انجام سے سبق حاصل کر رہے تھے اور جان گئے تھے کہ جو اللہ کی بڑائی کا انکار کرے گا اس کا یہی انجام ہو گا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَکَانَہٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْکَاَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْکَاَنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ۝

وہ لوگ جو کل تک اس (قارون) جیسا ہونا چاہتے تھے۔ صبح کو کہنے لگے یہ (مال) تو بہت بُرا ہے! اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں اس کے لئے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اگر اللہ نے ہمارے اوپر احسان نہ کیا ہوتا تو ضرور ہمیں دھنسا دیتا۔ ارے بدبختی یہ کافر تو کامیاب نہیں ہوتے۔

ابرہہ کی ہولناک موت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کچھ ہی عرصہ پہلے ابرہہ کو بھی اپنی بڑائی کا دھوکہ ہوا تھا اسے اس بات پر بڑا طیش تھا کہ یمن کے لوگ موسم حج میں بیت اللہ کے طواف کے لئے کیوں جاتے ہیں اس نے ایک خوبصورت اور منقش گرجا بھی بنایا تھا تاکہ یہ لوگ بیت اللہ کی بجائے اس گرجے کا طواف کریں اور اللہ کے نام کی جگہ ابرہہ کی عظمت کا ڈنکا بجے مگر جب وہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کی تخریب کاری کا عزم کر لیا وہ ساٹھ ہزار کا

لشکر لے کر روانہ ہوا اس کے لشکر میں مکّہ والوں کے لئے جو عجیب چیز تھی وہ ہاتھیوں کا غول تھا، انہوں نے ہاتھی کب دیکھے تھے انہوں نے خوفزدہ ہو کر مکّہ خالی کر دیا اور کعبہ کی حفاظت کعبہ کے مالک پر چھوڑ دی، ابرہہ نے لشکر کو مکّہ کی طرف چڑھائی کا حکم دیا۔ خدا کی قدرت جب وہ بڑے ہاتھی کو مکّہ کی طرف ہانکتے تھے تو وہ گھٹنے ٹیک دیتا تھا۔ باقی ہر سمت پر چلنے کو تیار تھا۔ مگر مہاوتوں کی ہزار کوششوں کے باوجود وہ شہر مکّہ کی طرف چلنے کو تیار نہ ہوا۔ ابرہہ کے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے، شاید کسی نے جادو کر دیا ہے، یا کوئی اور شرارت کی ہے کہ ہاتھی اس طرف جانے کا نام نہیں لیتا۔ عین اس وقت جدہ یا بحر شعیب، کی طرف سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول آنے لگے، یہ عجیب و غریب سرخ چونچ والے پرندے تھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ ان کے دو پنجوں اور منہ میں تین تین کنکریاں تھیں۔ جو انہوں نے ابرہہ کے لشکر پر پھینکنی شروع کر دیں۔ ان کنکروں میں اللہ نے ایٹم بم سے زیادہ طاقت ڈال دی تھی، جس سپاہی یا ہاتھی کو کنکر لگتا، اُس کے جسم سے پار ہو جاتا۔ بہت سے لشکری ہلاک ہو گئے، کچھ زخمی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝	کیا نہ دیکھا تو نے کیا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ۔ کیا نہ کر دیا ان کی تدبیر کو غلط، اور بھیجے ان پر پرندے غول در غول، مارتے تھے وہ (پرندے) ان کو کنکر کھنگر کے۔ پس بنا دیا ان کو (اللہ نے) کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح۔

اس موقع پر خود ابرہہ بھی زخمی ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی اور ذلت منظور تھی۔

وہ اس وقت ہلاک نہ ہوا۔ عکرمہؓ کی روایت کے مطابق جسم کے جس حصے پر کنکر لگتا تھا۔ وہاں چیچک جیسے دانے پیدا ہو جاتے تھے۔ جن میں زہریلا مادہ بھر جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کی ہلاکت واقع ہو جاتی تھی۔ ہاتھی کو چلانے والے دونوں مہاوت اندھے ہو گئے اور وہیں مکہ میں رہ گئے۔ امّ المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق ان لوگوں نے نہایت ذلت کی زندگی بسر کی وہ مکہ میں بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ الغرض سارا لشکر تتر بتر ہو گیا، ابرہہ واپس اپنے دارالخلافہ پہنچا تو اُسے ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ اُس کے اعضاء گرنے شروع ہو گئے، جذام کی بیماری کی طرح آہستہ آہستہ اس کا سارا جسم گل گیا اور اس طرح وہ ہلاک ہو گیا۔ جن لوگوں کے سامنے وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا تھا ان کے سامنے اس کی بڑائی کی قلعی کھل گئی تھی اس کی ہولناک موت نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں کونسا واقعہ عرض کروں پوری تاریخ ان واقعات سے بھری پڑی ہے جب بھی کسی نے بڑائی کا دعویٰ کیا اسے منہ کی کھانی پڑی اور اس کے انجام نے ثابت کر دیا کہ وہ بڑا نہیں تھا بلکہ بہت چھوٹا تھا مگر اسے دھوکہ لگ گیا تھا، اس کی دولت نے، اس کے نفس نے اور اس کے خوشامدی درباریوں نے اسے دھوکے میں ڈالے رکھا لیکن جب غفلت کا پردہ چاک ہوا اور حقیقت کا آئینہ سامنے آیا تو اس آئینے میں جب اس نے اپنا جائزہ لیا تو اسے اپنے کمزور اور حقیر ہونے کا احساس ہوا۔

فانی دولت

اسی طرح انسان سیم و زر اور روپے پیسے کو بھی بہت بڑی چیز سمجھتا ہے اس کی جیب اگر بھری ہوئی ہو تو وہ بڑا اعتماد محسوس کرتا ہے۔ اسے خیال ہوتا ہے کہ اب میں جو چاہوں کر سکتا ہوں مجھے کوئی

روکنے والا نہیں وہ سرکش ہو جاتا ہے اور اس بات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے کہ رزاقِ حقیقی تو کوئی اور ہے اور وہ رزاق اگر رزق روک لے تو کوئی رزاق نہیں ہے جو رزق عطا کر سکے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝

اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے، کوئی نہیں، بلکہ یہ سرکشی اور حق سے بھاگنے کے لئے لگے ہوئے ہیں

وہ رزاقِ حقیقی ہے جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت پیدا کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں تنگی پیدا کر دیتا ہے۔

اَوَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۝

کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے

اس رزاقِ حقیقی پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے انسان کبھی تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے دکان پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ مجھے ملازمت پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ میری زمین اور تجارت مجھے پالتی ہے، کبھی سمجھتا ہے کہ اپنے کو اور اپنے خاندان کو میں خود پالتا ہوں، اور یوں اپنی ناقص عقل کی بناء پر ان چیزوں کو بڑا سمجھ کر ان کی پرستش میں لگا رہتا ہے۔

اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہوئے "اللہ اکبر" کہہ کر سب سے پہلے ان فاسد خیالات کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور بتا دیا جاتا ہے کہ یہ سب چیزیں چھوٹی ہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے وہ ہر بلندی سے بلند اور ہر بڑائی سے بڑا ہے اور وہ ایک بڑا ہی سب کو پالتا ہے نہ دکان تمہیں پال سکتی ہے، نہ ملازمت، تجارت اور زمین تمہیں پال سکتی ہے اور نہ تم خود اپنے آپ

کو پال سکتے ہو پالنا صرف اس کی شان ہے اور وہ انسانوں کو بھی پالتا ہے اور حیوانوں کو بھی پالتا ہے وہ پرندوں کو بھی پالتا ہے اور کیڑے مکوڑوں کو بھی پالتا ہے۔

جن وسائل پر تمہیں اعتماد ہے وہ سب فانی ہیں دکان فانی، ملازمت فانی، تجارت فانی، دولت فانی، تم خود فانی، .... ان فانی چیزوں پر اعتماد نہ کرو بلکہ اس ذات پر اعتماد کرو جو خود باقی اور اس کی ہر صفت بھی باقی، مالکیت باقی خالقیت باقی، رزاقیت باقی، قدرت باقی، علم باقی، غرضیکہ اس کی کوئی صفت فنا سے آشنا نہیں ہو سکتی۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ہر ذات فنا ہونے والی ہے اور (اے نبیؐ) تیرے عزت وعظمت والے پروردگار کی ذات ہی باقی رہے گی۔

بڑائی کے اسباب جن اسباب کی وجہ سے کسی کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور اسکی تعظیم اور اکرام کیا جاتا ہے وہ سارے اسباب اس کی مبارک اور مقدس ذات میں علی وجہ الاتم پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر سبب، ہر باشعور اور سمجھدار انسان سے تقاضہ کرتا ہے کہ وہ اسے سب سے بڑا سمجھے اور اس بڑے کی عظمت وکبریائی کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔

عام طور پر ہم جو کسی کو بڑا سمجھتے ہیں یا تو اس کے علم کی وجہ سے یا اسکی اعلیٰ صفات کی وجہ سے یا اس کے احسانات کی وجہ سے یا اس کی دولت کی وجہ سے یا اس کے اقتدار کی وجہ سے یا اس کی قوت وطاقت کی وجہ سے۔

ہر چیز بے مثال میرے رب کی عظیم اور بے مثال ذات میں ان میں سے ہر سبب بے مثال طریقے سے پایا جاتا ہے اس

کے علم کا حال یہ ہے کہ وہ خشکی اور تری کی ہر باریک سے باریک چیز کو جانتا ہے سورہ انعام میں ہے" اور غیب کی کنجیاں اس کے پاس ہیں انہیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اور درخت سے کوئی پتہ بغیر اس کے علم کے نہیں گرتا اور زمین کی تاریکیوں میں نہ کوئی دانہ ہے اور نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر سب ہی ایک کھلی کتاب میں مندرج ہے۔"

اس کی اعلیٰ صفات کو دیکھیں تو اس کی ہر صفت بے مثال ہے اور ایسی بے مثال کہ اگر ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ صفت کسی دوسرے میں بھی اسی شان کے ساتھ پائی جاتی ہے جس شان کے ساتھ میرے رب کے اندر پائی جاتی ہے تو یہ شرک کا ارتکاب ہوگا۔ وہ علیم وخبیر ہے، وہ سمیع وبصیر ہے، وہ رحیم وکریم ہے، وہ رزاق ہے، وہ خلاق ہے، وہ ستار ہے، وہ غفار ہے، وہ قادرِ مطلق ہے، وہ وہاب ہے، وہ تواب ہے، وہ فتاح ہے وہ غفور وشکور ہے، وہ حمید ومجید ہے، وہ حیّ وقیوم ہے، وہ ہادی ہے، وہ باقی ہے، وہ مالک الملک ہے، وہ عظیم وحفیظ ہے اور اس کی ہر صفت نرالی ہے۔ اور بے نظیر ہے اور اس کی صفات اور کمالات اس قدر ہیں کہ انسان اس کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔ قرآنِ حکیم میں ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ط۔	اور اگر وہ تمام درخت جو زمین میں ہیں قلم بن جائیں اور سمندر اُن کی سیاہی اور اس کے علاوہ سات اور بھی ایسا ہی بن جائیں) تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

اس کے احسانات دیکھیں تو وہ بے شمار ہیں رب کریم کا یہ فرمان سچ اور برحق ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ط — اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو شمار نہ کر سکو گے۔

بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اسی مالک کی جانب سے ہے۔

وَمَا بِکُمْ مِنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ — تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

زندگی اس کی نعمت، عقل اس کی نعمت، آنکھ، کان، ناک، زبان اس کی نعمت، والدین اس کی نعمت، والدین کے دل میں محبت کے لطیف جذبات اس کی نعمت، اولاد اس کی نعمت، رزق اس کی نعمت، پھل اور پھول اس کی نعمت، آسمان کی چھت اس کی نعمت، زمین کا فرش اس کی نعمت، سورج، چاند، ستارے اس کی نعمت، دن اور رات کا نظام اس کی نعمت، انسان اگر اس کی نعمتوں کو جھٹلانا بھی چاہے تو آخر کون کونسی نعمت کو جھٹلائے گا وہ تو نعمتوں کے حصار میں محصور ہے اسی لئے تو فرمایا گیا ہے، فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ کہ اے انسانوں اور جنوں تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"

اس کی دولت دیکھیں تو ہر چیز کا خزانہ اس کے پاس ہے اور تمام خزانوں کا وہ تنہا مالک ہے سورہ حجر میں ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ — اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور ہم اسکو مقررہ اندازے سے زیادہ نہیں اتارتے،

سورہ منافقون میں ہے:-

وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — اور آسمانوں اور زمینوں کے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں۔

سورۂ زمر اور سورۂ شوریٰ میں ہے۔

لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

اس کے اقتدار کو دیکھیں تو تمام جاندار اور بے جان چیزوں پر اسی کا بلکہ صرف اسی کا حکم چلتا ہے قرآن حکیم میں ہے۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ — حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:-

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ..... — خبردار سن لو پیدا کرنا اور حکم کرنا صرف اسی کے لئے مخصوص ہے۔

اس کی قوت وطاقت کا یہ عالم ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے فیصلے کو کوئی منسوخ نہیں کر سکتا، وہ جس کی مدد کرتا ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور جسے وہ بے یار و مددگار چھوڑ دے اسے کوئی مغلوب ہونے سے بچا نہیں سکتا

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِہٖ — اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہاری مدد چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے۔

عبادت بھی اس کی جب بڑائی کے سارے اسباب اس کے اندر

پائے جاتے ہیں اور اس طرح پائے جاتے ہیں کہ کسی دوسرے کے اندر پائے جا سکتے ہی نہیں تو اے چھوٹوں کو بڑا سمجھ کر جھکنے والو! اے ارباب اقتدار کی کاسہ لیسی کرنے والو! اے قوت و طاقت کی خوشامد کرنے والو! اے دولت اور دولت والوں کو خدا بنانے والو! اے اپنے محسنوں کی وفاداری کا دھرم بھرنے والو! سن لو اور کان کھول کر سن لو! کہ یہ سب جھوٹے ہیں اور ان کے پاس جو کچھ ہے وہ اس بڑے کا عطا کردہ ہے، آؤ اور اس بڑے کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تمہیں بار بار اللہ اکبر، اللہ اکبر سنا کر یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ وہی ایک بڑا ہے، بڑائی صرف اسی کی شان ہے بڑائی کا مستحق صرف وہی ہے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر

اللہ اکبر، اللہ اکبر

وہ بڑا اللہ تمہیں اپنے گھر بلا رہا ہے اس کے حکم کی تعمیل میں تاخیر نہ کرو تمہارا یہ حال کہ اگر دنیا کا کوئی "چھوٹا سا بڑا" کوئی دو ٹکے کا وزیر، کوئی مشیر، کوئی ڈی آئی جی کوئی ایس ایس پی، کوئی ڈی ایس پی تمہیں بلا لے تو تمہارے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے تم بھاگتے ہوئے جاتے ہو کہ کہیں تاخیر کی صورت میں "صاحب" ناراض نہ ہو جائیں ان "مصنوعی بڑوں" کی ناراضگی کا تو تمہیں اتنا خوف ہے اور وہ جو حقیقی بڑا ہے اس کی ناراضگی کی تمہیں کوئی پرواہ نہیں؟

دوسری حقیقت دوسری زندہ حقیقت جسے مؤذن بر سر عام بیان کرتا ہے اور ہر مسلمان اس کے جواب میں زبان سے اسے دہراتا ہے وہ ہے "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت! اور یہ وہ حقیقت ہے جسے آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی اور

رسول نے بیان کیا مخالفتوں کے ہجوم میں، پتھروں کی بارش میں گالیوں کی بوچھاڑ میں ڈنکے کی چوٹ بیان کیا۔

"لا الٰہ الا اللہ" میں کئی معنی آجاتے ہیں۔

اس کا سب سے پہلا معنیٰ ہے "لا معبود الا اللہ" یعنی عبادت صرف اللہ کی ہے عبادت میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں محبت اور اطاعت۔ اگر محبت ہو مگر اطاعت نہ ہو تو بھی عبادت نہ ہوگی اور اگر اطاعت تو ہو مگر دل میں محبت نہ ہو تو بھی عبادت نہیں ہوگی۔ محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ اب صرف اسی کا ہو کر رہ جائے اور غیروں سے بیگانہ ہو جائے ؎

وہ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا تھا۔

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً اور ہر طرف سے ٹوٹ کر (دل سے) اسی کی طرف متوجہ ہو جا۔

گویا دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس قدر سما جائے کہ غیر کی محبت کے لئے جگہ ہی باقی نہ رہے، جب مالکِ حقیقی کی محبت دل میں آئے گی تو ہر اس چیز سے محبت ہوگی جو اس مالک کے قریب کرنے والی ہے اور ہر اس چیز سے نفرت ہوگی جو اس مالک سے دور کرنے والی ہے، نماز اللہ کے قریب کرتی ہے تو نماز سے محبت ہوگی، لہو و لعب کی مجلس اللہ سے دور کرتی ہے تو ان سے نفرت ہوگی یوں بھی جس سے محبت ہوتی ہے اسے کثرت سے یاد کیا جاتا ہے۔ آقا کا ارشاد ہے:۔

مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ جس سے انسان محبت کرتا ہے اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی اس کا ذکر بھی کثرت سے ہوگا اور نماز بھی تو اللہ کے ذکر ہی کی ایک صورت ہے۔

جب مؤذن "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہتا ہے تو گویا وہ یوں کہتا ہے میں اور مجھ جیسے تمام دوسرے مسلمان محبت بھی صرف اللہ سے کرتے ہیں اور اطاعت بھی صرف اللہ کی کرتے ہیں محبت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اس کے سامنے سر کو جھکا دے کیونکہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں بُعد نہیں ہوتا اور جہاں اطاعت ہوتی ہے وہاں معصیت نہیں ہوتی، تو ہر وہ شخص جو "لا الٰہ الا اللہ" کی حقانیت کا قائل ہے اور اس کے مفہوم اور معنی کو سمجھتا ہے اس کے دل میں اس کلمہ کے سننے کے ساتھ ہی مسجد کی طرف چلنے کا اور الٰہ العٰلمین کے سامنے سر جھکانے کا جذبہ اُٹھے گا، اس کلمہ کی حقانیت کو تسلیم کرنے والا جواب میں لبیک کہنے کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔

حقیقی محبوب "لا الٰہ الا اللہ" کا دوسرا معنیٰ ہے "لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰه" یعنی محبوب حقیقی بھی وہی ہے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی ساری محبتیں اور چاہتیں اس محبوبِ حقیقی کی محبت اور چاہت کے تابع ہوں خواہ بیوی بچوں کی محبت ہو خواہ والدین کی محبت ہو، خواہ خاندان کی محبت ہو، خواہ بھائی بہنوں کی محبت ہو خواہ مال و دولت کی محبت ہو، خواہ تجارت کی محبت ہو، خواہ مکانوں اور سواریوں کی محبت ہو بلکہ اللہ تو فرماتے ہیں" اگر تمہارے دلوں میں ان چیزوں کی محبت اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ ہے تو پھر تمہیں اللہ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیئے۔"

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ   تو انتظار کرو کہ اللہ تعالےٰ تمہارے سامنے اپنا فیصلہ لے آئے۔

ابوبکر قطانیؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حج کے زمانے میں مختلف ملکوں سے علماء اور شیوخ مکہ مکرمہ آئے ہوئے تھے، محبت الٰہی پر بات چھڑ گئی اجتماع میں جنید بغدادیؒ سب سے کم عمر تھے، علماء نے اس سے پوچھا کہ اس بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔

جنید بغدادیؒ نے علماء کرام کی جب یہ فرمائش سنی تو خاموش ہو گئے اور کچھ دیر کے لئے سر جھکائے رکھا پھر سر اٹھایا تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی برس رہی تھی اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

محبت یہ ہے کہ بندہ اپنے جی سے گذر گیا ہو اور بے خود ہو چکا ہو، اپنے پروردگار کا ہر گھڑی ذکر کر رہا ہو اور اس کی ادائیگی میں ہر دم مشغول ہو، دل کی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہو، اللہ کی ہیبت کے انوار نے اس کا دل جلا دیا ہو، ہر وقت جام محبت سے اسی کی شراب صفا پیے رہتا ہو۔

کچھ اور معانی

"لا الہ الا اللہ" کا تیسرا معنیٰ ہے "لَا مُتَصَرِّفَ فِي الْعَالَمِ اِلَّا اللّٰه" کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے ظاہری اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں حقیقی تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے۔

"لا الہ الا اللہ" کا چوتھا معنیٰ ہے "لَا مَرْجُوَّ اِلَّا اللّٰه" صاحب ایمان کی ساری اُمیدیں اسی سے وابستہ ہونی چاہئیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا ان الفاظ سے شروع ہوتی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَجَائِيْ   اے اللہ تو ہی میری امیدوں کا سہارا ہے

اور یوں بھی دعا فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا ۔ اے اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں
"لا الٰہ الا اللہ" کا پانچواں معنیٰ ہے "لَا مَخُوْفَ اِلَّا اللّٰہ" یعنی ڈرنے کے لائق صرف اللہ ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ کائنات میں صرف اسی کا تصرّف اور حکم چلتا ہے نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے موت اور زندگی کا مالک وہی ہے وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے تو پھر کسی سے ڈرنے اور امیدیں رکھنے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے بلکہ مسلمان صرف اسی سے امیدیں رکھتا ہے اور صرف اسی سے ڈرتا ہے اسے ہر دم یہ خوف رہتا ہے کہ اگر وہ مالکِ حقیقی مجھ سے ناراض ہو گیا تو کیا بنے گا ۔

فانی میں نے ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات :: جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا

جب "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہ" کہہ کر معبود اسی کو مان لیا یہ بھی تسلیم کر محبوبِ حقیقی بھی وہی ہے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ کائنات میں صرف اسی کا تصرّف چلتا ہے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ ساری امیدیں اسی سے وابستہ ہیں یہ بھی تسلیم کر لیا کہ خوف صرف اسی کا ہے یہ سب کچھ مان لینے کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان دل میں خوف اور امید کے احساسات لئے ہوئے محبت و اطاعت کے جذبے کے ساتھ اس کے دربار اقدس میں حاضر نہ ہو ۔

تیسری حقیقت مؤذن جس تیسری حقیقت کا اعلان کرتا ہے وہ ہے "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد کو اللہ نے انسانیت کی ہدایت کا سامان دے کر بھیجا ہے ۔
اور ہدایت کا راستہ بتانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ انسان کو جو علم کے ذرائع دیئے گئے ہیں وہ ہدایت کے لئے ناکافی ہیں انسان کو قوّتِ لامسہ دی گئی ہے، قوّتِ باصرہ دی گئی ہے قوّتِ شامہ دی گئی ہے ـــ

قوتِ ذائقہ دی گئی ہے، قوتِ سامعہ دی گئی ہے اِن کو ظاہری حواس کہا جاتا ہے، مگر ان حواس کا دائرہ محدود ہے کانوں کے سننے کی حد محدود ہے آنکھوں کے دیکھنے کی حد محدود ہے پھر یہ سب غلطی بھی کر سکتے ہیں۔

حواسِ ظاہری کی طرح انسان کو پانچ باطنی حواس بھی دیئے گئے ہیں یعنی حسِ مشترک، حسِ خیال، حسِ واہمہ، حسِ حافظہ، حسِ متصرفہ لیکن ان کا دائرہ بھی محدود ہے اور غلطی سے بھی محفوظ نہیں، اس بناء پر رسول کو بھیجنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ ان کے پاس وحی کا علم ہوتا ہے جو شک سے پاک ہے جو غلطی سے پاک ہے جو تحریف اور تنسیخ سے پاک ہے جب مؤذن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے تو وہ حقیقت میں تمام مسلمانوں کی جانب سے تین باتوں کا اعلان کرتا ہے۔

ایک یہ کہ ہم آپؐ سے محبت اور آپؐ کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ جب تک آپؐ سے محبت نہ ہو تو شہادت بھی ناقص ہوتی ہے اور ایمان بھی ناقص رہتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ	تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔

جب آپؐ سے محبت ہو گی تو تعظیم بھی ہو گی رب کریم نے قرآن حکیم میں ان لوگوں کو کامیاب قرار دیا ہے جو ایمان کے ساتھ ساتھ آپؐ کی تعظیم بھی کرتے ہیں سورۃ الاعراف میں ہے

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ	پس جو لوگ نبیؐ پر ایمان لائیں، آپؐ کی تعظیم کریں، آپؐ کی مدد کریں اور اس

اُنْزِلَ مَعَہٗ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ | نور کی پیروی کریں جو آپؐ کے ساتھ اتارا گیا ہے تو صرف یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں:۔

دوسری بات جس کا اعلان مؤذن ایمان بالرسول کے ضمن میں کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم آپؐ کے پیغام اور کام کی اشاعت بھی کریں گے اور حفاظت بھی جیسا کہ ابھی آپ نے آیتِ مبارکہ میں سُنا "وَنَصَرُوْہُ" یعنی کامیاب ہیں وہ لوگ جو آپؐ کی یعنی آپؐ کے دین کی مدد کرتے ہیں۔

تیسری بات جس کا اعلان شہادت کے ضمن میں مؤذن تمام مسلمانوں کی جانب سے کرتا ہے وہ یہ کہ ہم زندگی کے ہر شعبے میں آپؐ کی اتباع اور اطاعت بھی کریں گے کیونکہ آپؐ کو اللہ کا رسول ماننے کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ آپؐ کی اتباع اور اطاعت کی جائے بلکہ شاعر تو کہتا ہے ؎

محمدؐ کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے | اگر اسی میں ہو خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

قرآنِ حکیم میں بار بار آپؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور آپؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے، سورۂ نساء میں ہے:۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ | جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ اعلان بھی فرماتے ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو تم پر رحم ہوگا۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ | اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔

چوتھی حقیقت | چوتھی حقیقت جس کا اعلان بذریعہ اذان کیا جاتا ہے

وہ ہے فلاح وکامیابی کا راستہ،

میرے بزرگو اور دوستو! دنیا کے پہلے انسان سے لے کر آخری انسان تک ہر کوئی اپنی اپنی سوچ کے مطابق کامیابی کی تلاش میں ہے کوئی شخص بھی ناکام نہیں ہونا چاہتا ہر ایک کی خواہش یہ ہے کہ میں زندگی کی دوڑ میں کامیاب ہو جاؤں یہ الگ بات ہے کہ ناقص العقل ہونے کی وجہ سے انسان بسا اوقات ناکامی کو کامیابی سمجھ لیتا ہے، وہ پستیوں کی طرف جا رہا ہوتا ہے لیکن اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میں بلندیوں کی طرف جا رہا ہوں وہ ہلاکت کے راستے کو اپنی حماقت کی وجہ سے بقائے دوام کا راستہ سمجھ لیتا ہے۔ کسی کو اپنی کامیابی دولت کے انبار میں نظر آتی ہے، کسی کو کامیابی عہدہ و اقتدار میں نظر آتی ہے، کسی کو کامیابی کھیل کے میدان میں نظر آتی ہے، کسی کو کامیابی الیکشن اور سلیکشن میں نظر آتی ہے کسی کو کامیابی ہیروئن کی پڑیا میں نظر آتی ہے، بعض اوقات وہ ایسی چیزوں میں کامیابی دیکھتا ہے کہ بعد میں اسے خود ندامت ہوتی ہے اور زبان سے وہ اقرار کرتا ہے کہ میں کتنا بے وقوف تھا کہ اس چیز کو اپنی کامیابی سمجھتا تھا۔

کائنات کا مالک قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ لوگو! کامیابی ان چیزوں میں نہیں ہے جن میں تم سمجھتے ہو۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ	قسم ہے زمانے کی تمام انسان خسارے
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا	میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو
الصَّالِحَاتِ	ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔

مؤذن "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" کہہ کر نماز اور اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہے اور پھر حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہہ کر گویا اس کی تشریح اور وضاحت

کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ لوگو! کامیابی ان چیزوں میں نہیں ہے جن میں تم اپنی خام خیالی کی وجہ سے سمجھتے ہو بلکہ کامیابی تو اللہ کی بندگی میں ہے ۔ اور بندگی کی کامل ترین صورت نماز ہے، بندہ بندگی کی تصویر بن کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے پھر جھک جاتا ہے پھر خاک پر پیشانی رگڑ کر خودی کو مٹا دیتا ہے اللہ کی تسبیح اور تحمید بیان کرتا ہے مناجات کرتا ہے گڑگڑاتا ہے اور اپنے مالک سے عفو و کرم کا طلبگار ہوتا ہے ۔

چوتھی اور آخری حقیقت کو بیان کرنے کے بعد مؤذن پانچویں اور چھٹی بار اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر رب کائنات کی کبریائی اور عظمت بیان کرتا ہے اور آخر میں دوبارہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کہہ کر بتلاتا ہے کہ لوگو! پھر سن لو عبادت کے لائق وہی اللہ ہے محبت کے لائق وہی اللہ ہے، قوتوں اور عناصر کا مالک وہی اللہ ہے اُمیدوں کا مرجع وہی اللہ ہے ڈرنے کے لائق وہی اللہ ہے ۔

گرامی قدر سامعین! اگر ہم ان حقائق کو سامنے رکھ کر اذان سنیں گے تو کچھ اور ہی روحانی لطف محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے ہر قدم پر ان حقائق کو سامنے رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے ۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ
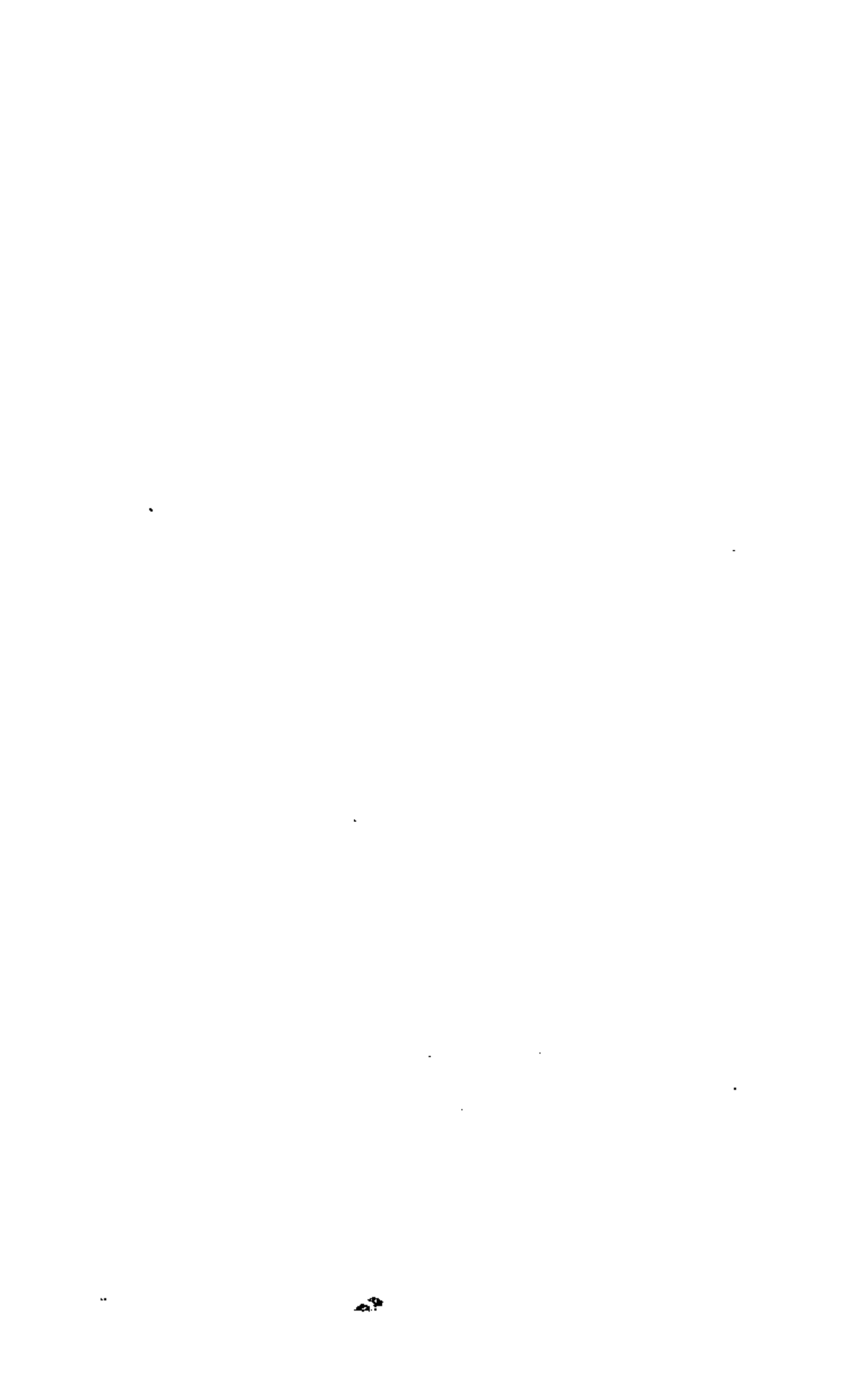
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہ شاہِ شہیداں وہ امامِ عاشقاں
سالکانِ منزلِ حیرت کا میرِ کارواں
خود کو شمشیرِ برہنہ جو رسالتؐ کی کہے
وہ پناہ گاہِ یتیماں و حلیفِ بے کساں
وہ وزیرِ اہلِ زمیں نبی رسولِؐ پاک کا
جھک کے دیتے ہیں سلامی اس کو اہلِ آسماں
مصر و ایران و عراق و شام کا فرمانروا
دشمنِ اہلِ جفا، اہلِ وفا کا پاسباں

"دنیا میں حضرت عمرؓ کے علاوہ بھی کئی فاتح گزرے ہیں۔ آپ سکندر کا نام لے سکتے ہیں، آپ چنگیز خان کا نام لے سکتے ہیں، آپ ہلاکو خان کا نام لے سکتے ہیں، آپ نپولین کا تذکرہ کرسکتے ہیں۔ مگر ان فاتحین کے کارناموں کو حضرت عمرؓ کی فتوحات سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہوسکتی۔

دنیا میں جن بڑے بڑے فاتحین کا نام لیا جاتا ہے خواہ وہ سکندر ہو یا چنگیز خان، خواہ وہ بخت نصر ہو یا تیمور اور نادر شاہ، خواہ وہ نپولین بونا پارٹ ہو یا ایڈلف ہٹلر، خواہ وہ مسولینی ہو یا ڈیگال یہ سب کے سب سفاک اور خونخوار تھے چنگیز خان اور دوسرے تاتاری بادشاہوں کی ہلاکت خیزیوں اور خون آشامیوں کا کسے علم نہیں۔ سکندر کا یہ حال تھا کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی فصیل پر لٹکا دیئے اس کے ساتھ تیس ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا اور مثالیں چھوڑیئے اس مہذب دنیا نے جو پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں لڑی اس کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ اس میں چونسٹھ لاکھ افرادِ انسانی قتل ہوئے۔ اور دوسری جنگِ عظیم جو ۱۹۳۸ء میں لڑی گئی اس کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی۔

ان کے مقابلے میں دورِ فاروقی کے مقتولین کو شمار کیجئے تو ان کی تعداد چند ہزار سے زائد نہ ہوگی۔ آدمیوں کا قتل عام تو ایک طرف درختوں کے کاٹنے کی اجازت نہ تھی، بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہ کیا جا سکتا تھا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

اور جو انصار و مہاجرین سے سابق و مقدم ہیں اور جن لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں چل رہی ہیں ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّكُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پہلی امتوں میں مُحدَّثین ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ النَّاسَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَعَلَیْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا یَبْلُغُ الثُّدِیَّ وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَیَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَیْهِ قَمِیْصٌ یَجُرُّهٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّیْنَ (متفق علیہ)

ابوسعیدؓ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران کہ میں ایک دن سویا ہوا تھا میں نے لوگوں کو دیکھا جو میرے سامنے پیش کئے گئے ان لوگوں نے قمیصیں پہن رکھی تھیں، بعض کی سینہ تک اور بعض کی اس سے زیادہ تھیں اور میرے اوپر عمر بن خطابؓ کو پیش کیا گیا اس کی قمیص (اتنی لمبی) تھی کہ گھسٹ رہی تھی۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپؐ نے اس کی تاویل کیا کی، فرمایا دین۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اُوْتِیْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰی اِنِّیْ لَاَرَی الرِّیَّ یَخْرُجُ فِیْ اَظْفَارِیْ ثُمَّ اَعْطَیْتُ فَضْلِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمُ.

(متفق علیہ)

ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں ایک مرتبہ سویا ہوا تھا (خواب میں دیکھا) کہ میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس کو پیا یہاں تک کہ سیرابی کو میں نے دیکھا کہ وہ میرے ناخنوں سے نکل رہی تھی۔ پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن الخطابؓ کو دیا۔ لوگوںؓ نے عرض کی "اے اللہ کے رسول آپؐ نے اس کی کیا تاویل کی" فرمایا: علم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ

ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں

رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ	کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
إِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ	نے، اللہ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور دل
وَقَلْبِہٖ۔ رواہ الترمذی وفی	میں رکھدیا ہے۔

روایۃ ابی داود عن ابی ذر قَالَ
إِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ
یَقُولُ بِہٖ۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ	حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ نے
عُمَرُ لِأَبِی بَکْرٍ یَا خَیْرَ النَّاسِ	ابوبکرؓ سے کہا اے رسول کے
بَعْدَ رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	بعد سب سے بہتر شخص ابوبکرؓ نے
فَقَالَ أَبُوْ بَکْرٍ أَمَا إِنَّکَ إِنْ	کہا تو یہ بات کہتا ہے جبکہ میں نے
قُلْتَ ذٰلِکَ فَلَقَدْ سَمِعْتُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا
رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ	کہ فرمارہے تھے سورج عمر سے بہتر کسی
یَقُولُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰی	شخص پر طلوع نہیں ہوا۔

رَجُلٍ خَیْرٍ مِنْ عُمَرَؓ

رواہ الترمذی وقال حدیث غریب

عن عقبۃ بن عامر	عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ
قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد اگر کوئی
لَوْ کَانَ بَعْدِی نَبِیٌّ لَکَانَ	نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔

عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ

رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث غریب

صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم

حضرات ! محرم الحرام کے مہینے کا آغاز ہو چکا ہے جو کہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اگرچہ بعض لوگوں کے پروپیگنڈا کے زیر اثر ہم نے اسے نوحہ و ماتم کا مہینہ سمجھ لیا ہے اور عام طور پر شیعہ ہوں یا سنی، اس مہینے کی مجلسوں، محفلوں اور جلسوں میں کربلا کے افسوسناک سانحے کا منظر اور پس منظر بیان کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور ہمیں اس وعظ و نصیحت پر اعتراض بھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت حسینؓ اور خاندانِ نبوّت کے ہر فرد سے جیسے دوسروں کو محبّت اور عقیدت ہے، ہمیں بھی ہے لیکن ایک بات کا شکوہ کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے وہ یہ کہ آخر اس بات کو کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں محرم کی دسویں ہی خون سے رنگین نہیں ہے بلکہ محرم کی یکم بھی عالم اسلام کے ایک عظیم اور بے مثال محسن کے پاکیزہ خون سے داغدار ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ یکم محرم الحرام کو خلیفۂ ثانی، خسرِنبیؐ، فاتح شام و عراق، مرادِ رسولؐ، امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطّاب کی المناک شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کا کیا مقام تھا،

مرادِ رسولؐ حضرت عمر رضہ وہ ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں کر کے اللہ سے مانگا تھا۔ یہ وہ دَور تھا جب مسلمان کمزور تھے، کافر طاقتور تھے، مسلمان تھوڑے تھے، کافر زیادہ تھے، ایمان قبول کرنے والوں پر بے پناہ ظلم کیا جاتا تھا۔ مکّہ میں جن دو سرداروں کی دہشت تھی، ان میں ایک ابوجہل کا نام نمایاں تھا اور دوسرے عمر بن خطابؓ کا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ دعا فرمائی "اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ» اے اللہ! عمر بن خطاب

یا عمرو بن ھشام کے ذریعہ عزّت اور غلبہ دے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ دعا عمر بن خطّاب کے حق میں قبول فرمائی۔ جن کی اس دعا سے پہلے یہ حالت تھی کہ اپنے خاندان میں جس کے اسلام قبول کرنے کی خبر سُنتے اس کے دشمن ہو جاتے، ان کے خاندان میں لبینہ نام کی ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس کو بے تحاشہ مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے علاوہ بھی اور جس جس پر بس چلتا اس کو زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا جس کو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں کے باوجود وہ کسی ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے اسی دوران مکہ میں کفّار کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کی روز افزوں ترقی کے سدِّ باب کے لئے طریقۂ کار پر غور کیا گیا۔ ابوجہل جو کفار کا سرغنہ تھا کہنے لگا ہماری طاقت و قوت گھٹتی جا رہی ہے لوگ آہستہ آہستہ دینِ آبائی سے پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ یہی حالت رہی تو ایک دن ایسا آئے گا کہ ھُبُل کے واسطے کوئی چڑھاوا بھی نہیں لائے گا۔ اگر محمد کو قتل کر دیا جائے (العیاذ باللہ) تو یہ جھگڑا ہی چک جائے گا، لیکن ھادیِ اسلام کو قتل کون کرے گا؟ اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر عمرؓ اُٹھے اور تلوار کھینچ کر کہنے لگے یہ قصہ میں ہی ختم کر دیتا ہوں اور تمہیں ابھی محمد کا سر لا کر دیتا ہوں۔ تلوار ہاتھ میں پکڑے ہوئے سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے، کارکنانِ قضا نے کہا ؎

آمد آں یارے کہ ما میخواستیم

راستے میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے انہوں نے ان کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ آج تم بہت غصّے میں نظر آتے ہو۔

کہنے لگے محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں جس نے سارے عرب کو پریشان کر رکھا ہے، نعیم بن عبداللہ بولے پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو تمہاری بہن اور بہنوی بھی تو اسلام قبول کر چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئیں اور قرآن مجید کے اجزاء چھپا لیے لیکن قرآن پڑھنے کی آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے انہوں نے کہا کچھ نہیں، کہنے لگے مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو یہ کہکر بہنوی سے دست و گریباں ہو گئے اور انہیں مارا پیٹا، بہن جب بچانے کو آئیں تو ان کو بھی مارا یہاں تک کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا، عمر! جو کر سکتے ہو کرو، چاہے بوٹیاں نچوالو یا شکنجے میں کس دو مگر اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا، دینِ حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے ہمیں معرفت کی رفعت مل گئی ہے اب اس سے گر نہیں سکتے۔[1]

ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے بدن سے خون جاری تھا، آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور منہ سے نامِ حق نکل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی اور دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ آخر وہ کیا بات ہے کہ جس کے پڑھنے سے ان میں وہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بوٹیاں بوٹیاں بھی کر ڈالو یہ اپنے نئے دین سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے لاکر دکھاؤ۔ بہن بولی تم اس کو بغیر غسل کے چھو نہیں سکتے ہو، چنانچہ ؎

اُٹھے اور غسل کر کے لے لیا قرآن ہاتھوں میں
اسی کے ساتھ آئی دولتِ ایماں ہاتھوں میں

---

[1] الفاروق

وہ قرآنی اجزاء جو ان کے سامنے لائے گئے تھے ان میں یہ سورہ تھی سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ تو بے اختیار پکار اٹھے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا میں دارِ ارقمؓ میں جاگزیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانۂ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے اور ابھی تک ان کے ایمان لانے کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابہؓ کو تردّد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا: "آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر، ورنہ اسی کی تلوار سے اُس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔" دروازہ کھول دیا گیا حضرت عمرؓ نے قدم اندر رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور فرمایا: کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوّت کی پُر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خشوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لئے۔ یہ کہنا تھا کہ ہر جانب صدائے مرحبا اُٹھی اور فضا میں نعرۂ اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور صحابہ کا جوش اس قدر تھا کہ مکّہ کی پہاڑیاں تک گونج اٹھیں۔

آقاؐ کی نظر اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو ایسا بدلا اور اسلام کے سانچے میں ایسا ڈھالا کہ آقاؐ کی نظر میں جچ گئے اور آقاؐ نے مختلف مواقع پر ان کے لئے ایسے فضائل و اوصاف بیان فرمائے جو حقیقتًا فاروقِ اعظم کے لئے دنیا و آخرت میں عظیم سرمایہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی

امتوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جن کو الہام کیا جاتا تھا میری امت میں وہ شخصیت عمرؓ ہے۔ بخاری شریف میں اس طرح ہے تم میں سے پہلے بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ اگرچہ نبی نہ تھے لیکن کلامِ الٰہی کے مخاطب ہوتے تھے۔ امتِ محمدیہ میں یہ درجہ عمر بن خطابؓ کو حاصل ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر بخدا شیطان تم کو دیکھ کر راستہ بدل دیتا ہے۔ حضرت سالم نے عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت مانگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے کر فرمایا میرے بھائی اپنی دعاؤں میں ہمیں شامل کرنا، نہ بھولنا۔ ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر بن خطابؓ اہل جنت کے چراغ ہیں۔ ابوذرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے فرمایا: اللہ نے عمرؓ کی زبان پر حق جاری فرمایا ہے، جب وہ بولتے ہیں تو گویا حق بولتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمرؓ کو ناراض مت کرو اس میں محتاط رہو، عمرؓ کی ناراضگی اللہ کے غضب کو ابھارتی ہے۔ عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔

حضرت سالمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا اتنے میں ایک دودھ کا پیالہ آیا میں نے اس کو سیر ہو کر پیا، اتنا دودھ کہ میرے دہن کے دونوں طرف سے بہہ نکلا، چنانچہ میں نے باقی ماندہ دودھ عمرؓ کے لئے چھوڑ دیا لوگوں نے عرض کی اس کی کیا تعبیر ہے۔ فرمایا علم (یعنی حضرت عمرؓ علم میں زیادہ ہوں گے)

محمد بن منکدر نے روایت کی ہے کہ جابر بن عبداللہؓ نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جنت میں داخل ہوا تو وہیں میں نے ایک محل دیکھا جس کے اندر سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں، میں نے پوچھا تو بتایا گیا یہ محل عمرؓ کا ہے۔ میرا جی چاہا کہ اس قصر میں داخل ہو جاؤں مگر پھر عمرؓ کی غیرت یاد آگئی" اس پر حضرت عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کہیں آپؐ کے بارے میں حمیّت ہوتی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اہل جنت سب سے اونچے درجات اور منازل کو یوں دیکھیں گے جس طرح اہل دنیا آسمان پر ستارے دیکھتے ہیں۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے اونچے اور عالی مرتبت منزل کے لوگوں میں ہیں اور یہ اس کے مستحق ہیں"

حُبِّ رسولؐ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمرؓ سے محبت تھی اسی طرح حضرت عمرؓ کو بھی ذاتِ اقدس سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے بارگاہِ نبوّت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد ہوا عمر! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونی چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اب حضور اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

آپ جمالِ نبوّت کے شیدائی تھے، ان کو اس راہ میں جان و مال، اولاد، عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا، عاص بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا، معرکۂ بدر میں خود ان کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کرلی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سُن کر حاضر خدمت ہو چاہا،

جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا: "خدا کی قسم! میں حفصہؓ کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اس کی گردن مار دوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عمرؓ کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا مسجدِ نبوی میں حالتِ وارفتگی میں قسمیں کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جس کی زبان سے نکلے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا ہے اس کا سر توڑ دوں گا۔

آپ کے وصال کے بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو رقت ہو جاتی اور رو روتے بے تاب ہو جاتے۔ ایک دفعہ سفرِ شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجدِ اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی[1]

انسان کی یہ فطرت ہے کہ محبوب کا عزیز اسے بھی عزیز ہوتا ہے۔ اس بناء پر جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں عزیز رکھتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے ایامِ خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ جب آپ نے صحابہ کے وظائف مقرر کئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام زیدؓ بن حارثہ کے فرزند اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ اپنے بیٹے عبد اللہؓ سے زیادہ مقرر کی۔ عبد اللہؓ نے شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اسی طرح جب فتح مدائن کے بعد مالِ غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحبزادے عبد اللہؓ کو صرف پانچسو روپے۔ حضرت

---

[1] خلفائے راشدین

عبد اللہؓ نے شکوہ کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا لیکن ان کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس محبت کی وجہ سے وہ زندگی کے ہر معاملے میں آقاؐ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ زندگی فقر و فاقہ سے بسر کی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے روم اور ایران کی شہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا اب اللہ نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لئے آپ کو نرم لباس اور نفیس غذا سے پرہیز نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جانِ پدر! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں۔ خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو۔ اس کے بعد دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ بے تاب ہو کر رونے لگیں۔

اسلام میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں جب اس کا موقعہ پیش آیا اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو پتھر کو بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکا ہو کہ اس میں بھی الٰہی شان ہے حجرِ اسود کو بوسہ تو دیا لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا

انی اعلم انک حجر و انک لا تضر و لا تنفع و لو لا انی — میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میں رسول اللہ

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ ۔ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا ۔

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح وہ بھی عمل پیرا ہوں ۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی ، حضرت عمرؓ جب اس طرف سے گزرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے ۔ ایک شخص نے پوچھا یہ نماز کیسی ہے ؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں نماز پڑھتے دیکھا ہے ۔

موافقاتِ عمرؓ حُبِّ رسولؐ ، کامل ایمان اور اتباع سنت کے جذبہ نے ان کے دل و دماغ کو انوارِ ربانی کا مرکز بنا دیا تھا اور کہنا چاہئے کبھی کبھی تو وحی کے نازل ہونے سے پہلے ہی اس کی خوشبو محسوس کر لیا کرتے تھے ، علماء نے کئی ایسے مسائل لکھے ہیں جن کے بارے میں جو رائے اور مشورہ حضرت عمرؓ نے دیا وہی قرآنی حکم اور اسلامی طریقہ بن گیا مدینہ منورہ آنے کے بعد جب نماز کے اعلان کے لئے مشورہ ہوا تو کسی نے ناقوس بجانے کا مشورہ دیا ، کسی نے تُرہی کی رائے دی ۔ حضرت عمرؓ نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کا اعلان کیا کرے ۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ نماز کا طریقہ رائج ہوا ۔ بدر کے معرکہ میں مخالف فوج کے تقریباً ستّر افراد زندہ گرفتار ہوئے ، ان میں اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے ۔ ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دلوں پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مبارکہ سودہؓ کی نظر جب ان پر پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں

بِاَیدِیکُم ھٰذٰا مُثّم کرامًا۔ تم مطیع ہو کر آئے ہو شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے۔ اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ سے رائے لی، لوگوں نے مختلف رائیں دیں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے بھائی بند ہیں اس لئے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ اور قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو خود قتل کر دے۔ علی رضؓ عقیل کی گردن مار دیں، حمزہ رضؓ عباس کا سر اڑا دیں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔ حفیظ جالندھری نے خوب ترجمانی کی ہے

عمر فاروق اٹھے، عرض کی اے سرورِ عالم
نہیں ہے آپ سے بڑھ کر کوئی اسرار کا محرم
یہ مکے میں ضعیفوں پر ہزاروں ظلم ڈھاتے تھے
ہمیشہ زیر دستوں کو زبردستی دکھاتے تھے
یہی وہ ہیں یتیموں سے نوالے چھیننے والے
سرِ زمزم فقیروں سے پیالے چھیننے والے
اگر چھوڑا گیا ان کو یہ پھر لڑنے کو آئیں گے
پرائے مُدعی ہر دم نئے فتنے اٹھائیں گے
گئے وہ دن کہ رشتہ دار تھے یہ لوگ ہم سب کے
ہم ان سے۔ اور یہ ہم سے بے تعلق ہو چکے کب کے
ہے ان کا قتل واجب کہ یہ ملت فسادی ہے
یہ اک رائے ہے آگے جس طرح ایمائے ہادی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شانِ رحمت کے اقتضا سے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ گویا

مشیت تھی یہی۔ یہ فیصلہ بالکل یقینی تھا
کہ اس امت میں رنگ رحمۃ للعالمینی تھا

لیکن اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ

کسی پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خونریزی نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضؓ پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں حضرت عمر رضؓ کو اس پر بارہا خیال ہوا، اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا لیکن آپؐ وحی کا انتظار کرتے تھے چنانچہ خاص پردے کی آیت نازل ہوئی، جس کو آیتِ حجاب کہتے ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ

اے نبی آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والی عورتوں سے کہ وہ اپنی چادر کو اپنے اوپر نیچی کرلیا کریں اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی (کہ مسلمان عورتیں ہیں) اور اس لئے انہیں ستایا نہ جائے گا۔

عبداللہ بن اُبی جو منافقوں کا سردار تھا جب مرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خُلقِ نبوی کی بنا پر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی، عمر رضؓ نے تعجبانہ عرض کیا کہ آپؐ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں؟ اس پر یہ آیت اتری:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ

ان (منافقین) میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں (بغرضِ دعا)

اسی طرح شراب کی حرمت اور مقامِ ابراھیم پر نماز کا آپؓ ہی نے

مشورہ دیا تھا۔

خوفِ خدا یاد رکھیے کسی ناپاک دل میں علم وحکمت کا چشمہ نہیں پھوٹ سکتا بلکہ اس کے لئے دل ودماغ کا پاک ہونا شرط ہے۔ نگاہ، زبان اور کانوں کا پاک ہونا شرط ہے۔ جب کوئی بندہ گناہوں کو یکسر چھوڑ دیتا ہے اور عبادت واطاعت میں فنا ہوجاتا ہے تو اس کا دماغ وہی سوچتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، اس کے کان وہی سنتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے، اس کی زبان وہی بولتی ہے جو اللہ پسند کرتا ہے، اس کی آنکھیں وہی کچھ دیکھتی ہیں جس کی اللہ اجازت دیتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا یہی حال تھا۔ وہ ہر مادی آرزو دل سے نکال چکے تھے، وہ نفسانی خواہشات سے دل کو پاک کر چکے تھے ان کی تو وہ حالت ہوگئی تھی جو خواجہ مجذوبؒ نے بیان کی ہے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا، اب تو خلوت ہوگئی

ان کی سوچ پاک تھی، ان کے جذبات پاک تھے، ان کی نظر پاک تھی، ان کی زبان پاک تھی، ان کی شنوائی پاک تھی، ان کے قلب و دماغ سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے اور مشیتِ باری تعالیٰ ان پر منکشف ہوجاتی تھی، ان کے دل ودماغ پر خوفِ خدا کا اس قدر غلبہ تھا کہ گناہ کا ارتکاب ان کے لئے محال ہوگیا تھا۔ بعض صحابہ کرامؓ خوفِ خدا اور تقویٰ سیکھنے کیلئے ان کی صحبت اختیار کرتے تھے۔

حضرت مسور بن مخرمہؓ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری و تقویٰ سیکھیں۔

حضرت عمرؓ خشوع وخضوع کے ساتھ رات بھر نمازیں پڑھتے

صبح ہونے کے قریب گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے : وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ نمازمیں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت وجلال کا بیان ہوتا اور اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ پڑھ کر اس زور سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا۔

حضرت حسنؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے :

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ تیرے رب کا عذاب یقینی ہے، اس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں

تو بہت متاثر ہوئے اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پر

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا جب ڈالا جائے گا ان کو ایک تنگ جگہ میں زنجیر سے باندھ کر تو وہ موت کو پکاریں گے۔

اس قدر خشوع خضوع طاری ہوا کہ اگر کوئی ان کے حال سے ناواقف شخص دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرواز کر جائے گی۔

رقتِ قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورۂ یوسف شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ تو زار و قطار رونے لگے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید ختم کرکے رکوع پر مجبور ہوگئے۔

قیامت کے مؤاخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال

رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا "تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد اور نیک اعمال کئے، اس کے بدلہ میں دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب برابر ہو جائے۔ بولے خدا کی قسم نہیں۔ ہم نے آپ کے بعد بھی روزے رکھے، نمازیں پڑھیں، بہت سے نیک کام کئے، اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے، ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں۔ موت کے وقت زبان پر یہ شعر تھا ؎

ظَلُومٌ لِنَفْسِیْ غَیرَ اَنِّیْ مُسْلِمٌ اُصَلِّی الصَّلٰوۃَ کُلَّھَا وَاَصُوْمٗ

میں نے اپنی جان پر ظلم کئے ہیں، ہاں اتنا ہے کہ مسلمان ہوں۔ پوری نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں۔

ایک بار راہ میں پڑا ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا کاش! میں بھی خس و خاشاک ہوتا، کاش! میں پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔

غرض حضرت عمرؓ کا دل ہر لمحہ خوفِ خداوندی سے لرزاں اور ترساں رہتا تھا۔ آپ فرماتے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا دنیا کے تمام لوگ جنتی ہیں تب بھی مؤاخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ بد قسمت انسان میں ہی ہوں۔

تواضع | حقیقت میں ان پر تواضع اور فنائیت کا بہت زیادہ غلبہ تھا اپنے آپ کو مسلمانوں کی جماعت کا ایک ادنیٰ فرد سمجھتے تھے۔ ایک طرف ان کے رعب و دبدبہ کا یہ حال تھا کہ محض نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوان

حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتے تھے۔ مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لا دیتے تھے پھر اس حالت میں تھک کر مسجد کے گوشہ میں فرشِ خاک پر لیٹ جاتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے ایامِ خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا چونکہ تھک گئے تھے اس لئے اپنے ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی اس کے لئے اس سے زیادہ کیا شرف ہو سکتا تھا، فوراً اتر پڑا اور سواری کے لئے اپنا گدھا پیش کیا۔ حضرت عمر رضؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا تم جس طرح سوار تھے سوار ہی رہو میں تمہارے پیچھے بیٹھ لوں گا غرض اسی حالت میں مدینے کی گلیوں میں داخل ہوئے لوگ امیر المومنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔

سنہ ۱۶ھ میں مسلمان فوجیں حضرت ابو عبیدہؓ کی قیادت میں شام کو فتح کرتے ہوئے فلسطین تک پہنچ گئیں عیسائی بیت المقدس میں قلعہ بند ہو گئے اور مسلم فوجوں نے اس کو محاصرہ میں لے لیا اس وقت عیسائی فوجوں کی طرف سے صلح کی پیش کش ہوئی جس میں ایک خاص شرط یہ تھی کہ خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ خود آ کر عہد نامہ کی تکمیل کریں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں کی اس پیش کش سے امیر المومنینؓ کو مطلع کیا حضرت عمر رضؓ صحابہؓ کے مشورہ سے فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ عمر فاروق رضؓ کے ساتھ ایک اونٹ تھا اور ایک خادم جب آپ مدینہ کے باہر پہنچے تو آپ نے خادم سے کہا ہم دو ہیں اور سواری ایک ہے۔ اگر میں سواری پر بیٹھوں اور تم پیدل چلو تو میں تمہارے اوپر ظلم کروں گا۔ اور اگر تم سواری پر بیٹھو اور

میں پیدل چلوں تو تم میرے اوپر ظلم کروگے ، اگر ہم دونوں اکٹھے سوار ہو جائیں تو ہم جانور کی پیٹھ توڑ ڈالیں گے اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہم راستہ کی تین باریاں مقرر کرلیں ۔ چنانچہ سفر اس طرح طے ہوا کہ ایک بار حضرت عمر فاروق بیٹھتے اور خادم اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلتا پھر خادم بیٹھتا اور آپ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلتے ۔ اس کے بعد کچھ دور تک اونٹ خالی چلتا اور دونوں اس کے ساتھ پیدل چل رہے ہوتے اس طرح سارا سفر طے ہوتا رہا[1]

اس سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آپؓ جب اسلامی لشکر سے ملے تو ان لوگوں نے دیکھا آپؓ ایک تہبند باندھے ہوتے ہیں اور آپ کے کرتے پر پیوند لگے ہوئے ہیں ۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے عرض کیا ! اے امیر المومنینؓ آپ کو عیسائیوں کے فوجی افسروں اور بڑے بڑے مذہبی عہدیداروں سے ملاقات کرنی ہے یہاں بڑے متمدّن لوگ رہتے ہیں آپ اس لباس میں ان کے سامنے جائیں گے تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابوعبیدہؓ کاش ! یہ بات تمہارے سوا کوئی اور کہتا ۔ تمہیں معلوم نہیں

اِنَّا کُنَّا اَذَلَّ قَوْمٍ فَاَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ فَمَہْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَیْرِ مَا اَعَزَّنَا اللّٰہُ بِہٖ اَذَلَّنَا اللّٰہُ ۔	ہم دنیا میں سب سے پست قوم تھے پھر اللہ نے اسلام کے ذریعے ہم کو عزت دی جب بھی ہم اس کے سوا کسی اور چیز کے ذریعہ عزت چاہیں گے تو اللہ ہم کو ذلیل کردے گا

معیار سامعینِ کرام ! حضرت عمرؓ کے اس جملے کی معنویت پر ضرور غور کیجیئے ، ان کے نزدیک عزت و ذلت کا معیار اسلام تھا اگر ایمان ہے تو عزت ہے ، اگر ایمان نہیں تو ذلت ہے لیکن آج ہمارے ہاں عزت و ذلت

---

[1] موطا امام مالک میں ہے کہ سواریاں دو تھیں ۔

کے معیار بدل چکے ہیں۔ ہمارے ہاں عزّت کا معیار دولت ہے۔ عزّت کا معیار بینک بیلنس ہے، عزّت کا معیار عہدہ ومنصب ہے، عزّت کا معیار حسب ونسب ہے، عزّت کا معیار کار، کوٹھی اور بنگلہ ہے۔ اوپر سے نیچے تک، رعایا سے حکمراں تک، جاہل سے عالم تک انہی چیزوں کو عزّت کا معیار سمجھتے ہیں اور ان کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں ہیں۔ پوری دنیا میں عزّت کا یہ سامان حاصل کرنے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے، حرام حلال اور جائز وناجائز کے امتیازات اُٹھ گئے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے یہ سمجھایا کہ لوگو! عزّت شاندار سواریوں میں نہیں ہے، عزّت زرق برق لباسوں میں نہیں ہے، عزّت دولت کے انبار میں نہیں ہے بلکہ عزت تو ایمان میں ہے۔ اگر دل میں ایمان ہو اور دنیا کا ظاہری سامان کچھ بھی نہ ہو تو انسان اللہ کے نزدیک معزّز ٹھہرتا ہے۔ اور اگر مادی چیزوں کی فراوانی ہو لیکن ایمان نہ ہو تو انسان پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں رہتا۔

آج کی دنیا میں مذہب وسیاست کے اسٹیج پر مختلف لیڈر قبضہ کیے ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا نام لیجیے جو عزّت صرف ایمان میں سمجھتا ہو اور اس کا عمل بھی اس کی گواہی دیتا ہو حضرت عمرؓ صرف زبان سے نہیں کہتے تھے ان کا عمل ان کے اقوال وخیالات کی تائید کرتا تھا وہ صرف زبان سے اپنے آپ کو حقیر، فقیر، پُرتقصیر لاشیٔ اور خاکسار نہیں کہتے تھے بلکہ عملاً بتاتے تھے کہ میں واقعی اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا۔ ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے، ایک شخص نے کہا امیر المؤمنین یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا! بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔ جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے[1]

---

[1] سیر الصحابہ

زہد وقناعت | تواضع کے ساتھ زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے قدامتِ اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن خطابؓ پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد وقناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ دنیا طلبی سے انہیں طبعًا نفرت تھی، حرص اور طمع ان سے کوسوں دور تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ عرض کرتے مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں جو اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے کہ "اس کو لے لو، پھر تمہیں اختیار ہے کہ اپنے پاس رکھو یا صدقہ کر دو۔ انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کا لباس ہمیشہ انتہائی سادہ ہوتا تھا ان کے جسم کے ساتھ کبھی نرم کپڑا مَس نہیں ہوا بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کُرتہ، سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں۔ اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے اور خود کو باریاب کرتے تھے، مسلمانوں کو شرم آتی تھی مگر اقلیم زہد کے شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا امیر المومنینؓ اب خدا نے خوشحال کیا ہے، بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے رہتے ہیں، اس لئے آپ کو اپنے طرزِ معاشرت میں تغیر کرنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا افسوس تم دونوں امہات المومنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو، عائشہؓ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن کو بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے، حفصہؓ تم کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو دُہرا کرکے بچھا دیا تھا، اس کی نرمی کے باعث رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے۔ بلال رضؓ نے اذان دی تو اس وقت آنکھ کھلی۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

يَا حَفْصَةُ مَاذَا صَنَعْتِ ثَنَّيْتِ الْمِهَادَ حَتَّى ذَهَبَ بِيَ النَّوْمُ إِلَى الصَّبَاحِ مَالِي وَلِلدُّنْيَا وَمَالِي شغلته في بين الفراشين ۔	حفصہ! تم نے یہ کیا کیا کہ بستر کو دوہرا کر دیا کہ میں صبح تک سوتا رہا میرا دنیا وی راحت سے کیا تعلق ہے؟ اور بستر کی نرمی کی وجہ سے تو نے مجھے غافل کر دیا

ایک دفعہ گزی کا کُرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لئے دیا اس نے اس کے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کُرتہ پیش کیا۔ حضرت عمر رضؓ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا کُرتہ لیکر کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے

ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے معلوم ہوا پہننے کے لئے کپڑے نہیں تھے اس لئے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کے لئے ڈال دیا تھا، خشک ہوئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

حضرت حسن رضؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، میں نے شمار کیا تو ان کے تہ بند پر بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔

غذا بھی عموماً سادہ ہوتی تھی۔ معمولاً روٹی اور روغنِ زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا، روٹی اگر گیہوں کی ہوتی تھی تو آٹا چھانا نہیں جاتا تھا، مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ حفص بن ابی العاص اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن شریک نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ نے وجہ پوچھی تو کہا آپ کے دسترخوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانے پر اس کو ترجیح نہیں دے سکتے، حضرت عمر رضؓ نے کہا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں

نفیس کھانا کھانے کی قدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیاوی عیش وعشرت کا دلدادہ ہوتا۔

بے مثال خلیفہ | ذاتی اوصاف وکمالات کے علاوہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے عمر بن خطاب نے جو عظیم خدمات انجام دیں ان کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ انسانی تاریخ کے بے مثال خلیفہ اور حکمراں تھے۔ انبیاء کے علاوہ کسی حکمراں کو ان کے مقابلے میں نہیں رکھا جا سکتا ان کی خدمات، ان کی اصلاحات، ان کی فتوحات، ان کا اندازِ حکمرانی، ان کا عدل وانصاف اور ان کا نظامِ احتساب ہر چیز بے مثال تھی۔ دنیا کے بڑے بڑے انقلابیوں، فاتحوں، حکمرانوں، عادلوں اور صاحبِ کردار انسانوں کو سامنے لائیے اور انہیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیجئے اور دوسرے پلڑے میں اکیلے عمر فاروق رضؓ کو رکھ دیجئے اور پھر ضمیر کو ہر قسم کے تعصبات سے آزاد کر کے پوچھئے کس کا پلڑا بھاری ہے تو میں سو فیصد یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کا ضمیر عمر عمر پکار اُٹھے گا۔ اور اگر ہم ان کی خدمات اور اصلاحات کو دیکھیں جن کا دائرہ مذہب سے سیاست تک، معاشیات سے معاشرت تک ہر جگہ پھیلا ہوا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں جسے غیر ترقی یافتہ دور کہا جاتا ہے انہوں نے ہر شعبہ میں کیسی کیسی انقلابی اصلاحات تجویز کیں۔

اولیاتِ عمر رضؓ | سب سے پہلے انہوں نے بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا، سب سے پہلے عدالتیں اور قاضی انہوں نے مقرر کئے، تاریخ اور سنہ انہوں نے قائم کیا جو آج تک جاری ہے، مقبوضہ ممالک کو صوبوں میں تقسیم اور کئی شہر یعنی کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط اور موصل انہوں نے آباد کرائے۔

لہ انبیاء کرام اور دیگر خلفاء راشدین کے استثناء کے ساتھ

امیر المومنین کا لقب سب سے پہلے انہوں نے اختیار کیا، فوجی دفتر اور والینٹیروں کی تنخواہیں انہوں نے مقرر کیں، مردم شماری اور زمین کی پیمائش انہوں نے کرائی۔

جیل خانہ، پولیس کا محکمہ اور فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

راستوں میں مسافر خانے اور شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

مدارس قائم کئے اور معلموں، اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

غریب عیسائیوں اور یہودیوں کے وظیفے مقرر کئے۔

حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام کے ساتھ اس کام کو پورا کیا۔

وقف کا طریقہ ایجاد کیا اور مساجد میں رات کو روشنی کا انتظام کیا، مساجد میں وعظ کا طریقہ شروع کیا چنانچہ ان کی اجازت سے تمیم داریؓ نے مسجد میں وعظ کیا اور یہ اسلام میں اس نوعیت کا پہلا وعظ تھا۔

راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش کے لئے وظیفے مقرر کئے۔

ان کے علاوہ بھی بیسیوں اصلاحات اور خدمات ہیں۔ جو حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار ہوتی ہیں۔

فتوحات حضرت عمرؓ کی فتوحات پر ایک نظر ڈالیں تو بھی عقل حیرت زدہ رہ جاتی ہے اور تاریخ ان کی مثال لانے سے قاصر رہتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے دس سال چار ماہ کے عرصہ خلافت میں ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل علاقہ فتح ہوا یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶، مشرق کی جانب ۱۰۸۷، جنوب کی جانب ۴۸۳ میل اور مغرب کی جانب جدّہ تک بڑے بڑے ملک اور شہر مثلاً شام، مصر، عراق اور جزیرہ آپ کے دور میں فتح ہوا اور کرمان

خراسان، خوزستان، آرمینیہ، آذربائیجان اور فارس آپ کے دورِ خلافت میں فتح ہوا اور مکران بھی آپ کے دورِ خلافت میں اسلام کے زیرنگین آیا۔

دنیا میں اور بھی کئی فاتح گزرے ہیں۔ آپ سکندر کا نام لے سکتے ہیں، آپ چنگیز خان اور ہلاکو خان کا نام لے سکتے ہیں، آپ نپولین کا تذکرہ کرسکتے ہیں مگران فاتحین کے کارناموں کو حضرت عمرؓ کی فتوحات سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہوسکتی۔ دنیا میں جن بڑے بڑے فاتحین کا نام لیا جاتا ہے خواہ وہ سکندر ہو یا چنگیز خان، خواہ وہ بخت نصر ہو یا تیمور اور نادر شاہ، خواہ وہ نپولین بونا پارٹ ہو یا ایڈلف ہٹلر، خواہ وہ مسولینی ہو یا ڈیگال یہ سب کے سب سفاک اور خونخوار تھے۔ چنگیز خان اور دوسرے تاتاری بادشاہوں کی ہلاکت خیزیوں اور خون آشامیوں کا کسے علم نہیں، سکندر کا یہ حال تھا کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے گئے اس کے ساتھ تیس ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اس طرح فارس میں جب اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔

اور مثالیں چھوڑیئے اس مہذّب دنیا نے پہلی جنگ عظیم جو ۱۹۱۴ء میں لڑی اس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ اس میں چونسٹھ لاکھ افرادِ انسانی قتل ہوئے اور دوسری جنگ عظیم جو ۱۹۳۸ء میں لڑی گئی اس کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی۔

ان جنگوں کے مقابلے میں دورِ فاروقی کے مقتولین کو شمار کیجئے۔ تو ان

کی تعداد چند ہزار سے زائد نہ ہوگی، حضرت عمرؓ نے فتوحات میں کبھی سرمُو انصاف سے تجاوز نہیں کیا، آدمیوں کا قتل عام ایک طرف درختوں کے کاٹنے کی اجازت تک نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہ کیا جا سکتا تھا بجز عین معرکۂ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا، دشمن کے ساتھ کبھی کسی موقعہ پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جا سکتی تھی، افسروں کو تاکیدی احکام دیئے جاتے تھے کہ دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو، کسی کی ناک کان نہ کاٹو، کسی بچے کو قتل نہ کرو۔ جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لیکر درگذر کی جاتی تھی۔

واضح فرق | حضرت عمر فاروقؓ کے مقابلے میں دوسرے فاتحین کا نام لینے والے مجھے کوئی ایک ایسا فاتح دکھائیں جس نے اس قدر احتیاط کے ساتھ اتنی پابندیوں کے ساتھ ایسے عفو و درگذر کے ساتھ اور ایسے زرّیں اصولوں کے ساتھ زمین کا ایک چپہ بھی فتح کیا ہو۔ اس کے علاوہ چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپاہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپاہ سالار میسّر آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہو جاتا تھا حضرت عمرؓ تمام مدتِ خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں البتہ ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اور واضح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گذرنے والے بادلوں کی طرح تھیں۔ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کیئے وہاں کوئی نظم حکومت قائم نہیں کیا۔ حقیقت میں ان لوگوں نے شہروں، دیہاتوں، قلعوں، بازاروں زمینوں اور جسموں کو فتح کیا، جبکہ حضرت عمرؓ نے زمینوں اور جسموں کے ساتھ ساتھ انسانوں کے قلب اور دماغ کو بھی فتح کیا، ان کی سوچوں کا رُخ بدل دیا، ان کے عقائد

میں زلزلہ برپا کر دیا، ان کے جذبات و خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے جو علاقے فتح کئے انمیں اپنے عہد میں ہی ملکی انتظامات قائم کر دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہزار چار سو بارہ سال گذرنے کے باوجود آج بھی یہ علاقے اسلام کے قبضے میں ہیں۔

اندازِ حکمرانی حضرت عمر کا اندازِ حکمرانی بے مثال ہے۔ حقیقت میں خلافت ان کے لئے پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بستر تھا۔ ذمّہ داری کے احساس نے ان کی راتوں کی نیند اڑا دی تھی۔ نہ دن کو سکون تھا نہ رات کو۔ ایک بار جب حضرت عمرو بن العاصؓ کے قاصد نے اسکندریہ کی فتح کی خبر مدینہ آنے کے کچھ دیر بعد سنائی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا تم آتے ہی مجھ سے کیوں نہ ملے۔ قاصد نے جواب دیا میں اس وقت مدینہ پہنچا تھا جب آپکے آرام کا وقت تھا میں سمجھا کہ آپ سو رہے ہوں گے اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے غلط خیال کیا اگر دن میں سو جاؤں گا تو رعایا کا نقصان کروں گا اور اگر رات کو سو جاؤں گا تو اپنا نقصان کروں گا، میں ان دونوں اوقات میں کیسے سو سکتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا اور شہر کے باہر اترا۔ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے پہرہ دیتے پھر رہے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی ادھر متوجہ ہوئے تو دیکھا ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر بعد پھر ادھر سے گزرے تو بچّے کو روتا پایا؛ غیظ میں آکر فرمایا "تو بڑی بے رحم ماں ہے" اس نے کہا تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھے دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک ماں کا دودھ نہ چھوڑیں ان کا بیت المال

سے وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کو دودھ چھڑاتی ہوں۔ اس وجہ سے یہ روتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس بات سے رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمرؓ! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا"۔ اسی دن منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی دن سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ اسلم جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے[1] اُن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لئے مدینہ سے تین میل پر ایک حرار نام کا مقام ہے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں پاس جا کر حقیقتِ حال دریافت کی۔ اس نے کہا کئی وقتوں سے بچّوں کو کھانا نہیں ملا ہے اُن کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دیا ہے، حضرت عمرؓ اسی وقت اُٹھے مدینہ آ کر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں فرمایا ہاں لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے۔ غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمرؓ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے، حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔ سچ تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک بدو اپنے خیمے سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ دفعۃً خیمے سے رونے کی آواز آئی پوچھا کون روتا ہے اس نے کہا میری بیوی ہے دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمرؓ گھر آئے اور ام کلثومؓ (حضرت عمرؓ کی زوجہ) کو ساتھ لیا اور بدو سے اجازت لیکر اُمّ کلثومؓ کو خیمے میں بھیجا۔ تھوڑی دیر

---

[1] راقم الحروف کی خوش قسمتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے غلام کا ہم نام ہے۔

کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم رضؓ نے حضرت عمرؓ کو پکارا امیرالمؤمنین اپنے دوست کو مبارک باد دیجئے۔ امیرالمؤمنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا اور مؤدب ہو بیٹھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا میں اس بچے کا وظیفہ مقرر کر دوں گا"[1]

خدارا! انصاف سے بتائیے، آپ کو کسی بھی مذہب میں، کسی بھی ملک میں دنیا کے کسی بھی دور میں ایسا حکمران دکھائی دیتا ہے جس کی بیوی یعنی خاتونِ اول دایہ گیری کے فرائض سرانجام دیتی ہو اور وہ خود راتوں کو اٹھ کر پہرہ دیتا ہو؟

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے، میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی مجھے بلالیا ہوتا، فرمایا ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر کے باہر ایک قافلہ اترا ہے، لوگ تھکے ماندے ہونگے آؤ تم ہم چل کر پہرہ دیں چنانچہ ہم دونوں گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا ان کی عجیب حالت ہوئی۔ جب تک قحط رہا گوشت، مچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے رہے کہ اے خدا! محمدؐ کی امت کو میری شامتِ اعمال سے تباہ نہ کرنا۔ اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو جو فکر و تردد رہتا تھا، اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے :

اے عمر لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے — میری لڑکیوں کو اور ان کی ماں کو کپڑے پہنا۔ خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر میں تمہارا

---

[1] الفاروق

کہا نہ مانوں تو کیا ہوگا۔ بدّو نے کہا:
تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا..... اور تو ہکا بکا رہ جائیگا
پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا۔ حضرت عمرؓ اس قدر روئے
کہ داڑھی تر ہوگئی۔ پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کُرتہ اس کو دیدو اس وقت اس
کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں

معذوروں کی سرپرستی آج اہل مغرب کو اپنے فلاحی اور سماجی نظام پر بڑا فخر ہے، اس کے باوجود وہاں کے کمزور اور
محروم افراد کو وہ سہولتیں حاصل نہیں جو حضرت عمرؓ نے ایسے افراد کو دی تھیں۔
سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے، جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ
نے ان سے کہا کہ آپ جمعے میں کیوں نہیں آتے انہوں نے کہا کہ میرے پاس ایسا
آدمی نہیں کہ جو مجھ کو راستہ بتائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو
ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔
ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے تو ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ
سے کھا رہا ہے پاس جاکر کہا داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا جنگ موتہ
میں میرا دایاں ہاتھ کٹ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوئی اور پاس بیٹھ
گئے اور کہنے لگے افسوس کہ تمہیں وضو، کون کراتا ہوگا؟ سر کون دُھلاتا ہوگا
کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں
خود مہیا کر دیں۔

عدل و انصاف آپ جانتے ہیں کہ فاروقی خلافت کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس سرے سے اس سرے
تک عدل و انصاف اور امن و امان کی حکمرانی تھی کسی کو ظلم کرنے کی جرات نہ ہوتی

تھی۔ اور اگر کسی سے ظلم کا ارتکاب ہو بھی جاتا تو اس سے انتقام لیا جاتا، خواہ وہ شاہ ہو یا گدا، حکمراں ہو یا رعایا ہر کسی کو عدل کی حکمرانی تسلیم کرنی پڑتی تھی۔

جبلہ بن الایہم غسانی شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہوگیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، اس نے برابر کا جواب دیا، جبلہ غصہ سے بے تاب ہوگیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت سُن کر کہا: تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس مرتبہ کے لوگ ہیں کہ جو شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کوئی تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں، غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی خاطر قانونِ انصاف کو نہیں بدلا۔

ایک دفعہ تمام عہدیدارانِ ملکی کو حج کے زمانے میں طلب کیا۔ اور مجمعِ عام میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاصؓ گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمّال موجود تھے۔ ایک شخص نے ہاتھ اٹھا کر کہا فلاں عامل نے بے وجہ مجھے سو درّے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا اُٹھ اور اپنا بدلہ لے۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا امیرالمومنین! اس طرح کے عمل سے تمام عمّال بد دل ہو جائیں گے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تاہم ایسا ضرور ہوگا۔ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ اپنا کام کر۔ آخر عمرو بن العاصؓ نے اس شخص کو راضی کر لیا کہ وہ دو سو

دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے ۔

احتساب اپنے گورنروں اور عاملوں کی کڑی نگرانی فرماتے تھے اوران کا احتساب کرتے رہتے تھے ۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے ، ایک طرف سے آواز آئی عمر! کیا عاملوں کے لئے چند قواعد مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے ۔ تمہیں یہ خبر بھی ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے ؟

حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا : عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے اسی ہیئت لور لباس میں ساتھ لے کر مدینے آئے ، حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اترواکے بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگواکر حکم دیا جنگل میں لے جاکر چراؤ۔ عیاض کو تو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھ کو اس سے عار کیوں ہے ، تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے ۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں اپنے لئے محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی ۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگی محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جاکر ڈیوڑھی میں آگ لگا آئیں ۔ محمد بن مسلمہ نے حکم پر عمل کیا اور سعد بن ابی وقاصؓ دیکھتے رہ گئے ۔

شہادت حضرات ! میں سیدنا عمر بن خطابؓ کی زندگی اور کارنامے پر تو تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں آئیے میں آج آپ کے سامنے ان کی شہادت کا

تذکرہ کروں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر دن کے لئے شب ہے اور ہر بہار کے لئے خزاں ہے۔ سیدنا عمر بن خطابؓ جب دنیا کے سامنے اسلام کے عادلانہ نظام کو عملی طور پر قائم کر چکے تو ان کی زندگی کی شام ہو گئی مگر ایسی شام جس پر ہزاروں روشن صبحیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ دعا مانگا کرتے تھے اللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي اے اللہ مجھے شہادت عطا کر اپنے راستہ سَبِيْلِكَ وَمَوْتًا بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ میں اور موت دے اپنے رسول کے شہر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں دعائیں قبول فرمالیں۔ ہوا یوں کہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولولو فیروز نہاوند کا رہنے والا تھا وہ ایک روز بازار میں امیر المومنینؓ سے ملا اور کہنے لگا: "میرے آقا نے میری طاقت سے زیادہ مجھ پر محصول مقرر کر رکھا ہے آپ کم کرا دیجیے" حضرت عمرؓ نے پوچھا تمہارا محصول کتنا ہے؟ اس نے کہا دو درہم روزانہ۔ آپ نے پوچھا تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا نجاری، نقاشی، آہن گری۔

امیر المومنینؓ نے کہا: تین پیشے تمہارے ہاتھ میں ہیں اس کے باوجود بھی تم شکایت کرتے ہو۔ میرے خیال میں تو یہ رقم تمہارے پیشوں کے مقابلے میں زیادہ نہیں ہے۔

باتوں باتوں میں امیر المومنین نے پوچھا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تم چکیاں بنانا جانتے ہو۔ اس نے جواب دیا جی ہاں! آپ نے فرمایا تو مجھے ایک چکی بنا دو۔ ابولولؤ نے جواب دیا: اگر میں زندہ رہا تو ایسی چکی بنا کر دوں گا جس کی شہرت مشرق و مغرب تک پھیل جائے گی یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔ حضرت عمرؓ کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔ آپ نے فرمایا: اس غلام نے مجھے دھمکی دی ہے۔

چنانچہ ایک دن حضرت عمرؓ حسبِ معمول فجر کی نماز پڑھانے مسجدِ نبوی میں تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں درّہ تھا جو کبھی آپ سے جدا نہ ہوتا تھا آپ صفوں کے درمیان سے گزرتے اپنی جگہ پہنچ گئے۔ پہلے صفیں سیدھی کرائیں اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔ یکایک مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولؤلؤ، جو نمازیوں میں شامل تھا ایک دو دھاری خنجر لیے آگے بڑھا اور نہایت پھرتی سے آپ پر چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے لگا۔ امیرالمومنین اسی وقت زمین پر گر پڑے۔ یہ حملہ اتنی تیزی اور اچانک ہوا کہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ لیکن دیر کے بعد لوگوں کو ہوش آیا اور بعض دلیر لوگ ابولؤلؤ کو پکڑنے آگے بڑھے لیکن اس نے دائیں بائیں خنجر چلانا شروع کر دیا جس سے تیرہ آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔ آخر ایک شخص نے آگے بڑھ کر پھرتی سے اس پر کمبل ڈال دیا اور اسے قابو میں کر لیا۔ جب ابولؤلؤ کو یقین ہو گیا کہ وہ بچ نہیں سکتا تو اس نے اپنے خنجر سے خودکشی کر لی۔ جب لوگ حضرت عمرؓ کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ آپ کے خون سے زمین سرخ ہو رہی ہے انہوں نے آپ کی مرہم پٹی کرنے کا ارادہ کیا مگر آپ نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور فرمایا: کیا تم میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ موجود ہیں۔ عبدالرحمٰن لوگوں کو چیرتے آگے بڑھے اور کہا: امیرالمؤمنینؓ میں حاضر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آگے جاؤ اور نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مختصر سی نماز پڑھائی۔ لوگوں کی نظریں حضرت عمرؓ کی طرف تھیں انہوں نے دیکھا کہ آپ زمین پر ٹیک لگا کر نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔

زخم کھانے کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ ان کا قاتل کون ہے؟ جب آپ کو پتہ چلا کہ قاتل ابولؤلؤ ہے تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور فرمایا کہ الحمدللہ

میرا قاتل اپنی زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والا مسلمان نہیں۔ مزید اطمینان کیلئے آپ نے ایک صحابی کو پوچھ گچھ کے لئے بھیجا۔ وہ مہاجرین وانصار سے جا کر پوچھتے تھے کہ کہیں قاتل ان میں سے تو نہیں ؟ وہ روتے ہوئے نفی میں جواب دیتے۔ یہ ہو بھی کس طرح سکتا تھا کہ کوئی مسلمان عمر بن خطاب پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کرتا۔ آپ ہی نے اسلام کو عزت بخشی، آپ کے عہد میں فتوحات پر فتوحات ہوئیں جن کے ذریعے اسلام کا بول بالا ہوا، آپ ہی کے لشکروں نے قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتوں کو روند ڈالا اور ہر جگہ اسلام کا طوطی بولنے لگا۔

جب لوگ آپ کو مسجد سے اٹھا کر گھر لائے تو طبیب آیا پہلے اس نے آپ کو کھجوروں کا پانی پلایا جو پیٹ کے زخم سے باہر نکل آیا اس کے بعد دودھ پلایا، وہ بھی سارے کا سارا نکل آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کو یقین آ گیا کہ اب ان کا آخری وقت آپہنچا ہے۔ اس یقین کے بعد آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے کہلا بھیجا کہ وہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پہلو میں دفن کرنے کی اجازت دیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن میں اسے عمر رضؓ کے لئے قربان کرتی ہوں۔ حضرت عمر رضؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے لیکن اپنے بیٹے عبداللہ رضؓ کو بلا کر فرمایا: میں نے عائشہ رضؓ کی طرف کہلا بھیجا تھا کہ وہ مجھے میرے دوستوں کے پاس دفن کرنے کی اجازت دیدیں۔ چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں انہوں نے خلافت کے اثر یا تکلّف سے اجازت نہ دی ہو اس لئے جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل اور کفن دینے کے بعد میرا جنازہ ان کے دروازہ پر لے جانا اور کہنا کہ عمرؓ اجازت چاہتا ہے کہ اسے آپ کے حجرے میں اس کے دو محترم رفیقوں کے برابر دفن کیا جائے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کرنا ورنہ جنت البقیع لے جانا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ والد کی وفات کے بعد ہم ان کا جنازہ ان کی وصیت کے مطابق حضرت عائشہ رضہ کے حجرہ کے دروازہ پر لے گئے اور ان سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضہ کے پہلو بہ پہلو دفن کئے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے برابر دفن کئے گئے تھے اور حضرت عمر رضہ آپ کے پہلو کے متوازی دفن کئے گئے۔

حضرت علی رضہ آپ کے جنازے پر آئے اور فرمایا: دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص تھا جو اس کپڑے میں لپٹا ہوا ہے۔

حضرت ام ایمن رضہ نے آپ کی وفات کے موقعہ پر کہا: اب اسلام کمزور ہو گیا۔

سعید بن زید رضہ نے حضرت عمر رضہ کی وفات کے دن روتے ہوئے کہا: آج میں اسلام پر روتا ہوں۔ عمر رضہ کی موت نے اسلام کی عمارت میں ایک ایسی دراڑ ڈال دی ہے جو قیامت تک نہیں بھری جاسکتی۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضہ نے فرمایا: عمر رضہ کی وفات سے اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کس طرح، انہوں نے کہا اگر تم زندہ رہے تو تم میری بات کی صداقت دیکھ لوگے۔ عمر رضہ کے بعد اگر کسی شخص کو والی بنایا گیا اور اس نے اسی شدت سے کام لیا جو حضرت عمر رضہ کے زمانہ کا خلاصہ تھا تو لوگ اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اگر اس نے کمزوری اختیار کی تو لوگ اسے قتل کر ڈالیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو حضرت عمر بن خطاب رضہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

غافلوں کے لئے چند تازیانے

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتی ہے نہ دیا ہے

"میں آپ کی غفلتوں پر چند تازیانے برسانا چاہتا ہوں، میں آپکے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنا چاہتا ہوں، میں آپ کی غیرت وحیا کے مزار کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہتا ہوں، میں تڑپنا چاہتا ہوں، میں تڑپانا چاہتا ہوں، میں رونا چاہتا ہوں، رُلانا چاہتا ہوں، میں آپ کو ماضی کا آئینہ دکھانا چاہتا ہوں، میں داستانِ پارینہ دُہرانا چاہتا ہوں، میں مکّہ کی مظلومیت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، میں خونِ شہیداں کے چھینٹے اُڑانا چاہتا ہوں، میں مظلوموں کی سسکیاں اور آہیں سُنانا چاہتا ہوں، میں بدر و اُحد کا منظر سامنے لانا چاہتا ہوں، میں فاقہ کشوں کے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر اور جسم پر لٹکتے ہوئے چیتھڑے دکھانا چاہتا ہوں۔

میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ دین جس سے تم نے منہ موڑ لیا، جسے تم نے جنسِ ارزاں سمجھ کر چھوڑ دیا، جس پر چلنے کے لئے تمہارے پاس وقت نہیں، جس پر نچھاور کرنے کے لئے تمہاری رگوں میں خون نہیں، جس کی خاطر تڑپنے کے لئے تمہارے سینے میں دل نہیں، جس کے لئے تمہارے گھروں، دکانوں شہروں، دیہاتوں اور محلوں میں کوئی جگہ نہیں، جسے سینے سے لگانے کے لئے کوئی تیار نہیں، جانتے بھی ہو کہ اس دین کی خاطر کتنی قربانیاں دی گئی ہیں؟ کتنا خون بہایا گیا ہے؟ کتنے بچے یتیم کرائے گئے ہیں؟ کتنی عزتیں لُٹی ہیں؟ کتنے گھر برباد ہوئے ہیں؟ کتنی جوانیاں نثار ہوئی ہیں؟ کتنے گلشن تاراج ہوئے ہیں؟ اس دین کی خاطر روحِ عالم، فخرِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو کن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟ نبی کی دعوت پر لبیک کہنے والے مسلمانوں پر کیا گزری؟ ان میں سے بعض مظلوموں کی داستان تو اتنی دلدوز ہے کہ پڑھ کر اور سُن کر آج بھی جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے"

غافلوں کے لئے چند تازیانے

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ

امّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ (عنکبوت)	کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے اور ہم انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے گذرے ہیں، سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ ۝	کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے درآنحالیکہ (ابھی) تم پر ان لوگوں کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہیں تنگی اور سختی پیش آئی اور انہیں ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ پیغمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ تھے بول اٹھے کہ اللہ کی امداد (آخر) کب آئے گی۔ سن رکھو اللہ کی امداد یقیناً قریب ہی ہے۔

وَعَنْ مِرْدَاسِ نِ الْاَسْلَمِی
قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ
الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَتَبْقٰی
حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِیْرِ
اَوِ التَّمْرِ لَا یُبَالِیْهِمُ اللّٰهُ
بَالَةً (بخاری)

حضرت مرداس اسلمی کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مرتے رہیں گے
نیک بخت لوگ یکے بعد دیگرے اور باقی
رہیں گے ردی و بے کار (یعنی بد اور بدکار)
مانند جو کی بھوسی یا کھجور کی بھوسی کے جن کی
اللہ کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

وعن انس قال قال رسول اللّٰه
صلی اللّٰه علیه وسلم یاتی علی الناس
زمان الصابر فیهم علی
دینه کالقابض علی الجمر
(الترمذی)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایک زمانہ لوگوں
پر ایسا آئے گا جس میں دین پر صبر کرنے
والا شخص اس آدمی کے مانند ہوگا جس
نے اپنے مٹھی میں انگارہ لے لیا ہو۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْشِكُ
الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْكُمْ
كَمَا تَدَاعَی الْاَكَلَةُ اِلٰی
قَصْعَتِهَا قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ
وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ
قَالَ بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ كَثِیْرٌ
وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ

حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب
گمراہ لوگوں کے گروہ کے بعض آدمی بعض
کو تم سے لڑنے اور تمہاری شان و
شوکت کو مٹانے کے لیے یوں بلائیں گے
جس طرح ایک کھانا کھانے والی جماعت
کے بعض بعض کو بلاتے ہیں کھانے کی طرف
یہ سن کر صحابہ میں سے کسی نے پوچھا کیا

السَّبِيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ ۔ (رواہ ابوداؤد وبیہقی)

وہ لوگ ہم پر اس لیے غلبہ حاصل کریں گے کہ ہم تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا تم اس زمانہ میں بڑی تعداد میں ہوگے لیکن ایسے جیسے کہ دریا یا نالوں کے کنارے پانی کے جھاگ ہوتے ہیں، تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وھن پیدا ہو جائے گا، کسی نے عرض کیا وھن کیا چیز ہے یا رسول اللہ! فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔

گرامی قدر حاضرین! میری آج کی تقریر کا انداز آپ کو کچھ بدلا ہوا سا محسوس ہوگا۔ اگر الفاظ میں کچھ تپش ہو، جملوں میں حرارت ہو، لہجے میں تلخی ہو تو معاف کر دیجیے گا۔ میں آج آپ کی غفلتوں پر تازیانے برسانا چاہتا ہوں، میں آپ کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنا چاہتا ہوں، میں آپ کی غیرت و حیا کے مزار کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہتا ہوں، میں تڑپنا چاہتا ہوں، تڑپانا چاہتا ہوں، میں رونا چاہتا ہوں رلانا چاہتا ہوں، میں آپ کو ماضی کا آئینہ دکھانا چاہتا ہوں، میں داستانِ پارینہ دہرانا چاہتا ہوں، میں مکہ کی مظلومیت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، میں خونِ شہیدان کے چھینٹے اڑانا چاہتا ہوں، میں مظلوموں کی سسکیاں اور آہیں سنانا چاہتا ہوں، میں بدر و احد کا منظر سامنے لانا چاہتا ہوں، میں فاقہ کشوں کے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر اور جسم پہ لٹکتے ہوئے چیتھڑے دکھانا چاہتا

ہوں۔

ارے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ دین جس سے تم نے منہ موڑ لیا جسے تم نے جنسِ ارزاں سمجھ کر چھوڑ دیا، جس پر چلنے کے لئے تمہارے پاس وقت نہیں جس کی حفاظت واشاعت کے لئے تمہارے پاس پیسے نہیں، جس پر نچھاور کرنے کے لئے تمہاری رگوں میں خون نہیں، جس کی خاطر تڑپنے کے لئے تمہارے سینے میں دل نہیں، جس کے لئے تمہارے گھروں، دوکانوں، شہروں، دیہاتوں اور محلوں میں کوئی جگہ نہیں، جسے سینے سے لگانے کے لئے کوئی تیار نہیں۔

اللہ کے بندو! جانتے بھی ہو اس دین کی خاطر کتنی قربانیاں دی گئی ہیں؟ کتنا خون بہایا گیا ہے؟ کتنے بچے یتیم کرائے گئے ہیں؟ کتنی عزتیں لٹی ہیں؟ کتنے گھر برباد ہوئے ہیں؟ کتنی جوانیاں نثار ہوئی ہیں؟ کتنے گلشن تاراج ہوئے ہیں؟

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس دین کی اشاعت کا پروگرام ڈرائنگ روموں میں تیار ہوا تھا اور آرام دہ سواریوں کے ذریعہ اسے پوری دنیا میں پھیلا دیا گیا تھا؟ اگر تمہیں یہ دین اور ایمان کی دولت میراث میں مل گئی ہے تو کیا کسی اور نے بھی اس کے لئے کوئی قربانی نہیں دی؟

میرے دوست! تھوڑی دیر کے لئے آنکھوں کے سامنے سے غفلت کا پردہ ہٹا، چشم بکشا میرے ساتھ آ میں تجھے ماضی کے چند مناظر دکھادوں

یہ مکہ ہے | یہ مکہ ہے، اسے اُمّ القریٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں بیت اللہ ہے جس کی بنیاد ملائکہ نے رکھی، جس کی تعمیر کا شرف سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کو حاصل ہوا مگر ایک دَور ایسا بھی آیا جب کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، ان کی عبادت ہوتی

تھی مگر ربِ کعبہ کی عبادت نہیں ہوتی تھی پھر میرے نبی نے، تیرے نبی نے جنّ وانس کے نبی نے، مشرق ومغرب کے نبی نے، انبیاء علیہم السلام کے سردار نے، ایمان کی دعوت دی، توحید کا اعلان کیا، شرک کی تردید کی، اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔ آپؐ اکیلے تھے کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ایک دن ایسا بھی آیا آپ صبح گھر سے نکلے ایک فکر اور تڑپ لے کر فکر یہ تھی کہ انسان جہنم کا سامان بننے سے بچ جائے، تڑپ یہ تھی کہ ہر سینے میں ایمان کا نور سما جائے لیکن جس سے بھی ملے اس نے ٹھکرایا، مذاق اڑایا برا بھلا کہا، نبی کا دل ٹوٹ گیا ہائے اللہ میں انہیں تیری بندگی کی دعوت دیتا ہوں یہ مجھے گالیاں دیتے ہیں، میں صلہ نہیں مانگتا، اُجرت کی آرزو نہیں سیادت کی خواہش نہیں، انہیں کا بھلا چاہتا ہوں یہ سمجھتے کیوں نہیں۔ آپ انتہائی مغموم اور رنجیدہ خاطر ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں، دل میں غم ہے، آنکھوں میں آنسو ہیں، زبان پر دعائیں ہیں، ربِ محمدؐ نے بڑے پیار سے پکارا :

يَاۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔	اے کمبل اوڑھنے والے اُٹھ، پس ڈرا (لوگوں کو رب سے) اور بڑائی بیان کر اپنے رب کی۔

پہاڑی کا وعظ آپ ہمت کر کے نئے ولولہ اور جذبہ کے ساتھ ایمان کی دعوت کے لئے پھر سے کھڑے ہو جاتے ہیں، کوہِ صفا پر چڑھ جاتے ہیں، "یَا صَبَاحَاهُ" کا نعرہ لگاتے ہیں، کم وبیش چالیس آدمی جمع ہو جاتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھتے ہیں: لوگو! اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف دشمن آرہا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے،

لوگوں نے اقرار کیا مَا جَرَّبْنَا عَلَیْکَ کَذِبًا ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، آپ ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ میں تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرانے عَذَابٍ شَدِیْدٍ والا ہوں۔

لوگو! اگر ایمان اور توحید اختیار نہیں کرو گے تو اللہ تعالےٰ کے سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

ابولہب کی شقاوتیں اس مجمع میں آپ کا حقیقی چچا ابولہب بھی موجود تھا، حضور علیہ السلام کی بات سُن کر اُس نے بڑی نفرت کے ساتھ اپنے ہاتھ جھٹکے اور کہا تَبًّا لَکَ یَا مُحَمَّدُ اَلِہٰذَا جَمَعْتَنَا تیرے لئے ہلاکت ہو، کیا تو نے اسی بات کے لئے ہمیں جمع کیا تھا ہم تو مصروف اور کام والے لوگ ہیں، تو نے ہمارا وقت ضائع کر دیا۔ پھر وہ گالیاں دیتا ہوا اور آپؐ کو بُرا بھلا کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں رقیہؓ اور اُمّ کلثومؓ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں ابولہب بدبخت نے دونوں کو طلاق دلوادی۔ بڑے بیٹے عتبہ نے تو یہ ذلیل حرکت بھی کی کہ طلاق بھی دی اور آپؐ کے چہرۂ انور پر بھی تھوکا۔ ہائے اس چہرہ پر تھوکا جو چاند سے زیادہ حسین اور پھولوں سے زیادہ خوبصورت تھا، جس چہرے کی تابانیوں سے سورج کو ضیا اور ستاروں کو چمک ملی ـــ اور کس لئے تھوکا؟ کیوں آپ کی بیٹیوں کی پیشانیوں پر طلاق کا دھبّہ لگایا؟ صرف اس لئے کہ آپ ایمان کی دعوت دیتے تھے۔

آپ تڑپ اُٹھے اپنا داماد بیٹی کو طلاق بھی دیتا ہے اور چہرے پر

بھی تھوکتا ہے آپ کی زبانِ اقدس سے نکل گیا :

اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ ۔ اے اللہ اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو اس پر مسلط کر دے ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایک بھیڑیا اسے قافلہ میں سے اٹھا کر لے گیا اور اس کی تکا بوٹی کر دی[1]۔

ابولہب کی بیوی ام جمیلہ جنگل سے کانٹے وغیرہ کاٹ کر لاتی اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گزرگاہ پر ڈال دیتی تاکہ ریشم سے زیادہ نرم و نازک تلوے زخمی ہو جائیں۔ اس بدبخت کے گلے میں رسّی پھنس گئی اور اسے خود ہی پھانسی ہو گئی۔ عرب میں عکاظ، لعینہ اور ذی المجاز کے میلے بہت مشہور تھے اور دور دور سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات پر جاتے اور میلے میں آئے ہوئے لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت دیتے، لیکن پتہ ہے وہاں کیا ہوتا؟ روح المعانی اور بعض دوسری تفاسیر میں ہے طارق فرماتے ہیں میں نے ذوالمجاز کی منڈی میں دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو تلقین کرتا ہوا جا رہا ہے قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْنَ (اے لوگو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو فلاح پا جاؤ گے) اس کے پیچھے ایک اور شخص اونچا قد اور سفید چوغہ پہنے ہاتھ میں پتھر لئے جا رہا ہے اور کہہ رہا ہے لوگو! اس کی بات نہ ماننا یہ (معاذ اللہ) جھوٹا ہے کذّاب ہے اور ابولہب کے پتھر مارنے سے حضور علیہ السلام کا سارا جسم لہولہان ہو رہا تھا حتیٰ کہ پاؤں تک زخمی ہو چکے تھے[2]۔ اللہ نے ایسا انتقام لیا کہ یہ شقی حیوان طاعون کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔

---

[1] روح المعانی ص ۲۶۲/۳۰ج، تفسیر کبیر ص ۱۶۴/۳۲ج [2] روح المعانی ص ۲۶۰/۳۰ج

چونکہ یہ متعدی بیماری تھی ابولہب کے بیٹوں نے اسے الگ کر دیا، کوئی اس کے قریب نہیں جاتا تھا وہ اچھوت بن کر رہ گیا، اسی بیماری میں مرگیا تین دن تک کوئی بھی اس کی لاش کے قریب نہیں گیا، لاش کا تعفن ناقابلِ برداشت ہوگیا تو حبشی غلاموں کو کرایہ پر حاصل کیا گیا جو کسی طرح سے اس کی لاش کو اٹھا کر لے گئے اور لکڑی کے ساتھ گڑھے میں ڈال کر اوپر پتھر ڈال دیئے۔

جور وجفا کے لئے کمیٹیاں ابولہب سگا چچا تھا اس کے ہاتھوں پہنچنے والی ایذاؤں کا درد سوا ہوتا ہوگا لیکن یہ مت خیال کیجئے کہ ایذارسانی کا کام صرف ابولہب ہی کرتا تھا، حالت تو یہ تھی کہ ایمان کی دعوت اور توحید کے اعلان کی وجہ سے مکہ کا ہر کس وناکس مخالفت پر اتر آیا تھا، ذرہ ذرہ خون کا پیاسا تھا، جب ظالموں نے دیکھا کہ انفرادی تشدد کارگر ثابت نہیں ہورہا تو اس مقصد کے لئے باقاعدہ کمیٹی بنائی گئی جس کا امیر بدبخت ابولہب ہی تھا اور مکہ کے مختلف قبائل اور خاندانوں کے ۲۵ سردار اس کے ممبر تھے ایک قسم کی اقوامِ متحدہ بن گئی جس کا مقصد شمعِ رسالت کو بجھانا اور حق کے پیغام کی اشاعت کو روکنا تھا اس کمیٹی کے سامنے ایک مشکل سوال یہ بھی تھا کہ مکہ میں دور دراز سے آنے والے لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر کرنے کے لئے کیا حربہ اختیار کیا جائے اور کونسا پروپیگنڈا کیا جائے تاکہ لوگ اس کی بات ہی نہ سنیں۔ ایک نے کہا ہم آنے والوں کو بتایا کریں گے کہ کاہن ہے۔ ولید بن مغیرہ جو ایک خرانٹ بڈھا تھا اس نے اعتراض کیا میں نے بہتیرے کاہن دیکھے ہیں لیکن کہاں تو کاہنوں کی تک بندیاں اور کہاں محمدؐ کا کلام ہم کو ایسی بات نہیں کہنی چاہئے جس سے عرب قبائل یہ سمجھ لیں کہ ہم جھوٹ

لہ ثابت ہوا کہ ابتداء سے ہی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اقوام متحدہ بنتی رہی ہے۔

بولتے ہیں۔

دوسرے نے کہا ہم اسے دیوانہ کہیں گے

ولید بولا: محمدؐ کو دیوانگی سے کیا تعلق (اس جیسا تو فرزانہ کوئی نہیں)

تیسرا بولا: اچھا ہم کہیں گے شاعر ہے

ولید نے کہا ہم جانتے ہیں شعر کیا ہوتا ہے۔ محمدؐ کے کلام کو شعر سے ذرا بھی مشابہت نہیں۔

چوتھا بولا: ہم اسے جادوگر مشہور کر دیں گے۔

ولید نے کہا: محمدؐ نفاست و طہارت کے ساتھ رہتا ہے جبکہ جادوگر منحوس اور ناپاک ہوتے ہیں۔

اب سب نے عاجز ہو کر کہا: چچا تم ہی بتاؤ کہ پھر کیا کہا جائے ولید نے کہا: سچ تو یہ ہے کہ محمدؐ کے کلام میں مٹھاس ہے، ہم زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا کلام ایسا ہے جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے بچ کر رہو[1]

آخر میں کمیٹی نے اس ریزولیوشن پر اتفاق کر لیا: "محمدؐ کو ہر طرح سے دق کیا جائے، بات بات میں اس کی ہنسی مذاق اُڑایا جائے، تمسخر اور ایذا رسانی سے اسے سخت تکلیف دی جائے، محمدؐ کے سچا سمجھنے والوں پر مظالم ڈھائے جائیں"

چنانچہ اس ریزولیوشن پر پوری طرح عمل شروع ہو گیا اور مکّہ والوں نے جنگل کے درندوں کو بھی شرما دیا۔

قریش کی ایذائیں بسا اوقات آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیئے جاتے تاکہ رات کے اندھیرے میں آپ کے پاؤں زخمی ہو جائیں اور گھر کے

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۹ ج ۱

دروازے پر نجاست پھینک دی جاتی۔ آپ صرف اتنا فرما دیتے کہ اے عبد مناف کے بیٹو! ہمسائیگی کا حق خوب ادا کرتے ہو۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا اس نے اپنی چادر کو بل دے کر رسی جیسا بنایا اور جب آپ سجدہ میں گئے تو چادر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کیے گردن مبارک بہت بھنچ گئی تھی تاہم آپ پورے اطمینان سے سجدہ میں پڑے رہے اتنے میں ابو بکر صدیق رض آ گئے انہوں نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور یہ آیت پڑھتے ہوئے اسے ملامت کی

اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ يَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدۡ جَآءَكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ۔	کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس وہ نشانیاں بھی لایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس تکلیف سے نجات مل گئی مگر چند بدمعاشوں نے حضرت ابو بکر رض کو پکڑ لیا اور اتنا مارا کہ سر سے خون بہنے لگا۔

ایک دوسری دفعہ کا ذکر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے قریش بھی صحنِ کعبہ میں جا بیٹھے ابوجہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے، اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی جائے اور اٹھا لائے اور اس نبیؐ کے اوپر دھر دے، سنگدل عقبہ اٹھا نجاست بھری اوجھڑی اٹھا لایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو پشت مبارک پر رکھ دی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ربّ العزت کی جانب متوجہ اور فنا فی العبادت تھے شاید کچھ خبر بھی نہ ہوئی ہو لیکن کفّار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی موجود تھے کفار کے تیور دیکھ کر ان کو تو حوصلہ نہ ہوا مگر معصوم سیّدہ فاطمہؓ آگئیں انہوں نے اپنے عظیم ترین ابا کی پُشت سے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا اور ان سنگدلوں کو سخت سُست بھی کہا۔

ابوطالب کا تردّد سارے قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ اور متحد تھے، ایک ابوطالب تھے جو بھتیجے کا دفاع کر رہے تھے لیکن ایک وقت آیا کہ ابوطالب بھی کچھ متردّد ہو گئے اور انھوں نے آپؐ کو بُلا کر کہا:

> "میرے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہہ رہے تھے ذرا میری جان کا بھی خیال کرو اور اپنی جان کا بھی، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر خیال ہوا کہ شاید ابوطالب اب ان کے معاملہ میں متردّد ہیں اور اب آپؐ کی حمایت اور پشت پناہی نہ کر سکیں گے، آپؐ نے فرمایا کہ:

"چچا! اللہ کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دے یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں

تب بھی میں اس سے باز نہ آؤں گا۔"

یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ رو دیئے۔ اس کے بعد آپ اٹھے اور تشریف لے جانے لگے، آپ کو اس طرح جاتے دیکھ ابو طالب نے آپ کو آواز دی اور کہا کہ میرے بھتیجے! آؤ آپ سامنے تشریف لائے، انہوں نے کہا جاؤ اور جو تمہارا دل چاہے کہو اور جس طرح چاہو تبلیغ کرو خدا کی قسم میں تم کو کبھی کسی کے حوالہ نہ کروں گا۔"

سوشل بائیکاٹ ے نبوی میں بنو ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا گیا کھانا بند کیا گیا، پانی بند کیا گیا، زندگی کے تمام ذرائع اور وسائل روک دیئے گئے۔ ایک دو ماہ نہیں، پورے تین سال تک ابو طالب کی گھاٹی میں اسی حال میں رہنے پر مجبور کیا گیا، خود آپ کو مجبور کیا گیا۔ بوڑھے ابو طالب کو معصوم بچوں کو اور ناتوان عورتوں کو مجبور کر دیا گیا، ننھے ننھے بچے اس لئے بلبلاتے تھے کہ ان کی ماؤں کی چھاتی میں دودھ نہیں ہے، آٹھ آٹھ دس دس دن سے ان کے منہ میں اُڑ کر کوئی کھیل بھی نہیں پہنچی ہے۔ کیا سخت وقت ہے کہ پیشاب سے شرابور خشک چمڑے کو دھو کر بھون بھون کر ان کو کھانا پڑا جن کے دانت نے شاید سوکھا گوشت بھی نہیں چبایا تھا، جو پتے شاید بکریاں بھی شوق سے نہ کھاتیں ان پر ہفتوں بسر کرنا پڑا۔[1]

ذرا سوچیے! کہ بچوں کی آہ و بکا اور ماؤں کی سسکیوں کا قلب مبارک پر کیا کچھ اثر نہیں ہوتا ہوگا اور یہ سب کچھ صرف اس لئے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی دعوت سے باز آجائیں۔

تعذیب صحابہؓ عیاشیوں سے مست ہو کر دین سے اور ایمانی تقاضوں سے روگردانی کرنے والے مسلمانو! تم نے سُن لیا کہ ایمانی دعوت

---

[1] النبی الخاتم صلا

کی خاطر روحِ دوعالم، فخرِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کو کن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ آیئے میں اب آپ کو بتاؤں کہ نبی کی دعوت پر لبّیک کہنے والے مسلمانوں پر کیا گزری جن میں خوش حال اور مقامی لوگ بھی تھے لیکن اکثریت ان بے سہارا غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں تھا دہکتے ہوئے کوئلوں پر زندہ کھال والی پیٹھیں ننگی پیٹھیں لٹائی گئیں، جلتی ہوئی ریت پر جانداروں کو سُلایا گیا۔ کتے جب مرجاتے ہیں تب ان کی ٹانگوں میں رسّی باندھ کر مہتر (بھنگی) گھسیٹتے ہیں لیکن قریش کے مہتروں میں سے ایسے مہتر بھی تھے جنہوں نے جیتے جاگتے آدمیوں کے گلے میں رسّیاں باندھیں اور مکّہ کی گلیوں میں انہی رسیوں کے ساتھ وہ گھسیٹے گئے، گرم پتھروں پر کھُلے بدن کے ساتھ کوڑے مار مار کر سچ کو چھوڑ کر جھوٹ بولنے کے لئے تڑپائے گئے، تلملائے گئے، چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی راہ سے تیز وتند ایندھنوں کا دھواں پہنچایا گیا۔[1]

ان میں سے ایک مظلوم کی داستان اتنی دلدوز ہے کہ پڑھ اور سُن کر آج بھی پسینہ آجاتا ہے۔

بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے، اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے جب امیہ نے سُنا کہ بلال مسلمان ہوگئے تو ان کے لئے مختلف عذاب ایجاد کئے کبھی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں بالوں کے ہاتھ میں دے دی جاتی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عاشقِ صادق کو مکّہ کی پہاڑیوں میں لیے پھرتے، کبھی وادیٔ مکہ کی گرم ریت پر انھیں لٹا دیا جاتا اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا، کبھی مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹا جاتا کبھی دھوپ میں بٹھا دیا جاتا اور مسلسل بھوکا رکھا جاتا مگر ان ساری تکلیفوں

---

[1] النبی الخاتم ص۵

کے باوجود حضرت بلالؓ اَحَد اَحَد کے نعرے لگاتے رہتے۔

حضرت عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ مسلمان ہو گئے تھے، ابوجہل ان پر ظلم کے پہاڑ ڈھاتا۔ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب سہتے دیکھا تو فرمایا اصبروا یا ال یاسر فانّ موعدکم الجنۃ (یاسر والو صبر کرو تمہارا مقام جنت ہے)

ابو فکیہہ جن کا نام افلح تھا ان کے پاؤں میں رسّی باندھ کر انہیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا

خبّاب بن ارتؓ کے سر کے بال کھینچے جاتے گردن مروڑی جاتی، آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا۔

لبینہؓ، زنیرہؓ، نھدیہؓ اور ام عبیسؓ بے چاری لونڈیاں تھیں ان کے سنگدل آقا انہیں ایسی سخت سزائیں دیتے کہ دیکھنے والے کانپ اٹھتے تھے۔

میرے دوستو! چڑیوں کے بھی گھونسلے ہوتے ہیں جن میں وہ پناہ لیتی ہیں اور سانپوں کی بھی بانبیاں ہوتی ہیں جن میں وہ چھپ کر گزند دینے والوں سے اپنی جان بچاتے ہیں[۱] لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں سے اوّلاً تو اکثریت تھی ہی ان غلاموں اور لونڈیوں کی جن کا نہ کوئی اپنا گھر تھا نہ جائیداد تھی وہ تو غیروں کے رحم و کرم پر زندگی کا سفر طے کر رہے تھے مگر دشمنانِ دین نے ان سے یہ عارضی سہارے بھی چھین لیے، صرف ان کے سروں کو چھت ہی سے محروم نہیں کیا بلکہ ان کے قدموں تلے سے زمین بھی سرکا لی اور انہیں مکہ سے ہجرت کرنے اور پہلے حبشہ اور پھر یثرب میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

---

[۱] النبی الخاتم ص۵۲

بزرگانِ محترم! کبھی آپ نے غور کیا کہ اللہ کے یہ بندے ظلم وستم کیوں سہہ رہے تھے وہ کونسی چیز تھی جس نے ان کے لئے تپتی ہوئی ریت اور دہکتے انگاروں پر لیٹنا آسان کر دیا تھا وہ کونسی دولت تھی جس کی حفاظت کے لئے وہ دربدر ٹھوکریں کھا رہے تھے، یقین جانیے کہ وہ چیز اور وہ دولت صرف ایمان تھی اس کے علاوہ کوئی تنازع نہیں تھا، کوئی اختلاف نہیں تھا

یہ طائف ہے اور میں واقعہ طائف کا تذکرہ کرنا تو بھول ہی گیا نبوت کے دسویں سال ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا ابو طالب کی وفات سے مشرکین دلیر ہو گئے اور وہ اوچھی حرکتوں پر اُتر آئے، تسلّی دینے والی ہمدرد رفیقۂ حیات بھی نہ رہی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا قصد کیا، دل میں خیال یہ تھا کہ یہاں دلوں کی زمین بنجر ثابت ہو رہی ہے شاید طائف کے دل سرسبز ہوں، یہاں جی نہیں لگتا شاید وہاں لگ جائے، یہ نہیں سُنتے شاید وہ سُن لیں یہ نہیں مانتے شاید وہ مان لیں یہ نہیں سمجھتے شاید وہ سمجھ جائیں یہ دوزخ سے بچنا نہیں چاہتے شاید ان کے دلوں میں جہنم کے انگاروں سے بچنے کی آرزو ہو یہ ظالم ہیں سنگدل ہیں، حیوان ہیں۔ شاید وہ عادل ہوں رحمدل ہوں انسان ہوں۔ زید بن حارثہؓ آزاد غلام کے سوا کوئی بھی ساتھ نہ تھا اتنا سرمایہ بھی نہ تھا کہ طائف تک کے لئے کوئی سواری ہی کرایہ پر کر لی جائے معمولی نعلین مبارکین کے سوا پاؤں کا سفر آسان کرنے والی کوئی چیز نہ تھی اسی حال میں سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے طائف پہنچے۔ طائف میں باغات بھی تھے، چشمے بھی تھے، سبزہ بھی تھا، درخت میوہ جات سے لدے ہوئے تھے، بڑی بڑی دوکانیں تھیں، خوشحالی تھی، فراوانی تھی لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان میں سے کسی چیز پر نظر نہ تھی،

آپؐ تو بس ایک ہی فکر لے کر آئے تھے وہ یہ کہ کچھ ایسے لوگ مل جائیں جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دیں اور جن کے دلوں میں ایمان کی حقیقت بیٹھ جائے اور وہ جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں جیساکہ ایک مشہور حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے :

مَثَلِی وَمَثَلُکُمْ اَنَا اٰخُذُ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ ۔ میری مثال تمہارے سامنے ایسا ہے کہ میں تم لوگوں کی کمریں پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں ۔

لیکن جب آپؐ یہ فکر، یہ تڑپ، یہ پیغام لے کر بڑی بڑی دوکانوں اور اونچے اونچے محلات والوں کے پاس آئے تو آپؐ نے جس سے بھی بات کی اس نے جھڑک دیا، جس کے سامنے دعوت پیش کی اس نے ٹھکرا دیا، جسے بھی سمجھانے کی کوشش کی اس نے نفرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ایک ایسا شخص جو میلوں کی مسافت پاپیادہ طے کر کے آیا ہے، جس نے نہ پیسے کا سوال کیا ہے، نہ کسی طمع کا اظہار کیا ہے اس کے دل میں کتنا درد ہوگا، کتنی تڑپ ہوگی، کتنا جذبہ ہوگا۔ انھوں نے تو تموّل کے نشہ میں، جائیدادوں اور زمینوں کے غرور میں آپؐ کو ٹھکرا دیا اور بری طرح ٹھکرا دیا، وہ جاہل اور کم عقل جنہیں کچھ بھی نہیں آتا تھا ان کی زبانیں معلّمِ انسانیت کے سامنے منطق اور فلسفہ بگھارنے لگیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: " جسے سفر کے لئے ایک گدھا بھی میسّر نہیں کیا اللہ کو اس کے سوا رسول بنانے کے لئے اور کوئی نہیں ملتا تھا "

ٹوٹے ہوئے دل کے لئے یہ پہلا تیر تھا، دوسرا بولا :

" اگر تمہیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے تو ردائے کعبہ کے تار تار ہو جائیں گے "

تیسرے نے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے کہا :

" تم اگر رسول ہو تو میں اس کا مستحق نہیں ہوں کہ تم سے بولوں اور اگر نہیں ہو تو کسی جھوٹے سے بات کرنا میری توہین ہے "

کیسا دردناک نظارہ تھا کہ وہ جو سب کے لئے تھا سب کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے اس کو سب واپس کر رہے تھے، ٹھکرا رہے تھے، زہر میں بجھے ہوئے جملے کس رہے تھے، نشتر زنی کر رہے تھے، نفرت کا اظہار کر رہے تھے اور پھر بات اسی پر ختم نہیں ہوئی کہ آپ نے جو پیغام ان کے سامنے رکھا تھا اسے انھوں نے رد کر دیا بلکہ یوں ہوا کہ ثقیف کے سرداروں نے شہر کے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ لوگ آپ کو گالیاں دیتے، شور مچاتے اور آپؐ پر پتھر پھینکتے۔ وہ مقدس انسان جو آگ میں پھاندنے والوں کی کمریں پکڑ پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا اسی کو کمر کے بل گرایا جا رہا تھا۔

راستہ کے دونوں طرف اوباش کھڑے تھے آپؐ ایک قدم بھی اٹھاتے تو کسی طرف سے پتھر آپؐ کے جسم اطہر پر پھینکا جاتا یہاں تک کہ گھٹنے چور ہو گئے پنڈلیاں زخمی ہو گئیں اور کپڑے معصوم خون سے لال ہو گئے، چلنا محال ہو گیا۔

ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اس واقعہ کو بڑے ہی متاثر کن اور درد انگیز انداز میں نظم کیا ہے، آپ بھی سینے پر ہاتھ رکھ کر سن لیجئے :

وہ ابرِ لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے
وہ بازو جو غریبوں کو سہارا دیتے رہتے تھے
پیاپے آنے والے پتھروں کی چوٹ سہتے تھے
وہ سینہ جس کے اندر نورِ حق مستور رہتا تھا
وہی اب شق ہوا جاتا تھا، اس سے خون بہتا تھا

فرشتے جن پہ آ آ کر جبین شوق رکھتے تھے
وہ پائے نازنین زخموں کی لذت آج چکھتے تھے
حضورؐ زخموں سے جب چُور ہو کر بیٹھ جاتے تھے
شقی آتے تھے بازو تھام کر اوپر اٹھاتے تھے

اس وقت بے ساختہ آپؐ کے قلب وزبان پر یہ دعا جاری ہوگئی۔
میری درخواست ہے کہ ہر کلمہ گو اس دعا کو یاد کرلے اور کبھی کبھی طائف کے سارے منظر کو سامنے رکھ کر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کو سامنے رکھ کر اوباشوں کے ظلم کو سامنے رکھ کر، بہتے ہوئے خونِ مقدس کو سامنے رکھ کر، خون سے چُور نورانی جسم کو سامنے رکھ کر اور دل میں ان زخموں کی ٹیس محسوس کرتے ہوئے تنہائی میں بیٹھ کر یہ دعا پڑھ لیا کرے اور ساتھ ہی یہ بھی سوچ لیا کرے کہ جس دین کی خاطر کائنات کے سردار نے اتنی تکلیفیں برداشت کی تھیں ہم نے اس دین کے ساتھ آج کیسا رویہ اپنا رکھا ہے؟ اگر اس انداز سے اور ان کیفیات کے ساتھ یہ دعا پڑھیں گے تو یقیناً دل میں رقت پیدا ہوگی، جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور آنکھیں برسنے لگیں گی، آپؐ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِكَ غَضَبٌ	الٰہی! اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں میں تحقیر کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے بے گانہ ترش رُو کے یا اس دشمن کے جو مجھ پر قابو رکھتا ہے، اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت

عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ	مرے لئے زیادہ وسیع ہے میں تیری ذات
عَافِیَتَكَ هِیَ اَوْسَعُ لِیْ	کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب
اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ	تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین کے
اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ	کام اسی سے ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا
عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ	غضب مجھ پر اُترے یا تیری ناراضمندی
مِنْ اَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ	مجھ پر وارد ہو، مجھے تیری ہی رضامندی اور
اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ لَكَ	خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی
الْعُقْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ	سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے
وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔	

اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا اور اس نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں جن دو پہاڑوں کے درمیان طائف واقع ہے۔ ان کو آپس میں اس طرح ملا دوں کہ یہ پس کر رہ جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ نہیں، مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایسا پیدا ہوگا جو ایک اللہ کی عبادت کرے گا۔[1]

حضرت جالندھری نے خوب کہا ہے

جناب رحمۃ للعالمین نے ہنس کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا
اگر کچھ لوگ آج اسلام پر ایمان نہیں لاتے
خدائے پاک کے دامانِ وحدت میں نہیں آتے
مگر نسلیں ضرور ان کی اُسے پہچان جائیں گی
درِ توحید پر اک روز آکر سر جھکائیں گی

---

[1] زاد المعاد صفحہ ۳۰۲ بحوالہ نبی رحمت

میں ان کے حق میں کیوں قہرِ الٰہی کی دعا مانگوں
بشر ہیں بے خبر ہیں کیوں تباہی کی دعا مانگوں
دعا مانگی، الٰہی! قوم کو چشمِ بصیرت دے
الٰہی رحم کر ان پر، انہیں نورِ ہدایت دے
الٰہی فضل کر کہسارِ طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

جب عُتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو ان کا دل کچھ نرم پڑ گیا اور انہوں نے اپنے غلام " عداس " کو طباق انگور کا خوشہ رکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجا آپؐ انگور نوش فرمانے کے ساتھ عداس سے باتیں کرتے جاتے تھے اللہ کی شان پہ قربان جایئے طائف کے سردارا یمان کے جس نور سے محروم رہ گئے تھے عدّاس کا سینہ اس نور سے منوّر ہو گیا۔ ایمان کی دعوت اور دین کی اشاعت کے لئے آپ کی تڑپ کی یہ انتہا تھی کہ زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود فریضۂ تبلیغ سے غافل نہ ہوئے اور ایک اور فرد کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔

آج دین سے ہماری بے اعتنائی اور غفلت کو دیکھ کر کوئی اندازہ بھی کر سکتا ہے کہ یہ اُس نبی کی اُمّت ہے جو میلوں کی مسافت طے کر کے، زخم اُٹھا کر، طعنے سُن کر، گالیاں سہہ کر، خون دے کر، بھوکا پیاسا رہ کر ایمان کی دعوت دیتا تھا اور دین کی محنت کرتا تھا۔ اگر دنیا کے جھمیلوں سے تمہیں فرصت ملے تو اپنی اسلامی تاریخ کے اوّلین دور پہ ایک نظر ڈال لو تاکہ تمہیں پتہ تو چلے کہ یہ دین دنیا میں کیسے پھیلا، یہ ہم تک کیسے پہنچا؟ اس کے لئے کتنے گھر لُٹے؟ کتنے سر کٹے؟ کتنا خون بہا؟ کتنی جوانیاں نثار ہوئیں؟ اس کے راستے میں

کتنی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں ؟ اسے دبانے کے لئے کیسے حربے آزمائے گئے ؟ اس کی شمع گُل کرنے کے لئے کتنی پھونکیں ماری گئیں ؟ کتنے معرکے بپا ہوئے ؟ کتنی جنگیں لڑی گئیں ؟

یہ مدینہ ہے | آؤ میں تمہیں مکہ سے مدینہ لے چلوں اور ایثار و قربانی کے چند مناظر مزید دکھا دوں ۔

مکۃ المکرمہ میں ہجرت کے باوجود اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف سازشیں بند نہ ہوئیں اور ہجرت کے دوسرے ہی سال میدانِ بدر میں کفر و اسلام کا معرکہ بپا ہو گیا دونوں لشکروں میں افرادی قوت اور جنگی ساز و سامان کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق تھا مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ ؎

تھے ان کے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

ان نہتے تین سو تیرہ فاقہ کش منتخب انسانوں نے ہر قسم کے ساز و سامان پر مشتمل ایک ہزار کے آزمودہ کار لشکر سے صرف ایمانی قوت کی بنیاد پر ٹکر لی تھی ۔ اگر بدر میں صحابہ دادِ شجاعت نہ دیتے تو آج دنیا میں کوئی ایک کلمہ گو نہ ہوتا ، اگر بدر کی فتح نہ ہوتی تو شاید سلطنتِ بنی امیہ نہ ہوتی ، سلطنتِ بنی عباس نہ ہوتی ، سعودیہ نہ ہوتا ، مصر نہ ہوتا ، الجزائر نہ ہوتا ، پاکستان نہ ہوتا ۔ صحابہؓ نے طاقتور دشمن سے ٹکرا کر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ اگر اللہ نہ کرے کبھی اسلام اور مسلمانوں پر کڑا وقت آئے تو گھبرانا نہیں ، کثرت سے مرعوب نہیں ہونا ، قلت سے پریشان نہیں ہونا اللہ کی ذات پر یقین کرتے ہوئے کفر کے مقابلہ میں ڈٹ جانا ۔ مگر آج اے مسلمان ! تیری کیا حالت ہے دنیا بھر سے تو خوفزدہ ہے ، ساری دنیا کا کفر تجھے دبائے ہوئے ہے تو تعداد میں ایک

اور تیس کروڑ سے زیادہ ہے مگر کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی تیرے اندر جرأت نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تیرے اندر وہ ایمانی جذبہ نہیں رہا جو کمزور کو طاقتور بناتا تھا۔ آج تم سیاست کی خاطر قربانی دے سکتے ہو، جھوٹے قائدین کی خاطر قربانی دے سکتے ہو، قومیت کی خاطر قربانی دے سکتے ہو، لیکن دین کی خاطر قربانی دینے کا جذبہ تمہارے اندر باقی نہیں رہا۔

یہ اُحد ہے آگے چلیے میں آپ کو اختصار کے ساتھ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی قربانیوں کی داستان سُنا رہا ہوں، میں قصۂ پارینہ دُہرا رہا ہوں میں تاریخ کے آئینے میں تمہیں تمہارا چہرہ دکھا رہا ہوں، یہ بتا رہا ہوں کہ تم کیا تھے اور اب کیا ہو۔

یہ اُحد ہے، یہاں کی زمین اسلام کے سب سے قیمتی خون سے سیراب ہوئی، سب سے سچے، سب سے سُچے، سب سے اونچے عشق و محبت اور وفا کے واقعات جو دنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتے اسی سرزمین پر پیش آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اسلام کی وفاداری میں سید الشہداء حمزہ رض کے اعضا یہیں کاٹے گئے اور جگر چبایا گیا۔ زیادؓ بن سکن نے قدموں پر آنکھیں مَل مَل کر یہیں جان دی، انس بن نضر رض کو جنّت کی خوشبو اسی پہاڑ کے درّے سے آئی اور اسیؓ سے اوپر زخم کھا کر یہیں سے رخصت ہوئے، دندانِ مبارک یہیں شہید ہوئے، سر پر زخم یہیں آئے، مشرکین نے جب شمعِ رسالت پر ہجوم کیا تو دس عشّاق یہیں پر آپؐ کے لئے قربان ہوگئے، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے اپنے ہاتھوں کو ڈھال بنا کر یہیں پر چھلنی کروایا تھا، سعد بن ربیع رضؓ نے جسم پر ستّر زخم کھانے کے بعد یہیں پر جامِ شہادت نوش کیا تھا، ابو دجانہؓ نے یہیں تیروں کی بارش اپنے جسم پر لے لی تھی لیکن

شمع نبوت تک ناپاک پھونکوں کو پہنچنے نہیں دیا تھا، مکہ کا ناز پروردہ مصعب بن عمیرؓ یہیں ایک غزوہ میں شہید ہوکر ایک چادر میں مدفون ہوئے، ستر جانثاروں نے شہادت کا تاج یہیں پر اپنے سروں پر سجایا تھا یہاں اسلام کے پروانوں کی خاک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اور اسلام کے جانثاروں کی بستی ہے ؎

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے — قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

یہاں کی فضا اور یہاں کے پہاڑوں سے اب بھی مُوتوا علیٰ مَا مَاتَ عَلَیْہِ رَسُولُ اللّٰہ (اسی پر جان دے دو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے گئے[۱]) کی صدائے بازگشت آتی ہے۔ آیئے اسلام پر جینے اور جان دے دینے کا عہد پھر تازہ کریں۔ ہم نے دین اور دنیا کی خیرات یہیں سے پائی، آدمیت یہیں سے سیکھی یہاں کی دستگیری نہ ہوتی تو ہم میں سے کتنے معاذ اللہ بت خانہ، آتش کدہ اور کلیسا میں ہوتے، یہ ان کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اسلام کی سعادت سے مشرف ہیں اور قربانیاں بھی اس قدر کہ ان کا شمار ناممکن ہے قدم قدم پہ ایثار اور جان فروشی کی داستانیں ہیں۔

قربانیاں ہی قربانیاں بئرمعونہ کو یاد کرو جہاں انہتر بہترین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتخب صحابہؓ کو دھوکے سے انتہائی کسمپرسی کے عالم میں

۱۔ یہ مقولہ حضرت انس بن النضرؓ کا ہے انہوں نے صحابہؓ کو میدانِ اُحد میں بیٹھا ہوا دیکھا پوچھا کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے اب لڑکر کیا کریں گے، کہا تو پھر اسی پر تم بھی جان دے دو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی (آپ حج کیسے کریں ص۱۱۵)

شہید کیا گیا۔ غزوۂ ذات الرقاع کو یاد کرو جب پیدل چلنے کی وجہ سے لوگوں کے پیر چھلنی ہو گئے اور انگلیوں کے ناخن تک گر گئے اور اس تکلیف سے بچنے کے لئے لوگوں نے اپنے پیروں پر پٹیاں اور چیتھڑے باندھ لیے۔

میرے اللہ! تیری بھی شان نرالی ہے تو کبھی کبھی اپنے پروانوں کو یوں آزماتا ہے کہ عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، دشمن مذاق اڑاتے ہیں اور کمزوروں کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں۔

دنیا عیش و عشرت اور مالی فراوانیوں میں مست تھی اور حبیبِ کبریا کے سچے عاشقوں کے پاس پاؤں کے لیے نہ ڈھنگ کے جوتے تھے نہ سواریاں۔

عزیز ساتھیو! غزوۂ خندق کو یاد کیجئے جب دس ہزار کا ٹڈی دل مدینہ پر حملہ آور ہوا اور مسلمانوں نے اپنے تحفظ کے لیے خندق کھودی تھی، فقر و فاقہ اور تنگی کا یہ عالم تھا کہ کھانے کے لئے کوئی ڈھنگ کی چیز میسر نہ تھی حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مٹھی جو کہیں سے مل جاتے تو اس کا ملیدہ بنا لیا جاتا اور اس میں تھوڑی سی چربی شامل کر لی جاتی حالانکہ اس کا ذائقہ اور بو سب کچھ بدل چکا ہوتا تھا۔ جب بھوک ناقابلِ برداشت ہو گئی تو حضرت ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنا پیٹ کھول کر دکھایا جس پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکمِ مبارک سے کپڑا ہٹایا تو ہم نے دیکھا کہ اس پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔

لیکن ان تمام تکلیفوں کے باوجود ان کے جوان جذبوں میں کوئی کمزوری نہیں آئی وہ اپنے بچوں کو، اپنے جسموں کو، اپنی جانوں کو، اپنی صلاحیتوں کو اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کر چکے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مہاجرین و انصار کو صبح سویرے

سخت سردی میں خندق کھودنے میں مصروف دیکھا تو آپؐ نے ان کی سخت محنت اور بھوک کو ملاحظہ کرتے ہوئے فرمایا

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃ　　فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

(اے اللہ زندگی تو دراصل آخرت کی زندگی ہے۔ پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما)

یہ سن کر اس کے جواب میں انہوں نے کہا:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا　　عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جہاد پر اس وقت تک کے لئے بیعت کی ہے جب تک ہماری جان میں جان ہے)

قول کے پکے بات کے سچے یہ تھے وہ لوگ جو قول کے پکے اور بات کے سچے تھے۔ جنہوں نے جب کلمہ پڑھ کر ایک بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کا اقرار کر لیا تو پھر زندگی بھر اسے نبھایا۔ بڑے کٹھن موڑ آئے، کفر کی آندھیوں نے ان کے حوصلوں کو پست کر دینا چاہا، مادیت کے طوفانوں نے ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں، مصائب اور ابتلائیں ایسی آئیں کہ بڑے بڑے سورما ہمت ہار جائیں مگر وہ لوگ نہ جانے کس مٹی کے بنے ہوئے تھے، ان کے قلب و دماغ کس سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے اور ان میں یقین کی کیسی اسپرٹ بھری ہوئی تھی کہ وہ کسی لمحہ تذبذب کا شکار نہیں ہوئے، ان کے اٹھے ہوئے قدم آگے ہی بڑھتے گئے انہوں نے پیچھے ہٹنے کا نام تک نہیں لیا۔ مادی نظر سے دیکھا جائے تو انھیں حق و صداقت کی راہ میں بہت کچھ گنوانا پڑا۔ وطن سے بے وطن ہوئے، بھرے پُرے گھر چھوڑے، جائیدادوں سے محروم ہوئے، اپنے جگر گوشوں کو ذبح ہوتے دیکھا، بیویاں چھین لی گئیں، خود انھیں ہر طرح سے ستایا

گیا مگر وہ ایک دُھن میں مگن آگے ہی بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ بہت تھوڑی سی مُدت میں انہوں نے معلوم دنیا کے دور دراز شہروں دیہاتوں بلکہ صحراؤں تک میں ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے۔ ان کی فتوحات کی تیز رفتاری کو دیکھیں تو صرف دس سال کی مختصر مدت میں دس لاکھ مربع میل اسلام کے زیرِ اقتدار آچکا تھا گویا روزانہ ۲۷۴ مربع میل کا علاقہ انھوں نے فتح کیا اور صرف قلعوں، شہروں، زمینوں اور جسموں ہی کو فتح نہیں کیا بلکہ ذہنوں، روحوں اور سوچوں کو بھی فتح کیا وہ جہاں بھی گئے انہوں نے سوچوں کے انداز بدل کر رکھ دیئے، ذہنوں کے رُخ موڑ دیئے، روحوں کو بالیدگی عطا کر دی۔

یاد کر لیجئے ایک وہ وقت تھا جب ایک مربع میل تو کیا ایک گز جگہ ایسی نہ تھی جہاں آزادی سے اللہ کا نام لیا جا سکے اور بلا روک ٹوک اس کی عبادت کی جا سکے اور آج بحر و بر میں، عرب و عجم میں مصر و شام میں، چین اور ایشیا میں اللہ کا نام بلند ہو رہا ہے یہ سب کیسے ہوا؟ کیا یہ انقلاب خود بخود آ گیا؟ میرے اور آپ کے آباء و اجداد کی زبانوں پر کلمہ شہادت خود بخود جاری ہو گیا؟ نہیں میرے دوست نہیں! اس غلط فہمی کو جتنا جلد ہو سکے دور کر لو، دین کی امانت ہم تک اتنی آسانی سے نہیں پہنچی بلکہ اسے ہم تک پہنچانے میں کائنات کے سردار کو گالیاں سُننی پڑیں، مجنوں اور دیوانہ کہلوانا پڑا، ہائے اُس انسان کو دیوانہ کہا گیا جو زمانے کو عقل سکھانے آیا تھا اُسے دُکھ دیئے گئے، جو ساری انسانیت کو دنیا اور آخرت کے دُکھوں سے نجات دلانے کے لئے آیا تھا، اس کی بیٹیوں کو طلاقیں دلوائی گئیں جو دوسروں کی بیٹیوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے کے لئے آیا تھا، اس کے جسم پر نجاست ڈالی گئی جو انہیں جسمانی اور روحانی نجاستوں سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا، اسے گھر سے بے گھر کیا گیا جو

بے خانماں انسانوں کے لئے رحمت کا سایہ بن کر آیا تھا، اس کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے جو انسانیت کے گلی کوچوں میں پھول بکھیرنے آیا تھا، اسے بھوکا پیاسا رہنے پر مجبور کیا گیا جو کسی کُتّے کی بھوک پیاس بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس کے جسم اطہر پہ پتھروں کی بارش کی گئی جو انہیں پکڑ پکڑ کر جہنم کی وادیوں میں گرنے سے بچاتا تھا۔

ہاں میرے دوست! ہم تک دین کی امانت پہنچانے میں سب سے پہلے تو سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کو دخل ہے۔ رقیہؓ اور ام کلثومؓ کی طلاقوں کو دخل ہے، طائف کے مقدس خون کو دخل ہے، پھر تپتی ہوئی ریت پر تڑپتے ہوئے بلالؓ کی آہوں کو دخل ہے، حضرت سمیّہؓ، حضرت یاسرؓ اور حضرت عمارؓ کی مظلومیت کو دخل ہے، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ جیسی بے سہارا لونڈیوں کو دخل ہے، خبّاب بن ارتؓ کی جلی ہوئی کمر کو دخل ہے، بدر و اُحد، خندق و حنین، موتہ اور تبوک کے مجاہدوں کی سرفروشیوں اور جاں نثاریوں کو دخل ہے۔

ہمارا رویّہ وقت مختصر ہے، میں اسلامی تاریخ کی ساری قربانیوں کا تذکرہ نہیں کر سکتا۔ اگر وقت ہوتا تو میں تمہیں چودہ صدیوں کے مجاہدوں کی ایثار کیشیاں بتاتا لیکن صرف قرونِ اُولیٰ کی قربانیوں کا مختصر تذکرہ کرتے ہوئے میں تمہارے ضمیر کو جھنجوڑنے اور غیرت کو بیدار کرنے کے لئے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو دین اتنی قربانیوں کے بعد ہم تک پہنچا آج اس کے ساتھ ہمارا رویّہ کیسا ہے، خواجہ الطاف حسین حالیؒ نے ایک نظم میں خوب نقشہ کھینچا ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے — اُمّت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ — خود آج وہ مہمان سرائے فقراء ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں — اب اس کی مجالس میں نہ بتی ہے نہ دیا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے — اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آج کے حالات میں سچ ثابت ہو رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تھا:

بَدَأَ الدِّيْنُ غَرِيْبًا فَسَيَعُوْدُ كَمَا كَانَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ

ابتداء میں دین اجنبی تھا اور وہ عنقریب دوبارہ اجنبی ہو جائیگا پس بشارت ہو غرباء کے لئے

یعنی ان لوگوں کے لئے بشارت ہے جو دین کی خاطر اجنبی بن جائیں گے دین پر چلنے کی وجہ سے، سنّتوں پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے، قرآنی احکام کو زندہ کرنے کی وجہ سے وہ اپنوں ہی میں اجنبی بن کر رہ جائیں گے، ان کا مذاق اڑایا جائے گا، ان پر پھبتیاں کسی جائیں گی، ان کو بے کار اور بے وقوف سمجھا جائے گا ـــــ اور آج یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایمان کی قدر اور دین کی عظمت ہمارے دلوں میں نہیں رہی۔ آج ہمیں اس بات کی تو فکر ہے کہ ہم دنیا میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں لیکن دین سے ہم بالکل محروم بھی ہو جائیں تو ہمیں کوئی غم نہیں۔

ہمیں اس بات کی تو فکر ہوتی ہے کہ ہمارے بچے انگریزی تعلیم سے کورے نہ رہ جائیں لیکن قرآن کی تعلیم سے کورے رہ جانے سے کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ہماری مجلسوں میں دنیا کے تذکرے تو ہوتے ہیں لیکن دین کا تذکرہ بھولے سے بھی نہیں ہوتا۔ ہمارے گھروں سے گانوں اور میوزک کی آواز تو آتی ہے لیکن قرآن کی تلاوت کی آواز نہیں آتی۔ ہم جھوٹی شان و شوکت، قومی اور لسانی تعصبات اور سیاسی گروہ بندیوں کے لئے لہو بہانے کے لئے تیار رہتے

ہیں لیکن دین کی خاطر پسینہ بہانے کے لئے بھی آمادہ نہیں ہوتے ۔ ہم فلمیں اور ڈرامے دیکھنے اور ناول افسانے پڑھنے کے لئے گھنٹوں ضائع کرسکتے ہیں لیکن اللہ کی کتاب پڑھنے اور سمجھنے کے لئے چند منٹ نکالنا بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

اللہ کے بندو! ابھی وقت ہے باز آجاؤ، سمجھ جاؤ، نصیحت مان لو اپنی عالمی ذلت و رسوائی سے عبرت حاصل کرو، اپنی جگ ہنسائی سے سبق لو، تم چند سو اور چند ہزار تھے تو تمہاری قیمت تھی۔ آج تم کروڑوں سے متجاوز ہو لیکن تمہاری کوئی قیمت نہیں، تم سے کوئی مرعوب نہیں لیکن تم ہر کسی سے مرعوب ہو، تم سے کوئی نہیں ڈرتا لیکن تم ہر کسی سے ڈرتے ہو۔ امریکی سامراج باولے ہاتھی کی طرح تم میں سے ایک ایک کو پاؤں تلے روند رہا ہے لیکن پھر بھی تمہاری غیرت بیدار نہیں ہوتی، تمہاری زندگیوں میں یہودیت اور نصرانیت کی جھلک تو دکھائی دیتی ہے لیکن اسلام کی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔

اگر اب بھی ہم اللہ کو راضی کرلیں، دین پر چلنا شروع کردیں، ملی غیرت پیدا کرلیں، قرآن کو اپنا رہنما بنالیں تو دنیا ہمیں رہنما بنالے گی، اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی، بدر و اُحد والے فرشتے اُتریں گے اور مشرق و مغرب کا کفر ہم سے تھرّائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں احساس عطا کردے اور ہماری غیرت بیدار کردے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

بے مثال کتاب

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
این کتابے نیست چیزے دیگر است
صد جہان تازہ در آیاتِ اوست
عصرہا پیچیدہ در آیاتِ اوست
چون بجان در رفت جان دیگر شود
جان چون دیگر شود جہاں دیگر شود
بندۂ مومن ز آیاتِ خدا است
این جہان اندر برِ او چون قبا است

" قرآن حکیم بے مثال ہے اور کسی ایک پہلو سے نہیں بلکہ ہر پہلو سے بے مثال ہے، معجزہ ہونے میں بے مثال ہے، اثر آفرینی میں بے مثال ہے، فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہے، فضیلت و عظمت میں بے مثال ہے، جامعیت میں بے مثال ہے، اس کا نام بھی بے مثال ہے یہ خود بھی بے مثال ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ جس پہلو سے دیکھیں یہ بے مثال ہے۔ جس پر قرآن نازل ہوا وہ نبی بے مثال، جس شب میں نازل ہوا وہ شب بے مثال، جس مہینے میں نازل ہوا وہ مہینہ بے مثال، جس اُمّت کے لئے نازل ہوا وہ اُمّت بے مثال، زمین کے جس خطّے میں نازل ہوا وہ خطّہ بے مثال، جن اوراق پر قرآن مجید لکھا ہوا ہے وہ اوراق بے مثال، جو قرآن پڑھتا ہے وہ بے مثال، جو ہونٹ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں وہ بے مثال، جو والدین بچّوں کو قرآن مجید پڑھواتے ہیں وہ بے مثال، جس معاشرے میں قرآن کی حکمرانی ہو وہ معاشرہ بے مثال جس ملک میں قرآن کا نظام ہو وہ ملک بے مثال۔
اگر تم بھی بے مثال بننا چاہتے تو قرآن کو اپنا لو، سینے سے لگا لو روحوں کو چمکا لو"

بے مثال کتاب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

أَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور تحقیق قرآن مجید کو ہم نے نصیحت کے لئے آسان کر دیا۔ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ

اور اگر تم اس کتاب کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تو کوئی ایک سورت اس جیسی تم بھی بنا لاؤ اور اپنے حمایتیوں کو بھی اللہ کے مقابلے پر لاؤ اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم یہ نہ کر سکو، اور ہر گز تم یہ نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ کافروں کے لئے تیار ہوئی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○	بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت (کتاب اللہ) اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔
عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔ (مسلم)	عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن کریم) کی وجہ سے بعض قوموں کو بلندی عطا فرماتے ہیں اور بعض دوسروں کو ذلت و پستی۔
عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَأُ فِیْہِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ۔ (مسلم)	ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، بلاشبہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔
عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَنْ شَغَلَہُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ وَمَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ	ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن مجید نے میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کردیا (تلاوت کی مشغولیت کی وجہ سے اللہ کا ذکر اور اس سے مانگنے سے رُکا رہا) تو میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ کے

اللّٰہِ علٰی خلقہٖ ۔

(ترمذی، دارمی، بیہقی)

عن علیٍّ قال اَمَا اِنّی
سمعتُ رسولَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ
علیہ وسلّم الا انّھا ستکونُ
فتنۃٌ قلتُ ما المخرجُ منھا
یا رسولَ اللّٰہ قال کتابُ اللّٰہِ
فیہ نبأُ ما قبلکم وخبرُ ما
بعدکم وحکمُ ما بینکم ھو
الفصلُ لیس بالھزلِ من
ترکہٗ من جبّارٍ قصمہُ اللّٰہُ
ومن ابتغی الھدایۃَ فی غیرہٖ
اضلّہُ اللّٰہُ وھو حبلُ اللّٰہِ
المتینُ وھو الذکرُ الحکیمُ
وھو الصّراطُ المستقیمُ
وھو الذی لا تزیغُ بہِ الاھواءُ
ولا تلتبسُ بہِ الالسنۃُ ولا
یشبعُ منہُ العلماءُ ولا
یخلقُ عن کثرۃِ الرّدِّ ولا
ینقضی عجائبُہٗ وھو
الّذی لم تنتہِ الجنُّ اذا

کلام کی فضیلت بقیہ تمام کلاموں پر ایسے
ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوقات پر۔
حضرت علیؓ فرماتے ہیں خبردار سن لو!
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
سُنا عنقریب ایک فتنہ (برپا) ہوگا۔
میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس فتنہ
سے بچنے کا ذریعہ کیا ہوگا۔ فرمایا کتاب کہ
اس میں تم سے پہلوں اور بعد والوں کی خبر
ہے اور تمہارے سامنے جو کچھ ہے اس
کے احکامات ہیں، یہ فیصلہ کن ہے مذاق
نہیں۔ جس متکبر نے اسے چھوڑ دیا اللہ
اس کو ہلاک کر دے گا اور جس نے اس
کے علاوہ میں ھدایت تلاش کی اللہ اس کو
گمراہ کر دے گا اور یہ اللہ کی مضبوط رسّی
ہے اور یہ ذکرِ حکیم ہے اور صراطِ مستقیم ہے
اور اس کے اتباع سے خواہشات میں کجی پیدا نہیں
ہوتی اور نہ اس میں زبانوں کا اشتباہ ہو سکتا
ہے اور اس سے علماء کی سیری نہیں ہوتی،
(جتنا پڑھتے ہیں تشنگی رہتی ہے) یہ بار
بار دہرانے سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ
اس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں اور یہی

سَمِعَتْهُ قَالُوا اِنَّا سَمِعْنَا	وہ (کتاب) ہے کہ جس کو جنّوں نے سُنا تو
قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ	رُک نہ سکے یہ کہنے سے کہ "ہم نے ایسا
اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ	عجیب قرآن سُنا جو ہدایت دیتا ہے
مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ	بھلائی کی طرف پس ہم اس پر ایمان لاتے
وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ	ہیں۔ جس نے اس قرآن کے حوالے سے
وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ	بات کی اس نے سچ کہا جس نے اس پر
عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ	عمل کیا اُسے اجر دیا جائے گا اور جس نے
هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ	اس کے ساتھ فیصلہ کیا اس نے انصاف
(ترمذی و دارمی)	کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اُسے
	صراطِ مستقیم کی ہدایت دے دی گئی۔

گرامی قدر حاضرین! یوں تو دنیا میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں مختلف موضوعات پر اور مختلف فنون وعلوم پر، دنیا بھر کی لائبریریاں بڑی بڑی ضخیم کتابوں اور انسائیکلوپیڈیا سے بھری پڑی ہیں۔ ان میں سے بعض سو سو جلدوں میں ہیں، جنہیں سینکڑوں اہلِ علم نے مل کر لکھا ہے۔ جب بھی کسی اہم موضوع پر کوئی شاہکار کتاب منظرِ عام پر آتی ہے تو ایک دھوم سی مچ جاتی ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جا سکتی لیکن گزرنے والا وقت اس سوچ کو غلط ثابت کر دیتا ہے۔ چنانچہ کسی مصنف کو، کسی شاعر کو، کسی مؤرخ کو، کسی صاحبِ علم کو آج تک یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ اس زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کو یہ چیلنج کر سکے کہ آؤ اور میری کتاب جیسی کوئی کتاب، میرے دیوان جیسا کوئی دیوان، میری تحقیق جیسی کوئی تحقیق پیش کرو، اتنا بڑا دعویٰ کرنے کی اس کو کبھی جرأت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جانتا

ہے کہ یہ دنیا اربابِ کمال اور اصحاب فن سے بھری پڑی ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسا باکمال ضرور سامنے آجائے گا جو میرے چیلنج کو پادر ہوا ثابت کر دے گا اور پھر دنیا کا سفر جاری ہے، نئی نئی معلومات سامنے آرہی ہیں، نئی نئی تحقیقات اور اکتشافات اپنا جلوہ دکھا رہی ہیں اگر آج نہیں تو کل کوئی صاحب علم ایسی کتاب لکھ سکتا ہے جو میرے چیلنج کے غبارے سے ہوا نکال سکتی ہے۔

وہ کبھی یہ حماقت نہیں کریگا۔ پوری دنیا تو کیا ایک ملک میں بسنے والوں ہی کو چیلنج کرے اور اگر ایسا کرے گا تو احمق کہلائے گا ہر کوئی اسے دیوانے کی بڑ سمجھے گا۔

صرف ایک کتاب | مشرق اور مغرب، شمال و جنوب کی پوری تاریخ کھنگالئے تو آپ کو صرف اور صرف ایک کتاب ملے گی جس نے عرب و عجم، افریقہ اور ایشیا یورپ اور چین کے سامنے دعویٰ کیا۔ پہلی صدی ہجری کے لوگوں کے سامنے بھی دعویٰ کیا اور پندرھویں صدی بلکہ قیامت تک آنے والوں کے سامنے بھی دعویٰ کیا کہ یہ کتاب بے مثال ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ان غلیظ ترین دشمنوں کے سامنے اس کتاب کے بے مثال ہونے کا دعویٰ کیا گیا،

جو کسی نہ کسی طریقے سے نظر آنے والے اسلامی انقلاب کا راستہ روکنا چاہتے تھے،

جو کسی نہ کسی طریقے سے معاذ اللہ میرے آقا کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے تھے،

جنہوں نے وحی الٰہی کو انسانی کاوش ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا

انہیں سمجھایا گیا کہ قرآن کا راستہ روکنے کے لئے نہ بچوں کو یتیم کرانے کی ضرورت ہے، نہ جنگیں برپا کرنے کی ضرورت ہے، نہ غریب مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنے کی ضرورت ہے۔ ہم تمہیں اس کا بہت مختصر اور آسان ترین نسخہ بتا دیتے ہیں اگر تم یہ نسخہ بنانے میں کامیاب ہو گئے تو قرآن کی دعوت کا

راستہ خود بخود مسدود ہو جائے گا۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اور بے مثال ہے تم اسے انسانی کاوش بتلاتے ہو تو آؤ ایک دو نہیں، چار چھ نہیں، آٹھ دس نہیں سارے ہی جمع ہو جاؤ، شعراء کو بلالو، نثر نگاروں کو اکٹھا کر لو، فصحاء و بلغاء کا مجمع لگا لو پھر عرب ہونے کی قید نہیں عجمیوں سے بھی مدد لے لو بلکہ انسان ہونے کی بھی قید نہیں جنات کو بھی جمع کر لو اور قرآن جیسی کتاب بنا کر دکھا دو اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بلا کسی جھنجھٹ کے تمہارے دعوے کی سچائی مان لی جائیگی مگر ہم اور آپ خوب جانتے ہیں کہ وہ ایسا نہ کر سکے اور رب کریم نے تو پہلے ہی آگاہ فرما دیا تھا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○	کہہ دیجئے (نبیؐ) کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور جنات اس پر کہ لائیں ایسا ہی قرآن، نہ لاسکیں گے اگرچہ یہ ایک دوسرے کی مدد کریں

(بنی اسرائیل - ع)

اور نیچے اتر کر چیلنج کیا گیا اچھا پورے قرآن جیسی کتاب نہیں بنا سکتے تو اس جیسی صرف دس سورتیں بنا لاؤ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ	کیا یہ مشرکین کہتے ہیں اپنی طرف سے گھڑ کر لایا ہے، تو آپ کہدیجئے کہ تم لے آؤ اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر اور پکارو (مدد کے لئے) جس کو چاہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ سکیں یہ تمہارے کہنے

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَاَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ج فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

مطابق تو جان لو کہ یہ اترا ہے اللہ کی خبر سے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو پس کیا تم اس کی تابعداری کرتے ہو؟

جب اس پر بھی خاموش رہے تو چیلنج کو مزید مختصر کر دیا گیا

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

اگر تم اس (کتاب) کے بارے میں شک میں مبتلا رہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو کوئی ایک سورۃ اس جیسی تم بھی بنا لاؤ اور اپنے حمایتیوں کو بھی اللہ کے مقابلے پر بلا لاؤ اگر تم سچے ہو

آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ جب یہ چیلنج کئے جا رہے تھے ان کے دل و دماغ پر کیا گذر رہی ہوگی کیا وہ یہ نہیں چاہتے ہوں گے کہ ہم اس چیلنج کو قبول کریں اور اس نئی دعوت اور نئے دین کو معاذ اللہ جھوٹ ثابت کر دیں، وہ ضرور یہ چاہتے ہوں گے اور انہوں نے اپنی حد تک کوشش بھی کی ہوگی لیکن ان کی ہر کوشش ناکام ہو گئی اور رب ذوالجلال کا یہ دعویٰ ثابت ہو کر رہا

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ○ (البقرہ ع)

اگر تم ایسا نہ کر سکو (یعنی قرآن جیسا نہ لا سکو) اور تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

صداقت کی دلیل | اگر آپ غور فرمائیں تو ساری انسانی اور جناتی دنیا

کو اتنا بڑا چیلنج کرنا ہی قرآن کی صداقت اور اس کے کلام ربانی ہونے کی بہت بڑی اور واضح دلیل ہے۔ یہ چیلنج صرف ایسی ہستی ہی کر سکتی ہے جسے اپنے کلام کے بے مثال ہونے کا پوری طرح یقین ہے۔ یہ چیلنج صرف ایسی ہستی کر سکتی ہے جو جن و انس کی کمزوریوں سے خوب آگاہ ہے، یہ چیلنج صرف ایسی ہستی کر سکتی ہے جس کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل بالکل واضح ہیں۔ ورنہ کمزور، ناقص اور کم علم انسان کبھی بھی اتنا بڑا بول نہیں بول سکتا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میرے دعوے کو جھوٹ ثابت کرنے والے آج نہیں تو کل ضرور پیدا ہو جائینگے لیکن وہ علام الغیوب مولیٰ جو خوب جانتا تھا کہ اس چیلنج کو مشرق و مغرب میں عرب و عجم میں، ماضی اور مستقبل میں آج اور کل میں۔ جنوں اور انسانوں میں، زمین اور فضاؤں میں کوئی قبول نہیں کر سکے گا۔ اس نے چیلنج کیا اور ڈنکے کی چوٹ کیا مگر آج تک اسے کوئی قبول نہ کر سکا اور جس کسی نے اس چیلنج کا جواب دینے کی بھونڈی کوشش کی اسے منہ کی کھانی پڑی۔

بھونڈی کوشش ابن مقنع دوسری صدی ھجری کا بڑا مشہور اور قادر الکلام شاعر اور ادیب گذرا ہے اسے بعض لوگوں نے تعریف کر کے بانس پر چڑھا دیا اور اس سے درخواست کی کہ سب کام چھوڑ کر قرآن کی کوئی مثل تیار کر دو۔ تمہیں عربی لغت پر فصاحت و بلاغت پر شعر و نثر پر جو قدرت حاصل ہے اس کے پیش نظر تمہارے لئے یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

ابن مقنع ان کی باتوں میں آگیا یوں بھی جو شخص بانس پر چڑھا ہوا ہو اسے چیزیں اپنی اصلی صورت میں دکھائی نہیں دیتیں۔ اس نے کہا میرے ایک سال کے اخراجات کا انتظام کر دو میں قرآن کی مثل بنا کر مسلمانوں کے خدا کے چیلنج کا عملی جواب دے دوں گا انہوں نے اس کا مطالبہ فوراً پورا کر دیا اور

ابنِ مقنع ایک الگ تھلگ مکان میں ڈھیر سارا کاغذ قلم اور دوات لے کر بیٹھ گیا۔ چھ ماہ کے بعد اس کے اخراجات کا انتظام کرنے والوں کو خیال ہوا کہ ابنِ مقنع کی اب تک کی کارکردگی کو دیکھنا چاہیے۔ وہ جب پہنچے تو دیکھا ابنِ مقنع گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے، قلم ہاتھ میں ہے اور لکھنے کا سامان سامنے پڑا ہوا ہے اور اس کی پیٹھ کے پیچھے پھاڑے ہوئے کاغذوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ آنے والوں نے جب اس سے مطالبہ کیا کہ ہمیں اب تک کی کارکردگی دکھاؤ تو اس نے ندامت سے سر جھکا لیا اور بڑی بے بسی سے کہا:

"میرے دوستو! جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں مسلسل اس کوشش میں ہوں کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل تیار کر سکوں مگر جب بھی چند سطریں لکھتا ہوں میرا ضمیر کہتا ہے کہ یہ قرآن کی مثل نہیں ہے۔ چنانچہ میں اس ورق کو پھاڑ دیتا ہوں اور دوسرے ورق پر لکھنا شروع کرتا ہوں لکھنے کے بعد جائزہ لیتا ہوں، قرآن کے ساتھ ملا کر دیکھتا ہوں تو پھر محسوس ہوتا ہے کہ یہ قرآن کی مثل نہیں ہے"

یوں اس نے لکھ لکھ کر لاتعداد ورق پھاڑ دیئے مگر اس کلام کی مثل تیار نہ کر سکا۔

مسیلمہ کذّاب جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخر میں نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اس نے بھی اپنے احمق مریدوں کے اصرار پر سورۂ فیل کی نقل تیار کی مگر اس کا واہیات کلام سُن کر اس کے اندھے پیروکاروں نے بھی اس پر لعن طعن کی تھی کہ اسے تو سنجیدہ کلام بھی نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ اسے قرآن پاک کے پاسنگ قرار دیا جائے۔ مسیلمہ نے بڑی فکری جدّوجہد کے بعد جو کلام تیار کیا تھا وہ یہ تھا:

اَلفِیلُ مَا الفِیلُ وَمَا اَدرَاکَ مَا الفِیلُ لَہٗ ذَنبٌ وَبِیلٌ وَخُرطُومٌ طَوِیلٌ

ہاتھی ! ارے کیا ہے ہاتھی، تمہیں کیا خبر کہ کیا ہے ہاتھی۔ اس کی دم چھوٹی ہوتی ہے اور سونڈھ لمبی ہوتی ہے۔

جاحظ جو مشہور ادیب گزرا ہے اس نے مینڈک کے متعلق بھی مسیلمہ کی تُک بندی نقل کی ہے :

یا ضِفدعُ بنت ضِفدعَین نقی ماتُنَقِّین نصفكِ فی الماءِ ونِصفكِ فی الطین لا الماءَ تُکَدِّرِینَ ولا تَمنعِین۔

اے دو مینڈکوں کی مینڈک بیٹی صاف ہے جس کو تو صاف رکھے، تیرا آدھا (حصہ) پانی میں اور آدھا مٹی میں ہوتا ہے، نہ تو پانی کو میلا کرتی ہے نہ پانی پینے والے کو روکتی ہے۔

بعض لوگ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کا نام لیتے ہیں کہ وہ فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے اور قرآن کا مقابلہ کر سکتی ہے حالانکہ اس کا کمال صرف یہ ہے کہ اس نے ایسا کلام لکھا ہے جو بغیر نقطوں کے ہے حالانکہ یہ کام فیضی سے پہلے متنبی اور حریری اور دوسرے عرب ادیبوں نے بھی کیا ہے اور پھر اگر ہم خود فیضی سے پوچھیں کہ کیا تم قرآن کی مثل بنا سکتے ہو تو وہ بلا جھجک کہتا ہے :

کَلَامُ اللهِ لَاحَدَّ لِمَحَامِدِہٖ وَلَاعَدَّ لِمَکَارِمِہٖ وَمَاءٌ لَاسَاحِلَ لَہٗ۔

قرآن اللہ کا کلام جس کی تعریفوں کی انتہا نہیں اور جس کی فضیلتیں شمار میں نہیں آسکتیں وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں۔

بعض لوگ ابن الراوندی یہودی کا بھی نام لیتے ہیں کہ اس نے قرآن کے چیلنج کو قبول کیا تھا اور قرآنی دعویٰ کی تردید میں التاج والفرید جیسی کتابیں لکھی تھیں۔ حالانکہ یہ وہ شخص تھا جو کتاب لکھنے کے بعد یہود سے رقم طلب کرتا تھا جب نہ دیتے تھے تو ان کتابوں کی تردید کرتا تھا۔ ابو العلاء المعری نے اس کی کتاب التاج کے متعلق لکھا ہے:

لا یصلح التاج ان یکون نعلاً — اس کی کتاب التاج جوتا بننے کے قابل بھی نہیں

یہ اسی ابو العلاء المعری کا قول ہے جو ابن الراوندی کی طرح ملحد تھا۔ ابو علی جبائی معتزلی سے بغداد کے پل پر ابن الراوندی نے ملاقات کی اور کہا کہ تم میرا قرآن سنو گے جبائی نے کہا میں تمہارے شرمناک علوم سے واقف ہوں۔ پھر اس نے کہا اے ابن الراوندی تم کو منصف ٹھہراتا ہوں کیا تمہارے اس کلام میں قرآن کی طرح بلاغت، فصاحت، شیرینی اور ہیبت ہے؟ اس نے کہا نہیں۔

عبرت | گرامی قدر حاضرین! بعض واقعات ایسے بھی پیش آئے ہیں کہ جن لوگوں نے کلام اللہ کی مثل بنانے کی کوشش کی رب کریم نے انہیں دنیا والوں کے لئے عبرت کا زندہ نشان بنا دیا۔

علامہ ابن جوزیؒ نے "الوفاء فی فضائل المصطفیٰ" میں ایک بڑا عبرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ ابو محمد بن مسلم نحوی ایک مرتبہ اعجاز قرآن پر گفتگو کر رہے تھے وہاں ایک فاضل شیخ بھی موجود تھا۔ اس نے کہا قرآن میں ایسی کونسی ندرت دکھائی ہے جس سے فضلاء و بلغاء عاجز آجائیں۔ پھر وہ کاغذ قلم لیکر بالاخانے پر چڑھ گیا۔ اور وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد قرآن مجید کی مثل کچھ لکھ کر لاؤں گا۔ جب تین دن گزر گئے اور وہ نیچے نہ اترا تو ایک شخص بالاخانے پر چڑھا تو اسے اس حال میں پایا کہ اس کا ہاتھ قلم پر سوکھ چکا تھا

جادو وہ جو . . . . | کہا جاتا ہے کہ جادو وہ ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے اور کمال وہ ہوتا ہے جس کا اعتراف کرنے پر دشمن بھی مجبور ہو جائیں۔ عطر وہ ہوتا ہے جس کی تعریف کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

قرآن کریم کے بے مثال ہونے کا اعتراف دوستوں نے تو کیا ہی ہے، دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ اس کلام نے اپنی بے مثال تاثیر اور کشش کی بنا۔

پر کافروں، مشرکوں، عیسائیوں اور یہودیوں سے منوایا ہے کہ میں انسانی کلام نہیں ہوں میری کوئی مثل ہو ہی نہیں سکتی۔

ایک واقعہ نظر سے گذرا ہے (واللہ اعلم اس کی روایتی حیثیت کیا ہے)

کہتے ہیں کہ عرب کا ایک مشہور شاعر جو جماعت کفار سے تعلق رکھتا تھا، شہر کے شور و شر سے متنفر آب ہوا اور عام لوگوں کی ناخوشگوار صحبت سے بچنے کے لئے پہاڑ کے ایک غار میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گیا تھا، کیونکہ یہ باتیں اس کے دل و دماغ پر برا اثر ڈالتی اور یکسوئی میں خلل انداز ہوتی تھیں اس کے بہت سے شاگرد تھے جو اپنا اپنا کلام بغرض اصلاح اس غار کے اندر ڈال آتے اور دوسرے روز وقت مقررہ پر غار کے باہر سے اٹھا لاتے۔ ایک روز ایک شاگرد نے قرآن شریف کی اس سورت کو اپنا کلام ظاہر کر کے اس کا چوتھا مصرعہ بنانے کی درخواست کی

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ   فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ   اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ

دوسرے روز جب وہ اپنا پرچہ واپس لایا تو اس میں چوتھے مصرع کی جگہ یہ درج تھا لَیْسَ هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ یعنی یہ انسان کا کلام نہیں ہے

عرب کے سردار اسعد بن زرارہ نے سخت مخالفت کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے سامنے اقرار کیا کہ:

"ہم نے خواہ مخواہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کر کے اپنے رشتے ناطے توڑے، اور تعلقات خراب کئے، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، ہرگز جھوٹے نہیں، اور جو کلام وہ لائے ہیں بشر کا کلام نہیں ہو سکتا"

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی انیس ایک مرتبہ مکہ معظمہ گیا

اس نے واپس آکر مجھے بتایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں! بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے، کوئی کاہن بتلاتا ہے کوئی جادوگر کہتا ہے، میرا بھائی انیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے واقف آدمی تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں۔ ان کا کلام نہ شعر ہے، نہ کہانت، نہ مجنونانہ کلمات ہیں، بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔

ابو ذر رضؓ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا اور مسجد حرام میں آکر پڑ گیا۔ تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہ گیا، اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی نہ ضعف محسوس کیا۔ واپس گئے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے روم اور فارس کے فصحاء اور بلغاء کے کلام بہت سنے ہیں اور کاہنوں کے کلمات اور حمیر کے مقالات بہت سنے ہیں، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کی مثال میں نے کہیں نہیں سنی، تم سب میری بات مانو اور آپ کا اتباع کرو، چنانچہ فتح مکہ کے سال میں ان کی قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مکہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔

ہر چیز میں بے مثال

میں بتا یہ رہا تھا کہ قرآن حکیم بے مثال ہے اور کسی ایک پہلو سے نہیں بلکہ ہر پہلو سے بے مثال ہے فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہے، فضیلت و عظمت میں بے مثال ہے، معجزہ ہونے میں بے مثال ہے، اثر آفرینی میں بے مثال ہے، جامعیت میں بےمثال ہے، اس کا نام بھی بے مثال ہے، جس پہلو سے آپ دیکھیں قرآن کو بے مثال

پائیں گے۔

فصاحت کے اعتبار سے تو آپ سن ہی چکے ہیں کہ جس نے بھی قرآن کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی منہ کی کھائی۔ اور آج تک کسی سے اس کی مثل بھی نہیں بن سکی۔ اس میں فصاحت و بلاغت بھی معجزانہ شان کی حامل ہے۔ لیکن میں یہاں فصاحت و بلاغت اور بداعت کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ بہت سے لوگ فصاحت و بلاغت اور بداعت کا مطلب ہی نہیں سمجھتے۔ فصاحت کی مثال تو ایسی ہے جیسے آپ کپڑے سلوائیں تو سب سے پہلے تو کپڑے کو دیکھا جائے گا کہ اس کا مادہ بھی صحیح ہے یا نہیں۔ اگر کپڑے کا مادہ صحیح ہے، سوت نہایت عمدہ ہے، ریشم نہایت عمدہ ہے تو کہیں گے کپڑا نہایت اعلیٰ ہے، یہ کپڑے کی ذات ہے، اس کو کہنا چاہئے کہ یہ فصاحت ہے کہ کلام کے اندر الفاظ نہایت بامحاورہ ہوں، کلام کے اندر لفظوں میں کوئی منافرت نہ ہو کہ کان اس کے سننے سے اُکتا جائیں، کانوں پہ بار گزرے بلکہ ایسا ہو کہ کان میں کلام پہنچا اور دل میں اُتر گیا اور حقیقت منکشف ہوگئی۔ تو کلام کے اندر لفظ بھی اعلیٰ ہوں، کوئی پیچیدگی بھی نہ ہو اور سمجھنے میں کوئی دشواری بھی نہ ہو، اتنا سلیس ہو کہ فوراً قلب میں اتر جائے۔ اور اتنا جامع ہو کہ سارے حقائق اس میں چھپے ہوئے ہوں یہ تو فصاحت ہے۔

بلاغت: ایک تو یہ تھا کہ کپڑا اعلیٰ ہو۔ دوسرا یہ کہ بدن کے مطابق سلا ہوا ہو۔ اگر کپڑا تو اعلیٰ ہے لیکن بدن کے مطابق سلا ہوا نہیں تو اس کے بھدے پن کے آگے کپڑے کے اعلیٰ پن کی خوبیاں بھی بے معنی ہو جاتی ہیں۔ تو کپڑے کا بدن کے مطابق ہونا یہ بمنزلہ بلاغت کے ہے۔

بداعت: پھر اس کپڑے پر کوئی رنگ، کوئی نقش و نگار اور

رنگینی اعلیٰ ترین ہو اسے بداعت کہتے ہیں۔ یعنی اس کی بداعت بھی اعلیٰ ہے تو کلام اپنی ذات سے بھی اعلیٰ، سننے والے اور مخاطبین کے مزاج کے بھی مطابق اور اس کے اندر مرصّع و مسجّع اور مقفّٰی ہونا یہ بھی داخل تو فصیح بھی ہوا بلیغ بھی ہوا بدیع بھی ہوا۔[1]

جامعیّت | عام طور پر جب یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن بے مثال کتاب ہے، اس کی مثال لانے سے دنیا قاصر ہے تو عام لوگوں کی نظر فوراً اس کی فصاحت و بلاغت پر جاتی ہے اور وہ بس یہی سمجھتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت میں قرآن کا ہم پلّہ کلام نہیں بنا جا سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے لیکن یاد رکھیں کہ قرآن صرف فصاحت و بلاغت ہی میں بے مثال نہیں بلکہ یہ تو ہر پہلو سے بے مثال ہے اور اس کے بے مثال پہلوؤں میں سے ایک پہلو اس کی جامعیت بھی ہے۔ دنیا کی کسی کتاب اور کسی انسائیکلوپیڈیا میں وہ جامعیت نہیں ہے جو جامعیت قرآن کریم میں ہے۔ قرآن کا نازل کرنے والا اللہ خود فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل)

اور ہم نے آپؐ پر ایسی کتاب اُتاری ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام)

ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی قرآن مجید (بیان کرنے سے)

تیسری جگہ فرمایا:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا

کوئی ایسی تر اور خشک چیز نہیں جو اس

---

[1] خطبات حکیم الامت ص۱۱۵ ج۱

فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (الانعام) کتابِ مبین میں (مذکور) نہ ہو

اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ خشک ہے یا تر زمین، آسمان، فضا، تحت الثریٰ اور فوق الثریا کی ہر چیز دیکھ لیجئے وہ آپ کو ان دو حالتوں سے خالی نظر نہیں آئے گی ۔ قرآن کے ان دو لفظوں رطب اور یابس ہی پر غور کریں آپ کو قرآن کی فصاحت و بلاغت اور جامعیت سمجھ آجائے گی کہ کیسے قرآن کوزے میں دریا بند کر دیتا ہے ۔ قرآن نے صرف دو لفظ استعمال کر کے کائنات کی ہر چیز کو بیان کر دیا، جمادات کو بیان کر دیا، نباتات کو بیان کر دیا، مادیات اور روحانیات کو بیان کر دیا، حیوانات کو بیان کر دیا، ذرّات اور قطرات کو بیان کر دیا، شجر و حجر اور ارض و سماء کو بیان کر دیا، بلندی و پستی کو بیان کر دیا۔ فضا، ہوا، ثریٰ اور ثریّا کو بیان کر دیا، جنّ و انس اور ملائکہ کو بیان کر دیا، دنیا اور آخرت کو بیان کر دیا۔ غرضیکہ عالَم غیب اور عالَم شہود کی ہر چیز کو بیان کر دیا۔

اس آیتِ کریمہ میں کائنات کے خالق و مالک نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ازل سے ابد تک کے تمام حقائق اور تمام علوم و معارف اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ میرے آقا کے عظیم صحابی عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :

مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَعَلَیْہِ بِالْقُرْاٰنِ فَاِنَّ فِیْہِ خَبَرَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ

جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو وہ قرآن پاک کو لازم پکڑے کیونکہ اس میں پہلوں اور بعد والوں سب کے علوم موجود ہیں۔

قاضی ابوبکر بن عربی اپنی کتاب قانون التاویل میں لکھتے ہیں کہ قرآن کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار چار سو پچاس ہے اور فرماتے ہیں کہ قرآن کا ہر کلمہ کسی نہ کسی علم کی بنیاد ہے پھر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ قرآن کے ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے پھر ہر ظاہر اور باطن کے لیئے ایک حدِ آغاز ہے اور ایک حدِّ اختتام ہے۔ اس اعتبار سے قرآن کے ہر حرف کے چار پہلو ہیں تو اگر ہم ستتر ہزار چار سو پچاس کو چار سے ضرب دیں تو تین لاکھ نو ہزار آٹھ سو کی تعداد بنتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کم از کم تین لاکھ نو ہزار آٹھ سو علوم کی بنیاد ہے۔ ایک عام آدمی کو اس تعداد میں مبالغہ محسوس ہوگا لیکن بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ ایمان کی حقیقت اور ایمان کے نور سے نواز دیتے ہیں، جو لوگ اپنے باطن کا تزکیہ کر لیتے ہیں اور جو لوگ قرآن کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں اور قرآن میں ڈوب کر اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں اس سمندر کی تہہ میں لاکھوں انمول موتی دکھائی دیتے ہیں۔ امام سیوطیؒ نے بہت پیاری بات کہی ہے، فرماتے ہیں :

مَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُمْکِنُ اسْتِخْرَاجُہٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ فَھَّمَہُ اللّٰہُ	جس شخص کو اللہ نے فہم و بصیرت سے نوازا ہو اس کے لئے کائنات کی ہر چیز کا استخراج قرآن سے ممکن ہے۔

گہری نظر سے قرآن کا مطالعہ کرنے والے کہتے ہیں کہ قرآن میں علم طبیعیات بھی ہے۔ کیونکہ قرآن میں بے شمار اشیاء کی طبائع کا ذکر ہے۔ اس میں علم نفسیات بھی ہے۔ قرآن میں ہے :

خُلِقَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلاً	انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے

اس کتاب میں علم فلکیات بھی ہے :

اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ	کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا — اللہ نے سات آسمان تہہ در تہہ اور رکھا چاند کو ان میں اُجالا بنا کر اور سورج کو چراغ جلتا ہوا

اس میں علم ارضیات بھی ہے۔ قرآن میں ہے :

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝ — اور اللہ نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا تاکہ چلو اس میں کشادہ راستوں پر

اس کلام مقدس میں علم جمادات بھی ہے۔ قرآن میں ہے :

وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِھِمْ — اور رکھدیئے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ (پہاڑ) تاکہ کہیں انہیں (انسانوں کو) لیکر جھک نہ پڑے۔

اس میں علم مناظرہ بھی ہے۔ قرآن میں ہے :

لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا — اگر زمین اور آسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسری الٰہ ہوتا تو فساد ہو جاتا۔

اس میں علم فرائض بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ — اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے معاملے میں نصیحت کرتا ہے (میراث کی بابت)

اس میں علم ہیئت بھی ہے۔ فرمانِ باری ہے :

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — کیا انہوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی ملکوت میں

اس میں علم ہندسہ بھی ہے۔ ارشاد فرمایا :

اِنْطَلِقُوْا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ — چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی

ثُلٰثِ شُعَبٍ۔ — تین شاخیں ہیں۔

اس میں علم طب بھی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ — پینے کی رنگ شے نکلتی ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لئے

اس میں علم حساب بھی ہے۔ فرمایا :

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ — تاکہ تم شمسی اور قمری حساب کو جان لو

اس میں علم فلاحت (کاشتکاری) بھی ہے۔ فرمایا :

اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ — کیا تم دیکھتے ہو جو کچھ تم بوتے ہو۔

اس میں علم سیاحت بھی ہے۔ فرمایا :

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا — اے پیغمبر لوگوں کو کہہ دیجئے کہ زمین میں گھومیں پھریں اور غور و فکر کریں۔

اس میں علم تصوف بھی ہے۔ فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ — اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ — اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ — اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

اس میں علم تاریخ بھی ہے کیونکہ سینکڑوں آیات میں سابقہ اقوام اور امم کے حالات مذکور ہیں

اس میں علم کتابت بھی ہے۔ فرمایا :

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ — ہم نے تعلیم دی قلم کے ذریعے۔

اس میں علم وزن بھی ہے۔ فرمایا :

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ — اور پورا کرو ناپ تول

اس میں علم تعبیر بھی ہے۔ فرمایا:

وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ اور اے پروردگار تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر سکھلائی۔

اصلی مقصد لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ اگرچہ قرآن نے فلکیات اور ارضیات کا ذکر کیا ہے لیکن یہ علوم قرآن کا مقصدِ نزول نہیں ہیں اور نہ ہی قرآن فلکیات اور سائنس وغیرہ کی کتاب ہے، بلکہ قرآن اولاً و آخراً صرف اور صرف کتاب ہدایت ہے اور اسی مقصد کے لئے قرآن کو پڑھنا چاہیئے۔ وہ آیات جن میں شجر وحجر، ارض وسما، شمس وقمر اور ہیئت وہندسہ کا بیان ہے انہیں بھی ہدایت ہی کے لئے پڑھنا چاہیئے بلکہ عام لوگوں کو تو سائنس وغیرہ کی ابحاث سامنے رکھ کر قرآن کا مطالعہ کرنا ہی نہ چاہیئے ورنہ ان کے بھٹکنے اور گمراہ ہونے کا امکان ہے۔ قرآن سے مختلف علوم وفنون کا استخراج اور نکتہ آفرینیاں کرنا یہ خواص اور ماہرینِ قرآن کا کام ہے۔

نکتہ آفرینی پر مجھے امام غزالی کی نکتہ آفرینی یاد آئی ان سے کسی غیر مسلم نے سوال کیا کہ قرآن کی اس آیت میں سورج، چاند اور دوسرے سیاروں کی سیدھی حرکت کا ذکر ہے:

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ٥ تمام (سیارے) فلک میں تیرتے رہتے ہیں

حالانکہ سیارے سیدھ میں بھی حرکت کرتے ہیں اور حرکتِ معکوس بھی کرتے ہیں تو قرآن نے سیدھی حرکت کا تو ذکر کر دیا مگر ان کی حرکتِ معکوس کا ذکر نہیں کیا۔

امام غزالیؒ نے فرمایا: اس آیت میں حرکتِ معکوس کا بھی ذکر ہے کیونکہ اگر كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ کو معکوس طریقے سے پڑھا جائے، یعنی كُلٌّ کے کاف کے بجائے فَلَكٍ کے کاف سے شروع کرکے اُلٹا پڑھیں تو بھی كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ

ہی بنتا ہے تو اسے سیدھا پڑھا جائے تو سیدھی حرکت کا ذکر ہوگا اور اگر معکوس پڑھا جائے تو حرکتِ معکوس کا ذکر ہوگا۔

امام غزالیؒ نے یہ نکتہ آفرینی محض اس سائل کا منہ بند کرنے اور اسے مبہوت کرنے کے لئے کی وگرنہ علماء فرماتے ہیں کہ سورۂ تکویر کی اس آیت میں ستاروں کی الٹی اور سیدھی دونوں حرکتوں کا ذکر ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔ قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی، چلتے رہنے والوں اور جا چھپنے والوں کی۔ (التکویر)

لیکن اس قسم کی نکتہ آفرینی امام غزالیؒ کو تو زیب دیتی ہے مگر ہمارے جیسے جاہلوں کو زیب نہیں دیتی۔ اگر جہلا نکتہ آفرینی کریں گے تو پھر وہ ایسی ہوگی جیسے بعض بدبخت کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم ہوا تھا:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ آپ اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔

تو اس سے رقص کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو جو حکم ہوا تھا۔

اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔ اپنے عصا کو پتھر پہ ماریں۔

تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ڈنڈا ہاتھ میں لیکر اس پہاڑی علاقے میں سفر کیجئے

میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن جامعیت میں بے مثال ہے اور جیسے جامعیت میں قرآن بے مثال ہے اسی طرح حفاظت میں بھی بے مثال ہے اور اس کی وجہ بالکل واضح ہے وہ یہ کہ قرآن کی حفاظت ربِّ کریم نے اپنے ذمّہ لی ہے۔ فرمایا:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ بے شک یہ قرآن کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمّہ ہے۔

جب قرآن کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمے لی تو اب اگر اس میں معمولی سی تبدیلی بھی ہو جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا۔ حالانکہ زمین و آسمان زیر و زبر ہو سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں کبھی بھی تخلف نہیں ہو سکتا۔ دوسری کتابوں کا ذمہ چونکہ اللہ نے نہیں لیا تھا بلکہ ان قوموں کو ان کی حفاظت کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا جن پر وہ کتابیں نازل کی گئی تھیں اس لئے ان کتابوں کا جو حشر ہوا وہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔

عیسائی آج کمزور ایمان والوں اور غریب مسلمانوں اور دوسری قوموں کو انجیل پر ایمان لانے کی دعوت دیتے پھر رہے ہیں حالانکہ اس انجیل کا حال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد عیسائیوں میں ایک سو تینتیس ۱۳۳ نسخے رواج پا چکے تھے۔ جن میں بالآخر ایک سو انتیس ۱۲۹ نسخوں کو رد کر کے باقی چار کو صحیح تسلیم کر لیا گیا اور آج بھی انجیل یُوحنّا، انجیلِ مرقس، انجیلِ لوقا اور انجیلِ متّی کے نام سے چار بالکل مختلف نسخے موجود ہیں اور پوری عیسائی دنیا کبھی بھی ان میں سے کسی ایک پر متفق نہ ہو سکی۔ لیکن قرآن کل بھی ایک تھا آج بھی ایک ہے، مشرق و مغرب میں بھی وہی قرآن ہے، شمال و جنوب میں بھی وہی قرآن ہے، لوحِ محفوظ میں بھی وہی قرآن ہے، صحابہ بھی وہی قرآن پڑھتے تھے جو آج ہم گنہگار پڑھتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں آباد ایک ارب تیس کروڑ مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا مسلمان نہیں ہے جو قرآن کے متن میں اختلاف رکھتا ہو اور اگر کوئی ایسا بدبخت ہے تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بعض مدعیان نبوت نے قرآن میں تحریف کی جسارت کی مگر وہ خائب و خاسر رہے، انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

عجیب تحریف ہاں البتہ تحریف کا وہ ایک عجیب واقعہ مشہور ہے مگر وہ صرف لطیفہ ہے اس کی کوئی حقیقت اور اصل نہیں ہے کہتے ہیں کہ ایک بڑا ماہر قسم کا کاتب تھا جس کی مہارت کا دور دور شہرہ تھا اس کے فن پاروں کو دیکھنے کے لئے لوگ دُور دور سے آتے تھے۔ مگر اس کے اندر ایک کمزوری تھی وہ یہ کہ اُسے جو چیز بھی لکھنے کے لئے دی جاتی تھی اس میں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ تحریف ضرور کر دیتا تھا اس چیز کو وہ تصحیح اور اصلاح کہتا تھا لیکن اس تحریف اور تبدیلی سے معنی اور مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا تھا۔

لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کس طرح اس کے فن سے فائدہ اٹھایا جائے، چونکہ کمی بیشی کرنے کی عادت تو یہ چھوڑ نہیں سکتا۔ لہذا اس سے کتابیں لکھوانے میں اپنا ہی نقصان ہے۔ آخر میں یہ طے پایا کہ اس سے قرآن لکھوایا جائے کیونکہ قرآن میں تو یہ کوئی تحریف کر نہیں سکتا تو یوں اس کا فن بھی ضائع نہ ہوگا اور اس کی قطع و برید سے بھی ہم بچ جائیں گے چنانچہ ایک رئیس صاحب نے کاتب کے اخراجات اپنے ذمہ لے لئے اور انہیں قرآن پاک لکھنے کا حکم دیا۔ کاتب نے بڑی محنت، بڑی محبت اور بڑے ذوق و شوق سے قرآن لکھنے کے بعد رئیس کی خدمت میں پیش کر دیا، رئیس صاحب نے ازراہِ مذاق ایسے ہی پوچھ لیا کہ بھائی کاتب صاحب! آپ نے اللہ کے کلام میں کوئی گڑبڑ اور کمی بیشی تو نہیں کی۔ اس نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور استغفر اللہ پڑھ کر کہا: ارے جی! آپ کیسی بات کر رہے ہیں کوئی مسلمان اللہ کے کلام میں تحریف کی جرأت کر سکتا ہے؟ آخر آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں، کیا میں مسلمان نہیں ہوں! ہاں البتہ ایک بات دل میں کھٹکتی رہی، وہ یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس میں کُتّے کا ذکر ہے

کہیں خنزیر کا ذکر ہے، کہیں شیطان کا ذکر ہے تو میں نے اس کا حل یہ نکالا کہ جہاں کتے، خنزیر اور شیطان کا ذکر تھا وہاں ان کے بجائے آپ کے والد محروم کا نام لکھ دیا ہے۔

معانی کی بھی حفاظت | یہ تو ایک لطیفہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ربِّ کریم نے قرآن کریم کی بے مثال حفاظت فرمائی اور کیوں بے مثال نہ ہو جب وہ خود بے مثال ہے تو اس کی حفاظت بھی بے مثال ہے بلکہ الفاظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ربِّ کریم نے معانی کی بھی حفاظت فرمائی کیونکہ قرآن حقیقت میں دو چیزوں یعنی الفاظ اور معانی کا مجموعہ ہے اور یہ دونوں منزّل من اللہ ہیں۔ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ الفاظِ قرآن جب نازل ہوتے تھے اسے جوں کا توں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ و حاضرین کو سنا دیتے، کوئی لفظ کم کرتے نہ زیادہ۔ اس معاملے میں جس طرح آپؐ امین تھے، اسی طرح معانی کے سلسلہ میں بھی آپؐ امین تھے۔ الفاظ کی طرح معانی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کئے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت کا جو مقصد، مطلب و معنی آپؐ کے قلب مبارک پر القاء ہوتا، آپؐ اسی کو روایت فرما دیتے، اپنی طرف سے کوئی معنی بیان نہیں کرتے تھے۔

آپؐ الفاظ میں بھی امین تھے اور معانی میں بھی امین۔ الفاظ بھی اللہ کی طرف سے تھے اور معانی بھی۔ اور دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں قیامت تک خلل نہیں پڑ سکتا۔ یہ الفاظ اور معانی قیامت تک باقی رہیں گے۔ تحریف کرنے والے ہزار تحریف کریں مگر حق غالب ہی رہے گا۔ الفاظ بھی باقی رہیں گے اور معانی بھی۔

ابتداءً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت شریفہ تھی جب وحی نازل ہوتی تو آپ جلد از جلد اس کو پڑھنے لگتے تاکہ الفاظ زبان پر چڑھ کر محفوظ ہو جائیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ کہ بھولنے کے پیش نظر زبان کو حرکت نہ دیجئے، اس کے الفاظ آپ کے قلب میں جمانے اور زبان سے ادائیگی کا ہم ذمہ لیتے ہیں گویا الفاظِ قرآن کی حفاظت، اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ لی، کہ آپ کے قلب مبارک سے پڑھوا بھی دیں گے نہ جمع میں کوئی غلطی ہوگی اور نہ پڑھنے میں کوئی چوک ہوگی ......
یہ اللہ کا ذمہ بھی تھا اور وعدہ بھی۔

"عَلیٰ" عربی میں لازم کرنے کے معنی میں آتا ہے جس چیز کو کوئی اپنے اوپر لازم کرتا اور ذمہ لیتا ہے اس کی تعبیر علیٰ سے کی جاتی ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے "عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ" تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے اوپر لازم ہے کہ تم کو ایک ہزار روپیہ دوں یہ میری ذمہ داری ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ" یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ الفاظِ قرآن آپ کے قلب میں جمع و محفوظ بھی کر دیں اور آپ کی زبان مبارک سے پڑھوا بھی دیں۔ گویا قرأت بھی دوامی ہے جس میں کبھی اور کسی قسم کا خلل نہیں پڑ سکتا۔ اور جمع قرآن بھی دوامی ہے کہ اس میں تحریف اور ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ قرآن پاک الفاظ و معانی کا مجموعہ ہے۔ الفاظ پڑھے جاتے ہیں معانی پڑھے نہیں جاتے، سمجھے جاتے ہیں۔ تو یہاں قُرْآنَهُ، فرما کر الفاظ کو پڑھانے اور زبان پر جاری کرانے کی ذمہ داری لی گئی ہے۔ معانی سے متعلق یہاں کچھ نہیں فرمایا گیا۔ قرآن کے لغوی معنی پڑھنا کے ہیں۔ معانی کی ذمہ داری ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ میں لی گئی ہے۔ یعنی الفاظ کے

معانی کھول کھول کر بیان کرنا بھی ہمارے ذمّہ ہے۔ پہلی آیت میں قُرْاٰنَهٗ فرما کر الفاظ کی ادائیگی اور قرارت کی ذمّہ داری لی۔ اور اس آیت میں بَیَانَهٗ فرما کر معانی بیان کرنے اور سمجھانے کی ذمہ داری لی۔

بیانِ قرآن اور یہ بیان ہی دراصل حدیث کہلاتا ہے اور حدیث ہی کے ذریعے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مقاصد کو واضح فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث بھی قرآن کی طرح قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ کیونکہ قرآن کے ساتھ بیانِ قرآن باقی نہ رہے تو لوگ کچھ کا کچھ مطلب لیں گے، ایک معنی کے ہزار معنیٰ بنیں گے قرآن کی اولین تفسیر حدیث نبوی ہے، قرآن مجید میں اس کو بیان بھی کہا گیا ہے

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ	ہم نے یہ ذکر (قرآن مجید) آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ واضح اور کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کریں۔

الفاظ جب آچکتے ہیں تو اس کے معانی بیان ہوتے ہیں۔ اس لئے بیان معانی پر صادق آتا ہے۔ الفاظ بیان نہیں کہلاتے۔ وہ تلاوت کئے جاتے ہیں، پڑھے جاتے ہیں۔ قرآن کے جو الفاظ آچکے ہیں اور ان کے جو معانی اور مراداتِ ربانی ہیں ان کے بیان کر دینے کا نام تبیین ہے یعنی واضح کر دینا۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ سے معلوم ہوا کہ حدیث بیانِ قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک متن اتارا، جس کا نام قرآنِ مجید ہے، اور اس متن کی ایک شرح اتاری جس کا نام حدیث ہے۔ اس کی تاکید لفظِ بیان سے

کی اور اس سلسلے میں خود ذمہ داری لی۔ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ کہ بیان کرنا بھی ہمارے ذمّہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے کئی معنوں میں ڈھل سکتی ہوتی۔ مگر آپ نے کبھی اس طرح نہیں فرمایا کہ اس آیت کے ایک معنیٰ یہ ہو سکتے ہیں، ایک یہ ہو سکتے ہیں اور فلاں زمانے کے مطابق فلاں معنیٰ ہیں۔ بلکہ اس کی مراد بھی اللہ تعالیٰ ہی آپؐ کے قلب پر القا فرماتے، خود آپ مراد پر غور نہ فرماتے کہ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے، یہ مراد بھی نکلتی ہے۔ مرادِ ربّانی روایت اور نقل سے حاصل ہو سکتی ہے، عقل سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ مرادِ آیت کے دائرے میں رہ کر آپ عقل لڑائیں گے تو حکمتیں کھلیں گی۔ اور وہ حکمت قرآن کہلائے گی۔ لیکن خود مراد کو عقل سے متعین نہیں کیا جا سکتا۔ مراد اللہ تعالیٰ ہی بیان فرمائے گا کہ اس آیت سے میرا مطلب یہ تھا۔ اگر مرادِ آیت عقل سے ہی متعین کی جاتی تو قرآن کئی اقسام کے ہوتے، جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ جب روزہ کے متعلق آیت نازل ہوئی ابتدا میں یہ حکم تھا کہ رات کو سو کر جب بھی آنکھ کھلے، اُس وقت سے اگلے افطار تک بیچ میں کھانا پینا منع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرمائی اور ارشاد فرمایا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ	کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کاذب کے بعد صبح صادق کا اُجالا ظاہر ہو جائے (اب کھانے پینے سے رُک جاؤ)

اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے دو قسم کے دھاگے کالے اور سفید تیار کرائے اور سرہانے رکھ دیئے۔ جب سفید دھاگے اور کالے دھاگے میں فرق معلوم ہونے لگتا تب کھانا بند کرتے۔

حضرت عدیؓ نے بھی اسی طرح کے دھاگے تیار کرائے اور تکیے کے نیچے رکھ دیئے اور ان کو دیکھتے رہے۔ جب کالا دھاگہ سفید دھاگے سے بالکل ممتاز نظر آتا تو روزہ کی نیت کرتے۔ حالانکہ اس وقت صبح صادق ہوتے خاصا وقت پندرہ بیس منٹ گذر چکے ہوتے۔

ان لوگوں نے باعتبارِ لغت یہ صورت اختیار کی تھی جو لغوی اعتبار سے غلط نہ تھی کیونکہ لغوی اعتبار سے اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ کا معنی ہے سفید دھاگہ اور اَلْخَیْطُ الْاَسْوَدُ کا معنی ہے کالا دھاگہ۔ مگر اللہ تعالیٰ کی چونکہ یہ مراد نہ تھی اس لئے سب کی دلجمعی نہ ہوئی۔ اور معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپؐ نے حضرت عدیؓ سے دریافت فرمایا: اے عدی! تم کیا صورت کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ کے نازل ہونے کے بعد دو ڈورے اپنے تکیے کے نیچے رکھ دیئے ہیں اور انہیں دیکھتا رہتا ہوں۔ جب تک کالا ڈورا سفید ڈورے سے ممتاز نہ ہو جائے کھاتا پیتا رہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عدی تمہارا تکیہ بڑا وسیع ہے کہ اس میں دن رات چھپ گئے۔ کیونکہ کالے ڈورے سے رات مراد ہے اور سفید ڈورے سے مراد دن ہے، دھاگوں کے ڈورے مراد نہیں۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہاں لغوی معنیٰ مراد نہیں۔

اثر آفرینی | جس طرح قرآن کریم فصاحت و بلاغت اور جامعیت میں بے مثال ہے اسی طرح زندگیوں کو بدلنے اور اثر آفرینی میں بھی بے مثال ہے۔ انسانوں کی تاریخ نے کسی محدود سے محدود رقبے میں اور کسی مختصر سے مختصر

انسانی گروہ میں ایسے انقلاب کا مشاہدہ نہیں کیا ہوگا جیسا انقلاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم اور اپنے کریمانہ اخلاق کے ذریعے بہت تھوڑے عرصے میں دس لاکھ مربع میل کے علاقے میں برپا کر دیا۔

آج انقلاب کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ حکمرانوں کو بزورِ بازو بدل دیا جائے بے شک ظلم ہوتا رہے، قتل و غارت گری ہوتی رہے، بدکاری ہوتی رہے، حرام کاروبار چلتے رہیں۔ بس اقتدار پر فائز چہرے بدل جائیں تو سمجھا جاتا ہے کہ انقلاب آگیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا انقلاب برپا نہیں کیا بلکہ آپؐ نے جو انقلاب برپا کیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپؐ نے قرآن کو اپنی دعوت کی بنیاد بنایا اور لوگوں کو قرآن پر ایمان لانے اور قرآن کو تھامنے کا درس دیا۔ جو لوگ سچے دل سے ایمان لاتے گئے، ان کی زندگیوں میں اخلاق میں، معاملات میں اور عقائد و نظریات میں تبدیلی آگئی۔ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان میں ایسی محبت پیدا ہوگئی کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن حکیم میں ہے :

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○	اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اللہ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

(آل عمران ـ ع ۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دل و دماغ کی کایا پلٹ دینے والا کلام ہے اس میں وہ مقناطیسیت ہے جو دلوں کو کھینچ لیتی ہے اس میں وہ کیف ہے جس کو سن کر آدمی تو آدمی شجر و حجر بھی جھومنے لگتے ہیں، اس میں وہ حلاوت ہے جو دل کے سارے تار جوڑ دیتی ہے، اس میں وہ طاقت ہے جو ایک نئے انسان کو جنم دیتی ہے، یہ وہ نغمہ ہے جو روح کو سرشار کر دیتا ہے، اس میں وہ روشنی جو اندر کی تاریک دنیا کو منور کر دیتی ہے، اس میں وہ اثر آفرینی ہے جو لمحوں میں انسان کو اپنا اسیر بنا لیتی ہے

لمحوں کے فیصلے | وہ فیصلہ چند لمحوں میں ہی ہوا تھا، جس نے حضرت عمرؓ کی زندگی کا راستہ بدل کر رکھ دیا تھا وہ قدم جو ابدی جہنم کا سامان خرید نے نکلے تھے، قرآن کی اثر آفرینی نے انہیں جنت کی راہ پر لگا دیا کسے معلوم نہیں کہ حضرت عمرؓ شمع رسالت کو ہمیشہ کے لیے گل کر دینے کے ارادے سے نکلے تھے، قصہ مختصر گھر پہنچے تاکہ بہن اور بہنوئی کی خبر لے سکیں، سورۂ طٰہٰ کی چند آیات پڑھیں اور اسلام کی جھولی میں پکے پھل کی طرح آگرے۔

طفیل دوسی اپنے قبیلے کے سردار تھے، جب مکہ آئے تو مشرکین نے سمجھایا کہ یہاں ایک ایسا شخص ہے جس نے بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا۔ وہ جادو کرتا ہے لہذا تم اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لو تاکہ اس کی آواز تمہیں سنائی نہ دے اور اس کا جادو تم پر اثر نہ کر سکے۔ ایک دن وہ مسجد حرام کے پاس سے گزرے آپؐ نماز پڑھ رہے تھے، ان کے کانوں میں آپ کی قرأت کی آواز پہنچی۔ انہوں نے سوچا کہ کلام کے معائب اور محاسن میں بھی جانتا ہوں ذرا دیکھوں تو سہی کہ اس میں کون کون سے معائب ہیں۔ توجہ سے قرآن سنا آپؐ نے نماز جب ختم کی اور گھر تشریف لے گئے تو ان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ دل و

دماغ میں ایک انقلاب برپا ہو چکا تھا، یہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑے اور آپ کی غلامی اختیار کرلی۔ بعد میں کہا کرتے تھے: "خدا کی قسم اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سُنا اور نہ میں نے اس سے زیادہ عادلانہ مذہب کوئی دیکھا۔"

جبیر بن مطعم نیک طینت شخص تھے، لیکن جاہلیت کا تعصب قبولِ حق سے مانع تھا، جنگِ بدر کے قیدی چھڑانے کے لئے مدینہ پہنچے آپؐ نماز میں معروف سورہ طور پڑھ رہے تھے، یہ سُننے لگے۔ کہتے ہیں کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا قلب پھٹ جائے گا، جب یہ آیت "اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ" آپ نے پڑھی تو ایک کپکپی اور خوف طاری ہوا کہ کہیں عذاب اسی وقت نازل نہ ہو جائے۔ یہ بھی ایمان لے آئے۔

فضیل بن عیاض یہ ڈاکو تھے ایک رات ڈاکے کی نیت سے نکلے اور ایک جگہ پہنچے۔ کانوں میں اس آیتِ کریمہ کی آواز پہنچی اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ دل کانپ گیا، نعرہ ملا ہائے میرے اللہ اور توبہ کرلی۔

امام حسنؓ کے ہاں دعوت تھی، لونڈی کھانا چن رہی تھی شوربا آپؓ کے ہاتھ پر گرا قہر آلود نظروں سے دیکھا تو تھر تھر کانپنے لگی اور اس نے یہ پڑھا:
وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ آپ نے فرمایا میں نے غصہ روک لیا، اس نے یہ پڑھا وَالْعَافِیْنَ آپؓ نے فرمایا میں نے معاف کر دیا، اس لونڈی نے یہ پڑھا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ آپؓ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔

معجزہ گر میرے بزرگو اور دوستو! قرآن کے اندر اللہ تعالیٰ نے وہ طاقت اور اثر آفرینی رکھی ہے کہ جس شخصیت کے اندر اس کا نور پیدا ہو جاتا ہے، اس شخص میں بھی اعجازی صفت پیدا ہو جاتی ہے گویا یہ معجزہ ہی نہیں بلکہ معجزہ گر،

بھی ہے یعنی بہت سے معجزات اسی سے پیدا ہوتے ہیں، آج امت کے اندر تیرہ سو برس میں بہت سے اکابر پیدا ہوئے، ہر طبقے میں اہل علم پیدا ہوئے، صوفیا میں دیکھو تو جنید، شبلی اور سری سقطی رحمہم اللہ وغیرہ ہزار ہا اہلِ تصوف گزرے ہیں، محدثین میں دیکھو تو امام بخاری، مسلم اور اس طرح سے کتنے محدث گذرے ہیں۔ متکلمین میں دیکھو تو کتنے ائمہ گزرے ہیں۔ ہر فن کے اندر اہل علم او راہل کمال پیدا ہوئے ہیں اور ان کے ذریعے سے علماء کے کمالات ظاہر ہوئے۔ وہ علوم لاکے رکھے کہ دنیا کی عقلیں عاجز آگئیں اور یہ قرآن ہی کا توفیض تھا کہ خود بھی معجزہ ہے اور معجزہ گر بھی ہے۔ اس نے لوگوں کے اندر اعجازی قوت پیدا کی۔ سب سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علوم و معارف حاصل کئے اور اس کے نور سے ان کا باطن چمک اٹھا جس کے برکات سے ان کے اندر اعجازی صفات پیدا ہو گئیں چنانچہ یہ دعویٰ ہر قسم کے مبالغہ سے قطعاً خالی ہے کہ انبیاء کے بعد میرے آقا کے غلاموں اور میرے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا انسان دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے اسکالروں، سپہ سالاروں، عبادت گزاروں، وفا شعاروں، مفکروں، سیاست دانوں اور لیڈروں کو لائیے اور ایک صف میں کھڑا کر دیجئے۔ میرے آقا کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیجئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیجئے، ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیجئے، علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیجئے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیجئے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیجئے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیجئے، معاذ بن جبل کو کھڑا کر دیجئے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیجئے پھر اُن کے کمالات کو بھی دیکھئے، اِن کے کمالات کو بھی دیکھئے، اُن کے کارناموں کو بھی دیکھئے، اِن کے کارناموں کو بھی دیکھئے، اُن کا کیریکٹر بھی دیکھئے، اِن کا کیریکٹر بھی دیکھئے، اُن کی وفاؤں کو بھی دیکھئے اِن کی وفاؤں کو بھی دیکھئے، اُن کی قربانیاں بھی دیکھئے، اِن کی قربانیاں بھی دیکھئے۔

میں ربِّ ذوالجلال کی قسم کھا کے کہتا ہوں اگر آپ نے بغیر کسی مذہبی، گروہی، قومی تعصب کے فیصلہ کیا تو آپ لیل و نہار کی پیشانی پر یہ فیصلہ لکھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بے مثال ہیں، سید الکونین کی غلامی اور قرآن کی اتباع نے انہیں بے مثال بنا دیا ہے۔

اور حقیقت تو میرے دوستو! یہ ہے کہ قرآن خود بے مثال ہے

جس پر قرآن نازل ہوا وہ نبی بے مثال،

جس شب میں نازل ہوا وہ شب بے مثال،

جس مہینے میں نازل ہوا وہ مہینہ بے مثال،

جس امت کے لئے نازل ہوا وہ امت بے مثال،

زمین کے جس خطے پر نازل ہوا وہ خطہ بے مثال،

جن اوراق پر قرآن مجید لکھا ہوا ہے وہ اوراق بے مثال،

جو قرآن پڑھاتا ہے وہ بے مثال،

جو ہونٹ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں وہ بے مثال،

جو والدین بچوں کو قرآن پڑھواتے ہیں وہ بے مثال،

جس معاشرے میں قرآن کی حکمرانی ہو وہ معاشرہ بے مثال،

جس ملک میں قرآن کی حکمرانی ہو وہ ملک بے مثال،

آؤ میرے بزرگو اور دوستو! اگر بے مثال بننا چاہتے ہو، اگر اپنے ملک کو، اپنے گھر کو، اپنے معاشرے کو بے مثال بنانا چاہتے ہو تو قرآن کو تھام لو، قرآن کو اپنا لو، قرآن کو پڑھ لو، قرآن کو سمجھ لو، قرآن پر عمل کر لو، قرآن کے احکام کو اپنے گھروں پر، اپنے جسموں پر، اپنے کاروبار پہ، اپنے ملک پر نافذ کر لو۔ اور اگر تم نے قرآن سے بے اعتنائی کا سلسلہ جاری رکھا تو پستیاں

تمہارا مقدر بن جائیں گی ذلّت اور شکست تمہارا نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ وہ دن نہ لائے کہ قرآن سے بے توجہی کی وجہ سے ہم پر اُس کا عذاب نازل ہو اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو قرآن کریم کے پڑھنے، پڑھانے، سمجھنے سمجھانے اور اس کے مطابق عمل کرنے اور اُسے عملی طور پر اس ملک میں نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

ہم کورشیوں کے حلقے جکڑ رہے[1] ہیں
پیسہ تو بن رہا ہے مگر شہر اجڑ رہے ہیں

چلتی ہیں دکانیں اور بھرتے ہیں شکم بھی
لیکن امید کیا ہو جب دل اُجڑ رہے ہیں

[1] بتغیر

"آج اس مملکت میں رشوت خوری کی وبا کی وجہ سے قانون چند ٹکوں کے بدلے بکتا ہے اور اس کی سرِعام بولی لگتی ہے۔ بے گناہ غریب، مجرم اور قاتل ٹھہرتا ہے اور صاحبِ ثروت سرمایہ دار رشوت کے جادو سے بے گناہ اور پاکباز بن جاتا ہے، قاتل اور منشیات فروش رشوت کے دم قدم سے سوسائٹی کا معزز ممبر شمار ہوتا ہے اس پر کسی کو ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ گویا رشوت دے کر آپ انسانوں کا خونِ ناحق بہا سکتے ہیں، ان کے مستقبل سے کھیل سکتے ہیں، ان کی صلاحیتوں کو تباہ کر سکتے ہیں، رشوت دے کر آپ قانون کو خرید سکتے ہیں، جھوٹے گواہوں کا انتظام کر سکتے ہیں، زمینوں اور مکانوں پر ناجائز قبضہ کر سکتے ہیں، من گھڑت میڈیکل رپورٹس حاصل کر سکتے ہیں امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہو سکتے ہیں، ٹیلیفون لگوا سکتے ہیں، پرمٹ حاصل کر سکتے ہیں، پانی اور بجلی کے کنکشن لے سکتے ہیں، شاہراہوں پر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیاں کر سکتے ہیں، انتخابی نتائج کو تبدیل کروا سکتے ہیں، مملکت کے قیام کو داؤ پر لگا سکتے ہیں، غدّاری کر سکتے ہیں، ملک کا سودا کر سکتے ہیں، دشمن ممالک کے لئے جاسوسی کر سکتے ہیں۔

اور اگر آپ رشوت دینے کی سکت نہیں رکھتے آپ قانون کے دائرے میں رہنا چاہتے ہیں، آپ کو تقوے کا ہیضہ ہو گیا ہے، آپ خوفِ خدا میں مبتلا ہیں آپ غریبی اور افلاس کے مجرم ہیں، آپ کی جیب آپ کو آفیسرانِ کرام کی ڈیمانڈ پوری کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو پھر آپ سُن لیجئے کہ آپ قانون کی پاسداری کرتے ہوئے بھی جیل کی کال کوٹھڑیوں کے حوالے ہو سکتے ہیں۔"

رشوت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ [1]

زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہیں ان میں سے کھاؤ پیو اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو وہ تمہارا صریحاً دشمن ہے وہ تمہیں (ہمیشہ) بُرے اور بے حیائی کے کاموں کا حکم دیتا ہے۔

(اور انسان کو حرام کھانے کا عادی بنا کر اس کی دنیا و عاقبت خراب کرتا ہے اور حرام خوری پر وعید بھی سُنادی)

کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی [2]

ہم نے تم کو جو حلال چیزیں دی ہیں ان میں سے کھایا کرو اور اس میں حد سے نہ گزرو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ یقیناً گیا گزرا ہے

---

[1] البقرہ [2] طٰہٰ

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ [1]

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے نہ کھاؤ اور نہ اسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ دراںحالیکہ تم جانتے ہو (کہ تم ناحق اور زیادتی پہ ہو)۔

يَاْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِى الْمَرْءُ مَا اَخَذَ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ [2]

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ آدمی پرواہ ہی نہ کرے گا کہ وہ کیا لے رہا ہے، حلال سے! یا حرام سے!!

وَمَنِ اكْتَسَبَ فِيْهَا مَالًا مِّنْ غَيْرِ حِلِّهٖ وَاَنْفَقَهٗ فِىْ غَيْرِ حَقِّهٖ اَحَلَّهُ اللّٰهُ دَارَ الْهَوَانِ [3]

اور جو مال ناجائز اور غیر حلال طریقوں سے کمائے گا اور غیر میں صرف کریگا اللہ تعالیٰ اسے ذلت کے گھر میں ڈالیں گے۔

الرِّشْوَةُ فِى الْحُكْمِ كُفْرٌ وَهِىَ بَيْنَ النَّاسِ سُحْتٌ [4]

فیصلہ کرنے میں رشوت (لینا) کفر کے قریب ہے اور لوگوں کے میان خالص حرام ہے

صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم

گرامی قدر حاضرین! کتاب وسنت میں رزقِ حلال اختیار کرنے اور پاکیزہ غذا کھانے پر زور دیا گیا ہے کیونکہ غذا کا اثر انسان

---

[1] البقرہ [2] بخاری شریف [3] بیہقی [4] طبرانی

کے قلب و دماغ پر پڑتا ہے، غذا کا اثر انسان کے جذبات و خیالات پر پڑتا ہے، غذا کا اثر انسان کی اولاد پر پڑتا ہے، غذا کا اثر انسان کے اعمال و افعال پر پڑتا ہے۔ اگر غذا حرام اور ناپاک ہوگی تو دل سیاہ ہوگا اس میں قساوت اور ظلمت آجائے گی، قبولِ ہدایت کی صلاحیت اور استعداد ختم ہوجائے گی، دماغ میں ناپاک خیالات پرورش پائیں گے، جذبات کا رُخ شیطان اور شہوات کی طرف بدل جائے گا، اعمالِ خیر کی توفیق سلب ہوجائے گی، نیکی کا کرنا مشکل اور بدی کا کرنا آسان معلوم ہوگا، اولاد نافرمان ہوگی، وہ چوری چکاری اور دھنگا فساد کی عادی ہوجائے گی۔ لیکن اگر رزقِ حلال میسّر ہو تو دل میں رقت و لطافت پیدا ہوتی ہے، دل خوف و خشیت سے لبریز ہوجاتا ہے، ہدایت کی باتیں سُن کر اس میں نور پیدا ہوتا ہے، کلام اللہ کی آیات اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سُن کر وہ اللہ کی طرف متوجّہ ہوتا ہے، شکر و صبر اور استغناء کے جذبات اس میں پرورش پاتے ہیں، دماغ میں پاکیزہ خیالات آتے ہیں، انوارِ ربانی کی بارش برستی محسوس ہوتی ہے، اعمالِ صالحہ کی توفیق میسّر آتی ہے، عبادت کا کرنا بہت آسان اور معصیت کا کرنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اولاد فرمانبردار اور نیک ہوتی ہے، دل میں ایک عجیب سا سکون اور کیف محسوس ہوتا ہے، نہ کسی حاکم کی ناراضگی کا اندیشہ ستاتا ہے نہ پکڑے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

اعمالِ صالحہ اور رزقِ حلال

قرآن کریم میں ہے:

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا [1]	اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

[1] سورۃ المؤمنون

اس آیتِ کریمہ میں پہلے پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم ہے اس کے بعد نیک اعمال کرنے کا حکم ہے۔ بظاہر کھانے اور عمل کرنے میں کوئی مناسبت نہیں لیکن علماء فرماتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کو رزقِ حلال کے ساتھ خصوصی مناسبت اور تعلق ہے جب رزقِ حلال استعمال کیا جاتا ہے تو اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۞[1]

اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی ہم نے تم کو دی اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کے بندے ہو۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی پہلے پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم دیا گیا اس کے بعد شکر کرنے کا حکم ہے ایک تو اس لئے کہ مولا کریم نے جب رزق حلال عطا فرمایا ہے تو اب اس کا شکر بھی کیا جائے کہ اس کا بڑا احسان ہے کہ اس نے صاف ستھری اور پاکیزہ روزی عطا فرمائی دوسرا اس لئے کہ شکر کی توفیق تب ہی ملتی ہے جب حلال روزی استعمال کی جائے حرام کھانے والے کو کبھی شکر کی توفیق نہیں ملتی وہ ہمیشہ شاکی ہی رہتا ہے، اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی یہی کہتا ہے کہ میں پریشان ہوں حالات خراب ہیں ضروریات پوری نہیں ہوتیں مقروض رہتا ہوں لیکن رزقِ حلال والے کے پاس بہت تھوڑا ہوتا ہے مگر اس کا دل سکون اور قناعت سے لبریز ہوتا ہے وہ اپنے مالک کا شکریہ ہی ادا کرتا رہتا ہے کہ اس نے اسے اتنا نوازا ہے۔

---

[1] سورۃ البقرہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں ایک دفعہ درخواست کی تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات کردے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد اپنا کھانا حلال اور پاک بنادو مستجاب الدعوات ہوجاؤ گے۔

جو شخص چالیس روز رزق حلال کھائے جس میں ذرہ بھر بھی حرام کی آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور کر دیتا ہے اور اس کی زبان سے حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حلال روزی تلاش کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔

اکلِ حلال کا اس دنیا میں نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے قلوب کو منور فرمادیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زبانوں سے حکمت کے چشمے جاری ہوجاتے ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم جاوید نامہ میں فرماتے ہیں :

سرِ دیں صدقِ مقال اکلِ حلال　　خلوت وجلوت تماشائے جمال
علم وحکمت زاید از نانِ حلال　　عشق ورقت آید از نانِ حلال

اکلِ حلال سے نورانیت پیدا ہوتی ہے　حضرت حکیم الامّت مولانا تھانوی رحؒ فرماتے ہیں کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحؒ ایک حکایت بیان فرماتے تھے کہ دیوبند میں ایک عبداللہ شاہ تھے جو روزانہ گھاس کھود کر آٹھ پیسے کا فروخت کرتے تھے جس میں سے چار پیسے اپنی والدہ کو اور دو پیسے خدا کے واسطے فقیروں کو دیتے تھے اور دو پیسے خود اپنے لئے رکھتے تھے ایک مرتبہ انھوں نے ان حضرات سے کہا کہ مولوی صاحبو ! میں آپ صاحبان کی دعوت کرنا چاہتا ہوں ان حضرات نے کہا حضرت آپ کی گنجائش

کہاں ہے جو دعوت کریں گے فرمایا جو خیرات کے پیسے ہیں جمع کر لوں گا، سب نے منظور کر لیا چنانچہ عبداللہ شاہ نے پانچ آنے جمع کیے اور پیسے لا کر دے دیئے کہ میرے اہل و عیال تو ہیں نہیں آپ لوگ خود میٹھے چاول پکا کر کھا لیجئے اور دعوت کا انتظام مولانا یعقوب صاحب کے سپرد ہوا۔ حضرت مولانا نے اس میں بڑی احتیاط سے کام لیا کوری ہانڈی منگوائی اور پکانے والے کو وضو کرایا جب وہ کھانا تیار ہوا تو دو دو لقمے سب نے اس میں سے کھائے۔

حضرت مولانا فرماتے تھے کہ دو لقمے کھا کر مہینہ بھر تک ایک نور دل میں رہا جی چاہتا تھا کہ سب ماسوی اللہ کو چھوڑ کر یکسو ہو جاؤں میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا اللہ جس کی پاک کمائی کے دو لقموں میں یہ نورانیت ہے اس شخص کے قلب کی کیا کیفیت ہوگی جو دونوں وقت یہی کھانا کھاتا ہے۔ یہ ہیں حلال کھانے کے برکات[1]۔

اہم فریضہ رزق حلال کی اسی اہمیت کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رزق حلال کی طلب کو فرض قرار دیا ہے۔ آپؐ کا فرمان ہے:

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ — حلال کو طلب کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ[2] — (نماز روزہ جیسے) فرائض کے بعد کسب حلال کا طلب کرنا بھی فرض ہے

جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رزقِ حلال کی طلب کو

---

[1] دعوات عبدیت حصہ ششم [2] بیہقی شعب الایمان

فرض قرار دیا ہے اور اس کی نورانیت اور برکات کو بیان فرمایا ہے وہیں آپ نے حرام روزی سے بچنے کی تلقین کی ہے اور اس کی نحوستیں اور مکروہ اثرات بیان فرمائے ہیں۔

بدنصیب انسان حرام کھانے والا ایسا بدبخت اور بدنصیب ہے کہ اس کی نہ تو نماز قبول ہوتی ہے نہ نیک اعمال اور صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے نہ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھئے گا کہ مولوی صاحب اپنی طرف سے فتوے جڑ رہے ہیں اور مبالغہ کر کے ہمیں خواہ مخواہ ڈرا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ یہ تمام وعیدیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں

مَنْ اَکَلَ لُقْمَۃً مِنْ حَرَامٍ	جو حرام کا ایک لقمہ بھی کھائے گا اس کی
لَمْ یُقْبَلْ مِنْہُ صَلٰوۃُ	چالیس راتوں کی نماز قبول نہ ہوگی۔
اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً [1]	

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے موقعہ پر یوں فرمایا:

مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَۃِ	جو شخص دس درھم میں کوئی کپڑا خریدے
دَرَاھِمِ وَفِیْہِ دِرْھَمٌ	اور اس میں ایک درہم حرام کا ہو تو
حَرَامٌ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ تَعَالٰی	اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہ فرمائیں گے
لَہٗ صَلٰوۃً مَا دَامَ عَلَیْہِ [2]	جب تک وہ کپڑا اس کے اوپر رہے گا۔
اِنَّ الْعَبْدَ لَیَقْذِفُ اللُّقْمَۃَ	جو بندہ حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈال
الْحَرَامَ فِیْ جَوْفِہٖ مَا یُتَقَبَّلُ	لیتا ہے تو اس کے چالیس دنوں کا کوئی
مِنْہُ عَمَلٌ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا [3]	نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔

---

[1] مسند فردوس دیلمی [2] مسند امام احمد [3] طبرانی

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَشَرَابُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ[1]

جس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور غذا حرام ہو تو ان کی وجہ سے اس کی دعا کیسے قبول کی جا سکتی ہے ؟

مَنِ اكْتَسَبَ مَالًا مِنْ مَأْثَمٍ فَوَصَلَ بِهِ رَحِمَهُ أَوْ تَصَدَّقَ بِهِ أَوْ أَنْفَقَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ جُمِعَ ذٰلِكَ كُلُّهُ جَمِيعًا فَقُذِفَ بِهِ فِي جَهَنَّمَ[2]

جو شخص مال گناہ سے کماتا ہے پھر وہ اس سے عزیزوں کی امداد یا صدقے کرتا ہے یا خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے یہ سب قیامت کے دن جمع کیا جائے گا اور اس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ

جنت میں وہ جسم نہ جائے گا جس نے حرام غذا سے پرورش پائی۔

قرآن حکیم میں بھی حرام کھانے والوں کو شدید وعید سنائی گئی ہے ،

فرمانِ باری ہے :

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" "وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا۔"

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، اور جو کوئی سرکشی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا تو ہم عنقریب اس کو آگ میں ڈالیں گے

[1] مسلم شریف [2] ابوداؤد

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۰ اور اسطرح کرنا اللہ رب العزت کے لئے آسان ہے

حرام کا چسکا یہ ساری وعیدیں اپنی جگہ مگر صورتحال یہ ہے کہ جن لوگوں کو حرام کا چسکا لگ جاتا ہے انہیں حلال میں تو مزہ ہی نہیں آتا بلکہ انہیں حرام ہی میں لذت آتی ہے شاید اسی لئے ہمارے بعض بزرگوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ جب مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد کے باہر جوتے اتارتے ہیں تو انہیں چوروں کے لئے حلال کر جاتے ہیں اور ان کا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ جوتے چوری سے محفوظ رہتے ہیں اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ چور کے منہ کو تو حرام لگا ہوا ہے اور اسے حرام ہی کی تلاش ہے اگر اسے حلال کی تلاش اور طلب ہوتی تو وہ محنت کرتا، مزدوری کرتا، ٹھیلہ لگاتا، ٹوکری اٹھاتا، ملازمت کرتا مگر چوری نہ کرتا لیکن اسے تو حلال کی تلاش ہی نہیں بلکہ صرف حرام کی طلب ہے تو جب آپ نے اپنے جوتے اس کے لئے حلال کر دیئے تو وہ انہیں ہاتھ بھی نہیں لگائے گا اس لئے نہیں کہ اسے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ جوتے مالک نے میرے لیے حلال کر دیئے ہیں بلکہ اس لئے کہ اس کا مزاج اور معدہ بگڑ کر اس قدر خراب ہو چکا ہے کہ وہ حلال غذا کو قبول ہی نہیں کرتا جیسے بیماری کی وجہ سے بعض لوگوں کا معدہ خراب ہو جاتا ہے تو پھر وہ اچھی غذا کو قبول ہی نہیں کرتا۔

اسی طرح کا معاملہ ایک بھنگی کا مشہور ہے کہ ہمہ وقت گندگی اور نجاست میں رہنے کی وجہ سے اس کی قوت شامہ ایسی بگڑ گئی تھی کہ اب وہ خوشبو کو برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ جب ایک روز وہ عطر فروشوں کے بازار سے گزرا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے اسے ہوش میں لانے کے لئے بڑے جتن کئے مگر کوئی تدبیر بھی کارگر ثابت نہیں ہوئی،

اتفاق سے اسی وقت اس کے کسی ہم پیشہ شخص کا وہاں سے گزر ہوا اُس نے مجمع لگا ہوا دیکھا تو قریب جا کر صورت حال معلوم کی کہ اس کا ایک بھائی بند بے ہوش پڑا ہے اور کسی صورت ہوش ہی میں نہیں آرہا، تو وہ خاموشی سے وہاں سے کھسک گیا اور کہیں سے تھوڑی سی نجاست لے آیا جب اس نے وہ نجاست اپنے بے ہوش بھائی کے ناک سے قریب کی اور اس کا اثر اس کی قوتِ شامّہ نے محسوس کیا تو وہ ایک دم ہوش میں آگیا۔ یہی مثال حرام خور کی ہے زندگی بھر حرام خوری میں مبتلا رہنے کی وجہ سے اسے ناجائز مال میں لذّت محسوس ہونے لگتی ہے لیکن یہ لذّت اسے اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ اس نے حلال روزی کی نورانیت اور برکت اور لذّت کو پوری طرح محسوس ہی نہیں کیا اگر ایسا ہو جائے اور وہ کچھ وقت کے لئے حرام کو چھوڑ کر حلال پر اکتفا کر لے تو وہ قلب و دماغ میں حلال کی ایسی خوشبو اور نورانیت محسوس کرے گا کہ زبانِ حال وقال سے پکار اٹھے گا ؎

میں دن رات رہتا ہوں جنّت میں گویا　　مرے باغِ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

لیکن ان بدبختوں کو حرام چھوڑنے اور حلال پر اکتفا کرنے اور اس کی روحانی کیفیات سے لطف اندوز ہونے کا کبھی موقع ہی نہیں ملا اس لئے یہ گندگی اور نجاست کے دریا ہی میں خوش ہیں اور اسے اپنی قابلیت اور ذہانت اور چالاکی سمجھتے ہیں

قصۂ مگس | جیسے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکھی کی خام خیالی کی حکایت لکھی ہے :

ایک جگہ ایک گدھے نے پیشاب کیا اس کی مقدار اس قدر تھی کہ گھاس کے تنکے اس کے بہاؤ کی رو میں بہنے لگے، ایک مکھی ایک تنکے پر

بیٹھ گئی اور گدھے کے بہتے ہوئے پیشاب پر اس نے محسوس کیا کہ میں دریا میں سفر کر رہی ہوں اور یہ بہتا ہوا تنکا ایک عجیب کشتی ہے، دوسری مکھیوں کے مقابلہ میں اسے اپنی برتری کا احساس ہوا اور یہ لطف اُس نے کبھی نہ پایا تھا اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ میں دوسری مکھیوں پر اپنی فوقیت اور بلندی کا اعلان کروں چنانچہ اس نے کہا

یک مگس بر برگِ کاہ و بولِ خر ✿ ہمچوں کشتیباں ہمی افراخت سر

ایک مکھی گھاس کے تنکے اور گدھے کے پیشاب پر مثل چلانے والے کے اپنا سر ہلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی

گفت من دریا و کشتی خواندہ ام ✿ مدتے در فکرِ آں می ماندہ ام

مکھی نے کہا میں نے دریا اور کشتی رانی کا فن پڑھا ہے اور اس فکر میں ایک مدّت صرف کی ہے۔

رشوت خور میرے بزرگو اور دوستو! یوں تو مملکتِ عزیز پاکستان میں مختلف قسم کے حرام خور پائے جاتے ہیں اور مختلف طریقوں سے حرام خوری ہو رہی ہے، چوری، ڈکیتی اور اغوا برائے تاوان کا کاروبار کہ ہے، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، کام چوری اور گداگری عام ہے، جھوٹی قسمیں کھا کر اور اعلیٰ مال دکھا کر گھٹیا مال چلانے کی عادت ہے مزدوروں سے کام پورا لیکر کم معاوضہ دینے کی عادت ہے لیکن میری حقیر نظر میں سب سے زیادہ خطرناک حرام خور جو ہے وہ رشوت خور ہے جس نے مالک عزیز کو دنیا بھر میں بدنام کر دیا ہے۔ ماتم کا مقام ہے کہ وہ مملکت جس کے حصول کا مقصد و مطلب لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ قرار دیا گیا تھا وہ مملکت جس کے لئے لاکھوں مسلمانوں نے قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، وہ مملکت جس کی بناء میں

ہزاروں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت وناموس کا خون شامل ہے وہ مملکت جس کی خاطر لاکھوں بچوں کو یتیم اور سہاگنوں کو بیوہ کرانا برداشت کیا گیا، وہ مملکت جس میں عدل وانصاف کے قیام اور قانون کی حکمرانی کے وعدے کیے گئے تھے۔

آج اسی مملکت میں رشوت خوری کی وبا کی وجہ سے قانون چند ٹکوں کے بدلے بکتا ہے اور اس کی سرِعام بولی لگتی ہے۔ بے گناہ غریب مجرم اور قاتل ٹھہرتا ہے اور صاحبِ ثروت سرمایہ دار رشوت کے جادو سے بے گناہ اور پاکباز بن جاتا ہے۔ قاتل اور منشیات فروش رشوت کے دم قدم سے سوسائٹی کا معزز ممبر شمار ہوتا ہے اس پر کسی کو ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ گویا رشوت دے کر آپ انسانوں کا خونِ ناحق بہا سکتے ہیں، ان کے مستقبل سے کھیل سکتے ہیں، ان کی صلاحیتوں کو تباہ کر سکتے ہیں، رشوت دے کر آپ قانون کو خرید سکتے ہیں، جھوٹے گواہوں کا انتظام کر سکتے ہیں، زمینوں اور مکانوں پر ناجائز قبضہ کر سکتے ہیں، من گھڑت میڈیکل رپورٹس حاصل کر سکتے ہیں، امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہو سکتے ہیں، ٹیلیفون لگوا سکتے ہیں، پرمٹ حاصل کر سکتے ہیں، پانی اور بجلی کے کنکشن لے سکتے ہیں شاہراہوں پر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیاں کر سکتے ہیں، انتخابی نتائج کو تبدیل کروا سکتے ہیں، مملکت کے قیام کو داؤ پر لگا سکتے ہیں، غداری کر سکتے ہیں، ملک کا سودا کر سکتے ہیں، دشمن ممالک کے لیے جاسوسی کر سکتے ہیں۔

اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ سب کچھ آپ رشوت کے بَل پر کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ رشوت دینے کی سکت اور حوصلہ نہیں رکھتے آپ قانون کے دائرے میں رہنا چاہتے ہیں آپ کو

تقوے کا ہیضہ ہو گیا ہے آپ خوفِ خدا میں مبتلا ہیں، آپ غریبی اور افلاس کے مجرم ہیں، آپ کی جیب آپ کو آفیسرانِ کرام کی ڈیمانڈ پوری کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو پھر سُن لیجئے کہ آپ قانون کی پاسداری کرتے ہوئے بھی جیل کی کال کوٹھڑیوں کے حوالے ہو سکتے ہیں ابھی کل کے اخبار ہی میں، میں نے یہ خبر پڑھی کہ ایک بے گناہ شخص پینتالیس سال جیل میں گلتا سڑتا رہا اس کا کوئی جرم نہیں تھا اسے محض آوارہ گردی کے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا وہ چونکہ رشوت دینے کی سکت نہیں رکھتا تھا تو اسے اپنی زندگی کے قیمتی پینتالیس سالوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا وہ جیل میں گیا تھا تو نوعمر تھا اب ایک رفاہی ادارے کی کوشش سے رہا ہوا ہے تو اس کی کمر خم ہو چکی ہے اس کے بال سفید ہو چکے ہیں وہ اپنا ماضی کھو چکا ہے اور اب اس بیچارے کا مستقبل ہی کیا ہوگا۔

ہائے افسوس بڑے بڑے قاتل اور منشیات فروش بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھ کر ہماری قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں اور ایک نوعمر بچے کو محض آوارہ گردی کے جرم میں پینتالیس سال کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

لعنت ہو رشوت خورو! تمہاری سوچ پر تمہارے کردار پر، تمہارے طرزِ عمل پر، تمہاری بڑی بڑی کوٹھیوں اور کاروں پر، تمہاری پھیلی توند پر کہ تم نے نا معلوم کتنی بہنوں سے ان کے بھائی چھین لیے، کتنی ماؤں سے ان کے گبھرو جوان بیٹوں کو دور کر دیا، کتنے شیر جوانوں کی جوانیوں کو تباہ کر دیا تم نے محض اپنی ہوس کاری کی خاطر کتنے بیگناہوں

کو مجرم بنا دیا، تم نے اس ملکِ عزیز میں غیر اعلان کردہ ایسا نظام نافذ کر رکھا ہے کہ کوئی محنتی اور صاحبِ صلاحیت طالب علم نمایاں پوزیشن حاصل نہیں کر سکتا، کوئی مستحق نوجوان اپنے استحقاق کی بنیاد پر مناسب ملازمت حاصل نہیں کر سکتا، کوئی فریادی انصاف نہیں پا سکتا۔

مذاق کی حد ظالمو! تم نے قانون کو مذاق بنا دیا ہے، تم نے بین الاقوامی اسٹیج پر اپنے ملک کو مذاق بنا دیا ہے، تم نے امتحانی اور انتخابی نظام کو مذاق بنا دیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ تم نے اپنے قائد اور پاکستان کے بانی محمد علی جناح صاحب کو مذاق بنا دیا ہے۔ آج رشوت کا نام جناح صاحب کی سفارش رکھ دیا گیا ہے۔ لوگ سرِ عام کہتے ہیں کہ اجی! کام کروانا ہے تو جناح کی سفارش لاؤ، مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کاغذی نوٹ پیش کرو جس پر جناح صاحب کی تصویر بنی ہوئی ہو

حقیقت میں تم پاکستان کے بدترین دشمن اور سوسائٹی کے غلیظ ترین مجرم ہو۔ تمہارا جرم ناقابلِ معافی ہے، تمہاری دشمنی غداری کی سرحدوں کو چھو رہی ہے

دین کی نظر میں اور تم صرف پاکستان کی اور سوسائٹی ہی کی نظر میں مجرم نہیں ہو بلکہ اللہ اور رسولؐ کی نظر میں بھی تمہارا جُرم بہت بڑا ہے۔ رشوت کے لین دین کا کام کرنے والا حدود اللہ سے تجاوز کرتا ہے اور جو حدود اللہ سے تجاوز کرے وہ ظالم ہے۔ فرمانِ باری تعالےٰ ہے:

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ)	جو کوئی اللہ کی مقرر کردہ حدود سے باہر نکلے گا سو ایسے لوگ (اپنے حق میں) ظالم ہیں۔

قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت میں واضح طور پر رشوت کی ممانعت کردی گئی ہے، فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔[1]

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اڑاؤ اور نہ اُسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصّہ تم گناہ سے کھا جاؤ درانحالیکہ تم جان رہے ہو۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنی تفسیر میں بجا لکھا ہے کہ

"اسلامی حکومت قائم ہونا۔ اور اسلام کے سارے قانون دیوانی و فوجداری کا نافذ ہونا تو خیر بڑی چیز ہے۔ قرآن کریم کی صرف اسی آیت پر اگر آج عمل درآمد ہو جائے تو جھوٹے دعووں، جعلی کاغذات، جھوٹی گواہیوں، جھوٹے حلف ناموں، اہلکاروں اور عہدہ داروں کی رشوتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حکام کی خدمت میں نذر، نذرانوں، قیمتی ڈالیوں، شاندار دعوتوں کا وجود ہی باقی نہ رہے"۔

راشی شیطان کا بھائی

راشی کی ہر ادا، راشی کا ہر طریقہ، راشی کا مزاج شیطان سے ملتا جلتا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ راشی شخص شیطان کا جڑواں بھائی ہے۔

شیطان انسانیت کا دشمن ہے راشی شخص بھی انسانیت کا، ملک کا، ملّت کا، مذہب کا، اجتماعی مفاد کا دشمن ہوتا ہے۔ اسے محض اور محض اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔

شیطان لوگوں میں فساد ڈالتا ہے، راشی بھی یہی کام کرتا ہے، وہ

حقداروں کو حق سے محروم کر کے ، بیگنا ہوں کو مجرم بنا کر ، قاتلوں اور ڈاکوؤں کو من مانی کے پروانے دے کر معاشرہ میں فساد کا بیج ڈالتا ہے۔

شیطان کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر یقین نہیں اور وہ انسان کو فقر و فاقہ سے ڈراتا رہتا ہے تاکہ وہ ہر وقت دولت جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے۔ اسی طرح راشی کو بھی رب کی ربوبیت اور رزاقیت پر مطلق یقین نہیں وہ اللہ تعالیٰ کو مسبب الاسباب نہیں سمجھتا بلکہ روپے پیسے کو مسبب الاسباب سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر یہ حرام کمائی رُک گئی تو میں بھوکا مر جاؤں گا، میرے بچّوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوگا مجھے سر چھپانے کے لئے مکان میسّر نہیں رہے گا۔ اسی لئے وہ مرتے دم تک نجاست خوری میں مبتلا رہتا ہے۔

شیطان بے غیرتی اور فحاشی کے اڈّے قائم کرتا ہے اور انہیں آباد کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ راشی ان اڈّوں کو آباد کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے، قمار خانوں میں دیکھ لیجئے، قحبہ خانوں میں دیکھ لیجئے، شراب خانوں اور ناچ گھروں میں دیکھ لیجئے، کلبوں اور سینماؤں میں دیکھ لیجئے آپ کو ہر جگہ راشی اور اس جیسے دوسرے حرام خور پیش پیش نظر آئیں گے۔ یہ بدبخت اتنے سنگدل ہیں کہ یتیموں، غریبوں، کمزوروں اور مظلوموں کے خون پسینے کی کمائی سے رقص و سرود کی محفلیں بپا کرتے ہیں اور بڑی بے دردی سے رشوت کی کمائی کو نا ؤ نوش میں اُڑا دیتے ہیں۔

شیطان کے بارے میں ربِّ کریم فرماتے ہیں کہ وہ فضولیات میں دولت اُڑا دینے والوں کا بھائی ہے اور راشی سے زیادہ فضول خرچ

توکوئی ہو ہی نہیں سکتا، ہر ناجائز مصرف پر خرچ کرنے کے لئے وہ ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔

ان تمام دلائل اور احوال سے یہ دعویٰ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ راشی، شیطان کا بھائی ہے۔ اس کا انسانوں سے کوئی رشتہ نہیں بلکہ اس کا اصل رشتہ اور تعلق شیطان کے ساتھ قائم ہے ہم زیادہ سے زیادہ اسے انسان نما شیطان کہہ سکتے ہیں

راشی اور کنجری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں آپ رشوت کی شناعت و قباحت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آپ نے ہر راشی کو عصمت فروش رنڈی کے برابر قرار دیا ہے۔ اگرچہ راشی حاکم اور افسر جھوٹی سوسائٹی میں جھوٹی شان بان کے ساتھ رہتا ہے، وہ اونچی کرسی پر بیٹھتا ہے اس کا تھری پیس سوٹ بہت سے لوگوں کو مرعوب کر دیتا ہے اس کے ارد گرد خوشامدیوں کا ٹولہ جمع رہتا ہے جو اس کی حرام خوری پر اسے داد دیتا ہے، اس کے بچے چمچماتی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں اور مہنگے ترین انگلش میڈیم اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں لیکن انسانیت کے رہبر و راہنما صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اس کی کمائی اور اپنی عزت و آبرو بیچنے والی فاحشہ کی کمائی میں کوئی فرق نہیں۔

میں اپنے آقا کی حکمت پر قربان جاؤں آپ نے جو راشی کو کنجریوں کی صف میں لا کھڑا کیا تو اس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ جیسے رنڈی پیسے کی بھوکی ہوتی ہے اسی طرح راشی بھی پیسے کا بھوکا ہوتا ہے۔ جیسے رنڈی پیسے کی خاطر اپنی عزت و آبرو بیچنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے اسی طرح راشی مال

کی خاطر اپنا دین اور عدل وانصاف سب کچھ بیچنے کے لئے آمادہ رہتا ہے
جیسے رنڈی کی حرص وہوس اسے حلال روزی پر قناعت کی اجازت نہیں
دیتی اسی طرح راشی کی طمع اُسے حرام خوری کی طرف ترغیب دیتی رہتی ہے۔
جیسے رنڈی وقتی ٹھاٹھ باٹھ اور عارضی محبوبیت کے باوجود عام لوگوں کی نظر
میں ذلیل اور گھٹیا عورت شمار ہوتی ہے۔ یہی حالت راشی کی ہوتی ہے اگرچہ مطلبی
لوگ راشی کے منہ پر اس کی تعریفیں کرتے ہیں اسے بڑا زیرک، ہوشیار اور زمانہ
ساز انسان بتاتے ہیں لیکن پیٹھ پیچھے اسے سب گالیاں دیتے ہیں اور فریبی اور
غدار اور حرام خور جیسے القاب سے نوازتے ہیں۔

جیسے رنڈی کا کوٹھا، اس کا ساز وسامان، اس کا لباس اور اس کا رہن
سہن ہر چیز پُر تعیش ہوتی ہے لیکن یہ سب کچھ اس کا اپنا نہیں ہوتا بلکہ بعض
ہوس کاروں سے لوٹا ہوا مال ہوتا ہے جو اپنی بہار دکھاتا ہے، اسی طرح
راشی کا ظاہری کرّوفر اپنے ہاتھ کی کمائی سے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں سے
ہتھیایا ہوا مال ہوتا ہے جو اپنی چمک دکھاتا ہے۔

ان تمام وجوہِ مشترکہ کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی اور
رنڈی کی کمائی کو برابر قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا

بَابَانِ مِنَ السُّحْتِ يَأْكُلُهُمَا النَّاسُ الرُّشَا وَمَهْرُ الزَّانِيَةِ[1]

سخت حرام آمدنی کے دو شعبے ہیں جن سے لوگ کھاتے ہیں، رشوتیں اور عصمت فروشی کی اُجرتیں۔

اس حدیث میں رشوت اور عصمت فروشی کی اُجرت کو آپؐ نے سُحت
قرار دیا۔ دوسری حدیث میں سُحت کی تفسیر آپؐ نے رشوت کے ساتھ فرمائی
ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] کنز العمال جلد ۳

نے فرمایا :

كُلُّ لَحْمٍ اَنْبَتَهُ السُّحْتُ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ قِيْلَ وَمَا السُّحْتُ قَالَ الرِّشْوَةُ	ہر وہ گوشت (جسم) جو سخت حرام سے بنا (موٹا تازہ ہوا) ہے اس کی حقدار دوزخ ہے، پوچھا گیا کہ سخت حرام کیا ہے فرمایا رشوت !!

راشی اور کُتا

یہ تو آپ سُن ہی چکے ہیں کہ رنڈی اور راشی میں کئی اعتبار سے مناسبت ہے۔ اگر آپ غور کریں تو آپ کو راشی اور کُتے میں بھی کئی پہلوؤں سے مناسبت نظر آئے گی۔

پہلی مناسبت یہ کہ کتا اتنا حریص اور لالچی ہوتا ہے کہ چلتے پھرتے زمین کو سونگھتا رہتا ہے کہ شاید کہیں سے کھانے کی بُو آئے جس سے وہ اپنے پیٹ کی آگ بُجھا سکے اسی طرح راشی ہر شخص کو تاڑتا ہے اور ہر وقت پھچھڑوں کے خواب دیکھتا ہے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ کتا اپنی فطرت کے اعتبار سے گندہ، ناپاک، خبیث، خسیس، ذلیل اور رذیل ہوتا ہے۔ اسے اگر ایک جگہ تازہ گوشت اور مردار نظر آجائیں تو وہ مُردار پر جھپٹے گا۔ یہی حال راشی کا ہوتا ہے کہ وہ کسبِ حلال کے ذرائع کو چھوڑ کر حرام کی طرف لپکتا ہے اور اسے حرام خوری ہی میں لذّت آتی ہے

تیسری مناسبت یہ ہے کہ جیسے کُتّے کو جہاں سے کچھ ملنے کی اُمید ہوتی ہے وہاں دُم ہلاتا ہے اور خوشامد کرتا ہے لیکن جہاں سے کچھ ملنے کی اُمید نہیں ہوتی وہاں غرّاتا ہے اور اپنی بے سُری آواز میں بھونکتا ہے یہی حال راشی کا ہوتا ہے چونکہ اسے غریبوں سے کچھ ملنے کی اُمید نہیں

ہوتی اس لئے انہیں کتّے کی طرح گھورتا ہے اور کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے
ہاں اگر وہ غریب انسان کچھ لقمے اس کے سامنے پھینک دے تو وہ ایک دم
نرم پڑجاتا ہے اور ریشہ خطمی بن جاتا ہے البتہ مالداروں کے سامنے تو وہ ایسا
بن جاتا ہے گویا خبیث میں جان ہی نہیں ہے آٹومیٹک انداز میں جی سَر
جی سَر کہتا ہے اور اپنی فتنہ ساز کھوپڑی ہلاتا جاتا ہے ایسے ہاتھ باندھ کر
کھڑا ہوتا ہے گویا نماز پڑھ رہا ہو حالانکہ اس بدبخت کو نماز کی فرصت اور
سعادت تو حاصل ہوتی ہی نہیں ۔

کتّے اور راشی میں چوتھی مناسبت یہ ہے کہ کُتّے میں سب سے بڑی خرابی
یہ ہے کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں ہوتی وہ اپنے ہم جنسوں ہی کو برداشت
نہیں کرسکتا اور انہیں دیکھتے ہی غرّانا اور بھونکنا شروع کردیتا ہے ،
انہیں ستانے اور ان پر حملہ کرنے کی سوچتا ہے یہی حال راشی کا ہے
وہ اپنے ہم جنسوں کو مجبوری کی حالت میں دیکھتا ہے تو انہیں کاٹنے کو
دوڑتا ہے ، سخت سے سخت مصیبت زدہ کو دیکھ کر بھی اس کا دل نہیں
پسیجتا ، اسے تو بس اپنی جیب بھرنے کی فکر رہتی ہے

راشی اور بھکاری

ایک اور پہلو سے دیکھیں تو آپ کو راشیوں
اور بھکاریوں میں بہت گہری مشابہت اور
مناسبت نظر آئے گی بس اتنا فرق ہے کہ ایک بظاہر باعزّت طریقے سے
بھیک مانگتا ہے اور دوسرا ذلت کے ساتھ بھیک مانگتا ہے ورنہ
اصولی طور پر دونوں ایک ہیں ۔

کہتے ہیں کہ ایک ناتجربہ کار بھکاری نے خرّانٹ قسم کے بوڑھے بھکاری
سے پوچھا کہ بھیک مانگنے کا کیا طریقہ اور کیا اصول ہے تو اس نے جواب دیا

بیٹا! تین باتیں ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھو ہر ایک سے مانگو، ہر چیز مانگو، ہر وقت مانگو۔ راشیوں کے ہاں بھی یہی اصول چلتے ہیں وہ ہر ایک کو لوٹتے ہیں، ہر وقت لوٹتے ہیں اور ہر چیز لوٹتے ہیں۔ ایسے سنگدل ہوتے ہیں کہ اپنوں کو بھی معاف نہیں کرتے اور ہر وقت شکار پھانسنے کی فکر میں رہتے ہیں اور معمولی سے معمولی چیز بھی لے لیتے ہیں۔ بعض لوگ تو ایک سگریٹ دے کر اور روپے دو روپے دے کر بھی جان چھڑا لیتے ہیں۔

راشی کا خواب

رشوت کا کاروبار ان کے ذہنوں پر ایسا مسلط رہتا ہے کہ یہ خواب بھی رشوت ہی کے دیکھتے ہیں، مشہور ہے کہ ایک راشی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سو رہا تھا اس نے خواب میں ایک بے گناہ کو پکڑ لیا پہلے تو اسے خوب ڈرایا دھمکایا پھر اس کے ساتھ خواب ہی میں سودے بازی کرنے لگا راشی کم از کم پچاس روپے لینا چاہتا تھا مگر وہ غریب انسان پانچ روپے سے زیادہ دینے کے لئے تیار نہیں تھا ابھی سودے بازی ہو رہی تھی کہ صبح ہو گئی اور مسز راشی نے اسے جھنجھوڑ کر نیند سے بیدار کر دیا، راشی کو اپنی بیوی پر بڑا غصہ آیا کہ اس نے سودا مکمل نہ ہونے دیا، راشی نے بیدار ہونے کے بعد پھر آنکھیں بند کرلیں اور کہنے لگا اچھا لاؤ یار پانچ روپے ہی دے دو۔

تو یہ ایسی بدبخت مخلوق ہے کہ اسے خواب میں بھی رشوت ہی کا لین دین دکھائی دیتا ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي۔ رشوت

دینے اور لینے والے اللہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔
رشوت کا لین دین عام طور پر زر نقد میں ہوتا ہے بعض خوش فہم نقد نہیں لیتے کھانے پینے یا استعمال کی چیزیں لے لیتے ہیں انہیں بھی لعنتیوں کے زمرہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ جو عشرہ مبشرہ سے ہیں، سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ الْاٰکِلَ وَالْمُطْعِمَ الرِّشْوَۃَ۔ — اللہ تعالیٰ نے رشوت کھانے اور رشوت کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے حق میں یہ بد دعا فرمائی، جس کے راوی حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت ثوبانؓ ہیں۔

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ وَالَّذِیْ یَعْمَلُ بَیْنَہُمَا — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے پر رشوت لینے والے پر اور اس پر جو ان دونوں کے درمیان واسطہ بن کر کام کرے۔

رشوت کا لین دین زیادہ تر مقدمات کے سلسلہ میں ہوتا ہے اس لئے بعض احادیث میں خصوصیت کے ساتھ مقدمات کا ذکر آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ ایک موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بد دعا فرمائی

لَعَنَ اللّٰہُ الرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ فِی الْحُکْمِ — مقدمہ کے سلسلہ میں رشوت دینے اور لینے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائیں

حاکم نے مستدرک میں، بخاری اور مسلم کی شرط پر جو صحیح احادیث جمع کی

ہیں ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک یہ حدیث نقل کی ہے :

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وَسَلَّم الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي فِي الْحُكْمِ وَالرَّائِشَ يعني الذي يَسْعٰى بَيْنَهُمَا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے مقدمات میں رشوت دینے والے پر، لینے والے پر اس کے دلال پر یعنی اس پر جو درمیان میں کوشش کرتا رہا۔

جب یہ لعنتی حدود اللہ کو توڑنے کے جرم میں جہنم میں داخل کیے جائینگے تو ہر گروہ یا جماعت کے افراد خود اپنے امیر یا سردار یا لیڈر پر لعنت کریں گے کہ تم ہمیں بھی لے ڈوبے۔ اور ہر جماعت یا گروہ کا امیر یا سردار یا لیڈر اپنے متبعین پر لعنت بھیجے گا کہ ملعونو اگر ہم معصیت کے نشے میں سرشار ہو چکے تھے تو تم کیوں اندھے بن گئے تھے۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا	جس وقت بھی کوئی نئی جماعت دوزخ میں داخل ہو گی وہ اپنے جیسی دوسری ہم مسلک وہم مشرب جماعت پر لعنت کرے گی۔

راشی پر اللہ جل شانہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت برستی رہتی ہے جس کی سزا اس کی سات پشتوں تک کو بھگتی پڑتی ہے۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي	رشوت دینے اور لینے والے پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔

رشوت کی نحوست پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور

اسے بزدل بنا کر اس پر غیروں کی ہیبت بٹھا دیتی ہے

مَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّبَا اِلَّا اُخِذُوا بِالسَّنَةِ	جس قوم میں سود پھیل جائے وہ قحط اور گرانی کی مصیبت ڈال دی جاتی ہے
وَمَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرُّشَا اِلَّا اُخِذُوا بِالرُّعْبِ ۔	اور جس قوم میں رشوتیں پھیل جائیں اس پر رعب ڈالا جاتا ہے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ كُفْرٌ وَهِيَ بَيْنَ النَّاسِ سُحْتٌ	فیصلہ کرنے میں رشوت لینا کفر کے قریب ہے، اور لوگوں کے درمیان خالص حرام ۔

رشوت، راشی اور جنت کے درمیان حائل ہو جائے گی اور اسے جنت میں داخل نہ ہونے دیگی ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لُعِنَ مَنْ اَخَذَ رِشْوَةً فِي الْحُكْمِ كَانَتْ سِتْرًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ ۔	مقدمہ میں رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے ۔ یہ رشوت اس میں اور جنت میں حجاب بن جائے گی

حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي فِي النَّارِ	رشوت دینے اور لینے والا دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے ۔

ایسا بدنصیب انداز لگائیے راشی کی بدنصیبی اور بدبختی کا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار فرما رہے ہیں

اور جس پر اللہ کی لعنت ہو جائے وہ ہر قسم کی سعادتوں سے محروم ہو جاتا ہے اس کے لئے جنت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ لعنت اتنی سنگین اور شدید سزا اور عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا اثر سات پُشت تک رہتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا اثر تین پشت تک رہتا ہے۔ موروثی بیماریوں کی طرح اس کے اثرات بھی نسلاً بعد نسلٍ باقی رہتے ہیں۔[1]

لعنتی انسان کا دل کالا ہو جاتا ہے، اس کے دل پر قفل لگ جاتا ہے وہ ذہنی سکون اور قلبی اطمینان سے محروم ہو جاتا ہے، اس کے مال میں برکت نہیں رہتی، اسے جتنا بھی مل جائے وہ ہائے وائے کرتا رہتا ہے وہ جسمانی اور روحانی بیماریوں اور ناگہانی آفات میں پھنس جاتا ہے۔

یہ تو انفرادی جرم کی انفرادی سزائیں اور اثرات ہوتے ہیں لیکن جب کسی قوم میں اجتماعی طور پر رشوت کی وبا عام ہو جائے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس قوم پر رعب اور خوف طاری ہو جاتا ہے، اللہ کا ڈر دلوں سے نکلنے کے بعد ہر کسی کا ڈر اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور اس بات کا مشاہدہ آپ اپنے معاشرے پر ایک نظر ڈال کر بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں چونکہ اوپر سے نیچے تک رشوت کی وبا عام ہے اس لئے پوری قوم نفسیاتی طور پر رعب خوف اور ان دیکھے اندیشوں میں مبتلا ہے۔ چوروں اور ڈاکوؤں کے خوف نے ہماری زندگیوں کو اجیرن بنا دیا ہے اور ان کے علاوہ بھی ہر قسم کے اندیشے ہم پر مسلط ہیں۔

ملکی سطح پر دیکھیں تو امریکہ کے عیسائیوں سے ہم مرعوب ہیں،

---

[1] "بازارِ رشوت" مصنفہ منشی عبدالرحمٰن خان مرحوم

اور تو اور ہندوستان کا بنیا جس کی بزدلی ضرب المثل ہے اس سے بھی ہم مرعوب ہیں۔ ہماری یہ مرعوبیت اور بزدلی اسی لیے ہے کہ ہم حرام خوری میں مبتلا ہو چکے ہیں

رشوت اور ہدیہ

اسلام نے رشوت کی ان قباحتوں اور مذموم اثرات ہی کی وجہ سے صرف رشوت ہی کو حرام نہیں کیا، بلکہ رشوت کے تمام دروازے بھی بند کر دیئے ہیں۔ ربّ العالمین جانتا تھا کہ کچھ لوگ ہدیہ، تحفہ، گفٹ اور عطیہ کی صورت میں رشوت دینے کی کوشش کریں گے اس لیے ربّ العالمین نے اپنے نبی کے واسطے سے وقت کے حاکموں کو ایسے ہدیہ لینے سے بھی منع فرما دیا جن سے رشوت کی بُو آتی ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک علاقہ کا حاکم القبتیہ جب زکوٰۃ و صدقات جمع کر کے دربارِ نبوی میں لایا تو اس نے عرض کی کہ یہ آپ کا واجب الوصول ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ دیا گیا ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تاریخی خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ میں تم میں سے کچھ لوگوں کو ان کاموں کا حاکم بناتا ہوں جو اللہ نے میرے سپرد فرمائے ہیں تو تم میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے تو وہ اپنے والدین کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا اور پھر دیکھتا کہ گھر بیٹھنے پر اس کو یہ ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔

حضرت طاوسؒ کے نزدیک رعایا کی طرف سے بادشاہوں کو جو ہدیے دیئے جاتے ہیں وہ بھی سخت حرام ہیں اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ جب خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ہدیہ قبول فرماتے تھے آپ کیوں انکار کرتے ہیں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی وجہ سے ہدیہ دیا جاتا تھا اس لیے اس کی صورت نہیں بدلتی تھی وہ ہدیہ ہی رہتا تھا مگر ہمیں حکومت کی وجہ سے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اس لیے اس کی نوعیت بدل جاتی ہے وہ ہدیہ نہیں رہتا بلکہ رشوت بن جاتی ہے۔

ابن جریر ازدی کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کو ہر سال اونٹ کی ایک ران کا ہدیہ دیا کرتا تھا۔ اتفاق سے اس کا آپ کے پاس مقدمہ آگیا تو اس نے اپنا تعلق جتانے کے لیے حضرت عمرؓ سے اشارۃً کہا کہ اے امیر المؤمنین ہمارے درمیان اس طرح فیصلہ کیجئے جیسے اونٹ سے ران منفصل ہوتی ہے حضرت عمرؓ اس کا مطلب سمجھ گئے اور اسی وقت آپ نے اپنے عہد کے تمام حاکموں کو لکھ بھیجا کہ :

لاتقبلوا الهدية فانها رشوة ہدیہ قبول نہ کیا کرو یہ اب رشوت ہے[1]

خلفاء راشدینؓ کی اسی احتیاط اور دور اندیشی کی وجہ سے اسلام کے روشن دور میں رشوت کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ اصل میں وہاں صرف قانون نہیں تھا بلکہ انسان کے باطن کو بدل دیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے نتیجے میں اس کی سوچ بدل گئی تھی، اس کا مزاج بدل گیا تھا، اس کے جذبات بدل گئے تھے، اس کی زندگی کی ترجیحات بدل گئی تھیں۔ لیکن ہمارے ہاں چونکہ انسان کو اندر سے بدلنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور پورے نظام کو بدلنے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ اسی گندے نظام میں نئے نئے

آرڈیننس نافذ کرکے اور نئے نئے محکمے قائم کرکے رشوت کے انسداد کی کوشش کی جاتی ہے اس لئے کوئی کوشش کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتی بلکہ نئے محکموں کے قیام سے رشوت کا ریٹ مزید بڑھ جاتا ہے اور اس کے دائرۂ اثر میں مزید وسعت ہو جاتی ہے۔

انتظام جہاں تک قانون سازی یا محکمہ سازی کا تعلق ہے ہماری حالت بالکل اس بادشاہ کی طرح ہے جس کا سائیس اس کے گھوڑوں کے دودھ سے ایک سیر دودھ روزانہ اپنے لئے نکال لیتا تھا کسی نے بادشاہ کو خبر کر دی تو اس نے اس سائیس کی اصلاح کے بجائے اس پر نگرانی کے لئے ایک انسپکٹر مقرر کر دیا انسپکٹر صاحب بھی سفارشی کوٹہ سے آئے تھے اسلئے انہوں نے آتے ہی سائیس سے پانچ سیر دودھ وصول کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی بھی شکایت ہوگئی تو بادشاہ نے بنیادی نقص دور کرنے کے بجائے ان دونوں پر سپرنٹنڈنٹ تعینات کر دیا۔ اتفاق سے اس غریب کا کنبہ زیادہ تھا اس لئے اس نے اپنے لئے کفایۃً آٹھ سیر دودھ وصول کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گھوڑے دُبلے ہونے شروع ہو گئے۔ سائیس سب کو دودھ دینے کے بعد قریبی شہر سے دودھ کے مٹکوں میں پانی بھر کر رکھ دیتا۔ ایک روز خود بادشاہ معائنہ کے لئے اصطبل میں آگیا اس نے دودھ کے مٹکوں میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پھدکتی دیکھ کر سائیس سے پوچھا کہ یہ کیا پھدک رہا ہے سائیس نے بہ ادب کہا حضور کا انتظام پھدک رہا ہے۔ یہ جواب سن کر بادشاہ حیران ہوا اور اس نے کہا کہ کبھی انتظام بھی پھدکتا ہے۔ سائیس نے دست بستہ عرض کی حضور ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اور سارا واقعہ من وعن سنا دیا اس پر بادشاہ نے اپنی غلطی کو محسوس کیا کہ

انتظام بدلنے کی بجائے سائیس کی ذہنیت واخلاق بدلنے کی ضرورت تھی اس لئے اس نے اسی وقت انسپکٹر اور سپرنٹنڈنٹ کو ملازمت سے جواب دے دیا اور سائیس کی اصلاح کی فکر کے ساتھ اس کی تنخواہ بھی بڑھادی تاکہ وہ اپنی جائز ضروریات کے لئے ناجائز وسائل اختیار نہ کرے۔

رشوت چھوڑنے کا آسان طریقہ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کے لئے رشوت چھوڑنے کے چند طریقے بیان فرمائے ہیں جو واقعی رشوت جیسے بدترین گناہ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، ان کے لئے میں یہ طریقے بیان کر کے بات کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی تدبیر: پہلی تدبیر یہ ہے کہ سادہ زندگی گزارنے کی عادت ڈالیں۔ یہ بات تجربہ کی ہے کہ جو شخص فضول خرچی، نمود و نمائش سے بچتا ہے بیاہ شادی وغیرہ میں ریا اور نمائش کی خاطر ناجائز رسومات میں روپیہ خرچ نہیں کرتا وہ تھوڑی آمدنی میں بھی رشوت لئے بغیر اپنا گزارہ کر سکتا ہے، اس میں اصل قصور عورتوں کا بھی ہے اور عورتیں مردوں کو روکیں کہ اگر تم نے رشوت لی ہم سخت ناراض ہوں گی، ہم ایسا حرام مال کھا کر عاقبت نہیں خراب کرنا چاہتیں۔ تو انشاء اللہ مرد رشوت ستانی سے کچھ رک سکتے ہیں۔ مرد کو بھی چاہیئے اگر بیوی اس کو رشوت پر مجبور کرے تو اس کا کہنا نہ مانے۔ بیوی کی خاطر حرام مال کما کر دوزخ میں جانے کا سامان نہ پیدا کرے۔ قرآن مجید میں جو مال و اولاد کو فتنہ کہا گیا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ انسان اولاد کی محبت میں پڑ کر جائز و ناجائز کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ حرام مال کمانے میں لگ جاوے۔ جس اولاد کی خاطر آج حرام مال جمع کر رہا ہے

ایسی اولاد جس کی حرام کے مال سے پرورش ہوئی ہوتی ہو بڑے ہو جانے کے بعد والدین کو منہ بھی نہیں لگاتی، والدین بڑھاپے میں در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں حرام کے مال سے جس کی پرورش ہوتی ہے اس میں نیکی کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ہاں جس کو اللہ بچائے رکھے۔ اس لئے تھوڑے ہی حلال رزق میں جتنا حق تعالیٰ عطا فرمادیں صبر کرے، گھر والوں کو بھی اسی رزق پر قناعت کرنے کی تلقین کرے۔

دوسری تدبیر: دوسری تدبیر یہ ہے کہ جو وعیدیں حرام مال کمانے پر وارد ہوئی ہیں ان کو سوچیے کہ حرام مال کمانے سے دنیا میں رسوائی ہوتی ہے، بڑا خسارہ یہ ہوتا ہے کہ اطمینانِ قلب چھین لیا جاتا ہے چاہے وہ جتنا بھی مال رشوت کا جمع کرلے اس کا پیٹ نہیں بھرتا ہر وقت دل پر بے سکونی کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ جن لوگوں سے ناجائز طور پر رشوتیں وصول کی ہوتی ہیں ان کی نگاہوں میں بھی یہ شخص گر جاتا ہے وہ بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے جو فضیلت و برکات احادیث میں حلال رزق کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان کو سوچیے، اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے کیونکہ ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے، خود بخود حرام اور رشوت ستانی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ آہستہ آہستہ یہ برائی بھی چھوٹ جاتی ہے۔ اس بزرگ کی صحبت اختیار کی جاوے جو کسی اللہ والے کا تعلیم یافتہ ہو جسے وہاں کے علماء حضرات اچھا سمجھتے ہوں

تیسری تدبیر: رشوت کو گناہ سمجھو۔ بعض لوگ رشوت کو طرح طرح کے بہانے بنا کر جائز بنا لیتے ہیں۔ رشوت کو گناہ ہی سمجھو۔ جتنی

جلدی ہو سکے جلد اس کو چھوڑ دو۔ اگر رشوت چھوڑنے سے کوئی سخت مجبوری لاحق ہو جاتی ہے ابھی رشوت چھوڑنے کی ہمت نہیں پڑتی تو صرف دو کام کرلو اُن پر تمہارا کوئی پیسہ بھی خرچ نہیں ہوگا آہستہ آہستہ یہ عادت چھوٹ جائے گی۔

پہلا کام : دو رکعت نماز توبہ۔ اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں فرماں برداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہوسکتا ہے میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی آپ ہی کے اختیار میں میری اصلاح ہے اے اللہ میں سخت نالائق ہوں، سخت خبیث ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمائیے، میرا قلب ضعیف ہے، گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں آپ ہی قوت دیجئے، میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کیجئے۔ اے اللہ جو گناہ میں نے اب تک کئے ہیں انہیں آپ اپنی رحمت سے معاف فرمائیے، گو میں یہ نہیں کہتا کہ آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا، میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا لیکن پھر معاف کرالوں گا، غرض اسی طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار، اپنی اصلاح کی دعا۔ اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو، بد پرہیزی بھی مت چھوڑو، صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت بھی قوی ہوجائیگی دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جائے گا کہ آپ

کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

دوسرا کام محاسبۂ نفس :

کچھ وقت نکال کر نفس سے اس طرح باتیں کرو کہ: اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے، موت بھی آنے والی ہے اُس وقت یہ مال و دولت یہیں رہ جائے گا بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے، جن کے لئے تو رشوت کا مال جمع کر رہا ہے اور خدا تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنّم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے اس لئے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لئے کچھ سامان کر یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر، مرنے کے بعد تو اس کی تمنّا کرے گا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کر لوں جس سے مغفرت ہو جائے مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت مغفرت کا سامان کر لے۔

لو بھائی اگر تم یہ کام کر لو رشوت سے تمہیں خود بخود نفرت پیدا ہو جائے گی اور اللہ پاک غیب سے ایسا سامان پیدا کریں گے کہ اس تھوڑے ہی رزق میں برکت ڈال دیں گے زندگی بھی پُرسکون گزرے گی گو سادہ زندگی گزارنے میں کچھ طبعی طور پر تکلیف ہو لیکن عقلی طور پر سکون ہوگا۔ یہ تکلیف اس سزا سے تو کم ہے جو آخرت میں رشوت خور کو ملے گی۔ مثال اس کی یوں ہے کہ کسی کو بادشاہ حکم دے کہ چند دن کے لئے اس تنگ کوٹھڑی میں رہ لو پھر ساری زندگی گزارنے کے لئے عالی شان محل دیں گے۔ یا کچھ دن اس محل میں رہ لو پھر ساری زندگی اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں

گزارنی پڑے گی وہ شخص تھوڑے دن کوٹھڑی میں گذارہ کر کے پھر ساری عمر عالی شان محل میں رہنا ہی پسند کرے گا۔ اسی طرح اگر اس دنیا میں رشوت چھوڑنے سے کچھ تکلیف بھی آئی لیکن آخرت میں تو راحت نصیب ہو گی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

منشیات

قوم سے نشہ کی سفارش کیا کروں　　نیک کو شیطاں کر دیتا ہے یہ[1]
ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید　　خودکشی آسان کر دیتا ہے یہ

جو عقل کھری تھی کی کھوٹی اس نے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اس نے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

[1] تبغیر

" بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اگر دنیا کے تمام منشیات پسند ایک جگہ جمع کر لئے جائیں تو بھی یو۔ ایس۔ اے کے اعداد و شمار سے کم ہوں گے۔ اس کے علاوہ برازیل، چلی، سلوے ڈار، ارجنٹائنا، اسپین، سویڈن، سوئیٹرز لینڈ، اسرائیل، ہانگ کانگ، کوریا، جاپان، لاؤس، سنگاپور اور جاپان وغیرہ میں بیس برس اور پندرہ برس کے لڑکے اور لڑکیاں منشیات کے عادی ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ وہ ممالک ہیں جو ترقی یافتہ ممالک کہلاتے ہیں جہاں محنت اور مزدوری کا معقول معاوضہ ملتا ہے، جہاں خوشحال طبقہ اکثریت میں ہے، جہاں عیاشی پر کسی قسم کی قدغن نہیں، جہاں ہر طرح کی مادر پدر آزادی حاصل ہے، جہاں ہر طرح کی طبی، معاشرتی اور معاشی آسانیاں حاصل ہیں لیکن اس کے باوجود وہاں منشیات پسندوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں کا انسان اندر سے جل چکا ہے وہ باہر سے خوشحال اور مطمئن نظر آتا ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہے۔ اس نے خوشیاں اور سکون حاصل کرنے اور اپنے دل کو مطمئن رکھنے کے لئے ہزاروں جتن کئے لیکن اس کے سارے حربے ناکام ہو گئے ہیں، اس کی ساری تدبیریں الٹی ثابت ہوئی ہیں، اس نے عیاشی اور فحاشی عام کر دی لیکن اسے سکون نہ مل سکا، اس نے زناکاری اور شراب کو ہوا اور پانی کی طرح عام کر دیا مگر اسے سکون نہ مل سکا، اس نے لہو و لعب اور طرب و غنا کے نئے نئے طریقے ایجاد کر دیکھے مگر اسے سکون نہ مل سکا، اس نے دولت کے انبار لگا لئے مگر اسے سکون نہ مل سکا، اس نے منشیات کا استعمال کر کے دیکھ لیا مگر اسے سکون نہ مل سکا۔"

❁

منشیات

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، امابعد
فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (سورۃ المائدہ)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بُت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں، شیطان کے کام، سو اس سے بچے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔

اَلَا اِنَّ کُلَّ مُسْکِرٍ عَلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ حَرَامٌ

خبردار! بیشک ہر نشہ آور چیز ہر مؤمن پر حرام ہے۔

اَلَا اِنَّ کُلَّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ وَکُلَّ مُخَدِّرٍ حَرَامٌ وَمَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ حَرَامٌ قَلِیْلُہٗ وَمَا خَمَّرَ الْعَقْلَ فَھُوَ حَرَامٌ

خبردار! بیشک نشہ آور چیز حرام ہے اور ہر بے حس کرنے والی چیز حرام ہے اور جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے اور جو چیز عقل پر پردہ ڈالدے پس وہ بھی حرام ہے۔

گرامی قدر حاضرین! آج کی دنیا کو جو ایک انتہائی خطرناک اور تباہ کن مسئلہ درپیش ہے وہ منشیات کا مسئلہ ہے۔ اگرچہ کچھ اور بھی مسائل ہیں جنہوں نے کئی مملکتوں کو، کئی لیڈروں کو، کئی سائنس دانوں کو، کئی حکیموں اور ڈاکٹروں کو پریشان کر رکھا ہے ان میں بیروزگاری کا مسئلہ ہے، ایڈز کا مسئلہ ہے، بڑھتی ہوئی آبادی اور وسائل کی کمیابی سے بھی اہل مغرب سراسیمہ ہیں۔ ایٹمی دوڑ اور ترقی نے بھی کئی لوگوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں لیکن ان سب مسائل سے زیادہ تباہ کن اور پریشان کن مسئلہ منشیات کی کثرت کا ہے، نئی نسل تیزی سے منشیات کے استعمال کی طرف راغب ہو رہی ہے اور دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ہر ملک میں استعمال ہونے والی نشہ آور چیزوں کی قسم اور کوالٹی الگ ہے مگر وائن، شراب، ہیروئن، حشیش، افیون، مارفیا، چرس اور گانجا جیسی چند ایک منشیات ایسی ہیں جن کو دنیا بھر کے نشہ کرنے والے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اگرچہ ان کے مارکیٹ نام الگ الگ ہیں کہیں ان کو راکٹ کہتے ہیں، کہیں ان کو فلائنگ کہتے ہیں، کہیں ان کو چمپین اور گولی کہتے ہیں۔

ان منشیات میں آجکل سرِفہرست افیون اور اس سے بنائی جانے والی چیزیں ہیں۔ کیمیائی طریقوں سے آج کل مارفین، کوڈین، ہیروئن اور پیتھیڈین وغیرہ افیون ہی سے تیار کی جاتی ہیں۔

امریکہ سب سے آگے منشیات دنیا بھر میں استعمال کی جاتی ہیں لیکن ہر قسم کی منشیات کے استعمال میں امریکہ سب سے آگے ہے وہاں کے لڑکے اور لڑکیاں بالغ ہونے سے پہلے ہی منشیات کی عادی ہو جاتی ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ بارہ تیرہ سال کے بچے بھی اس لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ مغرب والے اہل مشرق کو بدنام کرنے کے لئے ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات سے ان کے خلاف بہت پراپیگنڈا کرتے ہیں، یہ کہ وہ منشیات پیدا کرتے ہیں اور منشیات فروخت کرتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ مارکیٹ میں وہی چیز لائی جاتی ہے جس کی بازار میں طلب ہوتی ہے۔ امریکہ بہادر مشرق کے ترقی پذیر ممالک پر برسنے کے بجائے اپنے شہریوں کی اصلاح کیوں نہیں کرتا، ان پر پابندیاں کیوں نہیں لگاتا، انہیں ایسی عبرتناک سزائیں کیوں نہیں دیتا کہ وہ منشیات کے استعمال سے باز آجائیں۔

اسلام نے دنیا کے سامنے یہ نمونہ پیش کیا ہے ایک وقت تھا کہ پوری دنیا میں شراب نوشی ہو رہی تھی، منشیات کا استعمال ہوتا تھا، خود اسلام قبول کرنے والے زمانہ جاہلیت میں اس کے عادی رہ چکے تھے لیکن اسلام نے انہیں ایسے بدلا اور ان پر ایسی قدغنیں لگائیں کہ شراب نوشی کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور اڑوس پڑوس کے ممالک میں سے بھی کسی ملک کو وہاں شراب اور دوسری منشیات کے درآمد کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ حالانکہ اس وقت سرحدوں کے لئے ویسے حفاظتی انتظامات ناممکن تھے جیسے انتظامات آج کل اختیار کئے جاتے ہیں۔ کہاں پاکستان اور کہاں امریکہ ہزاروں میل کا فاصلہ ہے، امریکہ کی سرحدوں پر جدید ترین حفاظتی انتظامات ہیں، سخت چیکنگ ہوتی ہے، جدید ترین مشینوں کی مدد سے تلاشی لی جاتی ہے لیکن اس سب کے باوجود وہاں منشیات پہنچتی ہیں اور منشیات کا سب سے زیادہ استعمال وہیں ہوتا ہے بلکہ اعداد وشمار کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اگر تمام دنیا کے منشیات پسند ایک جگہ جمع

کر لئے جائیں تو بھی یو۔ ایس۔ اے، کے اعداد و شمار سے کم ہوں گے۔ اس کے علاوہ برازیل، چلی، سلوے ڈار، ارجنٹائنا، لبنان، اسپین، سویڈن، سوئیٹزرلینڈ، اسرائیل، ہانگ کانگ، کوریا، جاپان، لاؤس، سنگاپور اور فرانس وغیرہ میں بیس برس اور پندرہ برس کے لڑکے اور لڑکیاں منشیات کے عادی ہیں۔

مقام فکر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ ممالک وہ ہیں جو ترقی یافتہ ممالک کہلاتے ہیں، جہاں محنت اور مزدوری کا معقول معاوضہ اور مشاہرہ ملتا ہے، جہاں خوش حال طبقہ اکثریت میں ہے، جہاں عیاشی پر کسی قسم کی قدغن نہیں، جہاں ہر طرح کی مادر پدر آزادی حاصل ہے، جہاں ہر طرح کی طبی، معاشرتی اور معاشی آسانیاں حاصل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آخر کیا وجہ ہے کہ وہاں منشیات پسندوں کی تعداد روز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اصل وجہ یہی ہے کہ وہاں کا انسان اندر سے ہل چکا ہے، وہ باہر سے خوشحال اور مطمئن نظر آتا ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہے، اس نے خوشیاں اور سکون حاصل کرنے کے لئے اور اپنے دل کو مطمئن رکھنے کیلئے ہزاروں جتن کئے لیکن اس کے سارے حربے ناکام ہوگئے ہیں، اس کی ساری تدبیریں الٹی ثابت ہوئی ہیں، اس نے عیاشی اور فحاشی عام کر دی لیکن اسے سکون نہ مل سکا، اس نے زناکاری اور شراب کو ہوا اور پانی کی طرح عام کر دیا مگر اسے سکون نہیں مل سکا، اس نے لہو و لعب اور طرب و غنا کے نئے نئے طریقے ایجاد کر دیکھے مگر اسے سکون نہیں مل سکا، اس نے دولت کے انبار لگا لیے مگر اسے سکون نہیں مل سکا، اس نے منشیات کا استعمال کر کے دیکھ لیا مگر اسے سکون نہیں مل سکا۔

سکون ملے بھی تو کیسے ملے؟ انسان ناقص، اس کی سوچ ناقص، اس کی تدبیریں ناقص، اس کا علم ناقص، اس کے اندازے ناقص، اس کا تجربہ ناقص، اس کی تحقیق ناقص جہاں اتنے سارے نواقص جمع ہو جائیں وہاں انسان محض اپنی سوچ سے اپنی تدبیر سے اپنے علم سے اپنے اندازے سے، اپنے تجربے سے، اپنی تحقیق سے زندگی کا کامل نظام کیسے تلاش کر سکتا ہے؟ جبکہ میرا اللہ کامل، اس کی تدبیر کامل، اس کا علم کامل، اس کی قدرت کامل، اس کا اختیار کامل، وہ سارے کمالات والا اللہ جو حکم دے گا جو طریقہ بتائے گا وہ طریقہ نقص سے پاک ہوگا، وہ طریقہ تضاد سے پاک ہوگا وہ طریقہ تغیر سے پاک ہوگا اور اس اللہ نے جو کمالات کا خالق و مالک ہے واضح کر کے بتا دیا کہ دلوں کو سکون ان چیزوں سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ دلوں کو سکون ایمان سے حاصل ہوتا ہے، تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے، گناہوں کے چھوڑنے سے حاصل ہوتا ہے، تلاوتِ کلام اللہ سے حاصل ہوتا ہے، ذکر اللہ سے حاصل ہوتا ہے، ذکر و دعا سے حاصل ہوتا ہے، خلوت میں ندامت کے ساتھ گریہ و بکا سے حاصل ہوتا ہے۔

مصنوعی طریقے

یورپ والو! تم نے اپنے آپ کو خوش رکھنے اور دلوں کو سکون دینے کے لئے جو طریقے اختیار کیے یہ سب مصنوعی طریقے ہیں، یہ سطحی طریقے ہیں، یہ طفلانہ طریقے ہیں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ ہلاکت خیز اور احمقانہ طریقے ہیں۔ آؤ ان مصنوعی اور احمقانہ طریقوں کو چھوڑ کر رب العالمین کے بیان کردہ اصلی اور قطعی طریقوں کو اختیار کر لو، پھر دیکھو تمہیں سکون کیسے ملتا ہے، تمہارا ذہنی خلفشار اور اضطراب کیسے دور ہوتا ہے

حیرت اور تعجب تو ان مسلمانوں پر ہے جو محض یورپ کی نقالی کے شوق میں ان مصنوعی طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اللہ کے بندو! جن مصنوعی طریقوں کو تم اپنے سینے سے لگائے بیٹھے ہو تمہارے رب نے ان سب کو حرام قرار دیا ہے

حرمتِ خمر

تمہیں یاد نہیں کہ دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اسلام کے نورِ ہدایت کی روشنی چمکنے سے پہلے اہلِ عرب بالخصوص اور باقی خطوں کے لوگ بالعموم ان مصنوعی طریقوں کو اختیار کیے ہوئے تھے۔

عربوں کے علاوہ رومیوں کے ہاں شراب کا عام رواج تھا، اہل سپارٹا کے ہاں شراب کشید ہوتی تھی، ہسپانیہ، صقلیہ اور فرانس میں انگور کی شراب کی بھٹیاں گھر گھر تھیں، ہندوستان میں سوامی دیانند اپنی "تاریخ سیتارتھ پرکاش" میں لکھتا ہے کہ ہندو خالی معدہ شراب پیتے تھے اور بعد میں کھانا کھاتے تھے۔ عربوں کے ہاں تو شراب نوشی اس قدر عام تھی کہ گھر گھر میں شراب تیار ہوتی تھی اور شراب نوشی ان کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی دشمن سے بدلہ لینے کا تہیہ کر لیتے تو یوں قسم اٹھاتے تھے "قسم ہے میں شراب کو اس وقت تک ہاتھ نہ لگاؤں گا جب تک دشمن سے انتقام نہ لے لوں"

اسلام نے بڑے حکیمانہ انداز میں ان کے دلوں میں شراب کی نفرت بٹھائی، ظاہر ہے کہ جو قوم نسلاً بعد نسلٍ شراب نوش چلی آرہی تھی اسے یکا یک تو شراب سے منع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسلام نے تدریج کا راستہ اختیار کیا شراب کے بارے میں سب سے پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ یہ تھی:

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا	لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے ان دونوں

اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثۡمُہُمَاۤ اَکۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِہِمَا ؕ (کے کرنے) میں بہت بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لئے کچھ نفع بھی ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔

اس آیت کے ذریعہ گویا ذہنوں کو شراب کی حرمت کے حکم کے لئے تیار کرلیا گیا تھا بلکہ کئی لوگوں نے تو یہ بات سمجھ لی تھی کہ حرمت کا حکم نازل ہونے والا ہے اس لئے انہوں نے یہ آیت سنتے ہی شراب نوشی سے توبہ کرلی تھی۔

کچھ عرصہ بعد اتفاق سے ایک واقعہ پیش آگیا۔ ہوا یوں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی نے لوگوں کی دعوت کی اور اس میں شراب کا انتظام بھی کیا لوگوں نے کھانا بھی کھایا اور شراب بھی پی، اسی اثنا میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت علی رض یا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی نے نماز پڑھائی اور سورۃ الکافرون کی تلاوت نشہ کی وجہ سے ادل بدل کر یوں کردی قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ عَابِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ [۲] تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی [۳] اے ایمان والو! نماز کے قریب اس حالت میں مت جاؤ کہ تم نشے میں ہو

جب نشہ کی حالت میں نماز کے قریب جانے کی ممانعت کردی گئی تو اب لوگوں نے دن میں تو شراب پینے کا سلسلہ بالکل موقوف کردیا کیونکہ شراب پینے کے بعد نماز کے وقت تک ہوش میں آجانا مشکل تھا اور نماز تو کیا جماعت تک کا چھوڑنا ان کے لئے محالات میں سے تھا۔ البتہ عشاء کے بعد اتنی سی مقدار پی لیتے تھے کہ فجر ہونے سے پہلے نشہ ختم ہوجائے۔

---

۲ تفسیر حقانی صفحہ ۱۵۶/۲۶ ۳ سورۃ النساء

آیت کے ضمن میں گویا یہ بات بھی بتا دی گئی تھی کہ جو شخص نشے میں ہو وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے اور مناجات کرنے کے قابل ہی نہیں

اس آیت کے نزول کے بعد اکثریت نے شراب سے توبہ کر لی اور جو چند ایک پی رہے تھے وہ بھی ذہنی طور پر ترک کے لئے تیار ہو گئے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اب صاف صاف اعلان کر دیا گیا :

یَآاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ .... الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ

دس بار | ان آیاتِ کریمہ میں دیکھا جائے تو انداز بدل بدل کر دس بار شراب کی شناعت و قباحت کو بیان کیا گیا ہے اور دس طریقوں سے اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اوّلاً فرمایا کہ شراب نجاست و غلاظت ہے، یہ تمہاری روحوں کو گندہ کر سکتی ہے، تمہارے دلوں کو نجاست آلود کر سکتی ہے۔

ثانیاً فرمایا کہ یہ شیطان کا کام ہے انسان کا کام نہیں ہے۔

ثالثاً فرمایا کہ جب ایسی بات ہے تو اس سے بچ جاؤ۔

رابعاً فرمایا کہ اگر بچے رہو گے تو ممکن ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ بچے بغیر فلاح ناممکن ہے۔

خامساً فرمایا شراب کی وجہ سے شیطان تمہارے دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ نشے کی حالت میں ممکن ہے تم مستی میں آکر ایک دوسرے کو ایسا اول فول بک دو جو ہمیشہ کے لئے نفرت و کدورت اور عداوت کا سبب بن جائے۔

سادساً فرمایا کہ نشے کا عادی بنا کر تمہیں شیطان اللہ کی یاد سے اور

نماز سے محروم کر دینا چاہتا ہے، شرابی کا اللہ کے ذکر اور نماز سے رشتہ ہی کہاں باقی رہ جاتا ہے۔

سابعًا: فرمایا کہ جب اُمّ الخبائث اتنی خرابیوں کا مجموعہ ہے تو کیا تم پھر بھی باز نہیں آؤ گے۔

ثامنًا: فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے شراب سے توبہ کرلو، شیطان رذیل کی اتباع مت کرو۔

تاسعًا: پھر فرمایا کہ شراب خانہ خراب سے اجتناب کرو۔

عاشرًا: فرمایا کہ اگر تم حکم ماننے سے اعراض کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمّہ تو صاف صاف پہنچا دینا تھا اب تم تباہی کے گڑھے میں گرتے ہو تو تمہاری مرضی۔

صحابہ میں اطاعت اور تعمیلِ حکم کا جذبہ دیکھئے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے شراب سے بھرے ہوئے مٹکے توڑ دیئے، مشکیزے بہا دیئے، کوئی تاویل نہیں کی، ذرہ بھر تذبذب کا اظہار نہیں کیا، بالکل نہیں ہچکچائے یہ نہیں سوچا کہ یہ مٹکا اور مشکیزہ کتنے دراہم یا دنانیر کا ہے اسے ہم کفار کے ہاتھوں بیچ کر پیسے ہی کما لیں۔ یہ نفع اور نقصان والی بات نہیں سوچی بلکہ فوراً شراب خانہ خراب کو مدینہ کے گلی کوچوں میں بہا دیا۔ اتنی شراب بہائی گئی کہ کافی عرصہ تک اس کی بو اور اثر محسوس کیا جاتا رہا ہے۔

بعض واقعات تو اس قسم کے بھی احادیث میں ملتے ہیں کہ محفل عروج پر تھی، بادہ و ساغر کا اہتمام تھا، جام لنڈھائے جانے والے تھے کہ اچانک منادی کی آواز کان میں پڑ گئی یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ الخ بس آیتِ کریمہ کا سُننا تھا کہ ہاتھ کھینچ لئے اور پینے سے توبہ

کرلی۔ پوری تاریخ انسانی دیکھ لیجئے آپ کو تعمیلِ حکم کی ایسی مثال دکھائی نہیں دے گی۔ منشیات کا عادی انسان تو مرنے مارنے پر تُل جاتا ہے اس کے لئے نشہ کا چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا مگر صحابہ تو پتہ نہیں کس مٹی کے بنے ہوئے تھے ان کے لئے خواہشات کا چھوڑنا آسان تھا اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو توڑنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔

آقا ؐ کے فرمودات

شراب کے بارے میں قرآن حکیم کی آیات تو آپ سن ہی چکے، اب میرے آقا کے فرمودات اور ارشادات بھی سُن لیجئے:

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا زانی زنا کے وقت، چور چوری کے وقت، شرابی شراب پیتے وقت مؤمن نہیں ہوتا۔ یعنی ان افعالِ قبیحہ کے ارتکاب کے وقت ایمان نکل کر سایہ کی طرح اوپر ہوجاتا ہے اور جب ان افعال کے مرتکب فارغ ہوجاتے ہیں تو ایمان پھر لوٹ آتا ہے۔ سایہ کی طرح سر پر ایمان کا قائم ہوجانا یہ بھی ایک شفقت ہے ورنہ غضبِ الٰہی ٹوٹ پڑتا۔

حضرت ابن عمر رضؓ مرفوعًا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شراب پینے والے پر، پلانے والے پر، خریدنے اور بیچنے والے پر، بنانے والے اور بنوانے والے پر، اُٹھا کر لیجانے والے، اور جس کے لئے لے جائی جائے اور جو اس کی آمدنی کھائے ان سب پر اللہ کی لعنت ہے[1]۔

حضرت ابو امامہ رضؓ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امّت کے بعض افراد رات دن شراب اور لہو ولعب میں گزاریں گے تو ایک دن یہ لوگ صبح کو بندر اور سور کی صورتوں میں مسخ کردیئے جائیں گے، ان میں خسف بھی ہوگا (زمین میں دھنسا دینا) ان پر آسمان سے پتھر بھی برسیں گے۔ لوگ کہیں گے آج رات فلاں محلّہ دھنس گیا، آج کی رات فلاں گاؤں دھنس گیا۔ ان پر قوم لوط کی طرح

---

[1] ابو داؤد - ابن ماجہ

پتھر برسیں گے اور قوم عاد کی طرح آندھیوں سے تباہ کئے جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ لوگ شراب پئیں گے اور سود کھائیں گے، ریشمی لباس استعمال کریں گے، گانے والیاں ان کے پاس جمع ہوں گی اور قطع رحم کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کا فسق و فجور ان کے ہاں رائج ہوگا۔

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے زنا کیا یا شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح چھین لیتا ہے جس طرح کسی سے اس کے کپڑے اتروا لئے جائیں۔[1]

حضرت ابن عمرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے یہاں شراب پی وہ جنت کی شراب سے محروم رہے گا مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: جس نے شراب سے توبہ نہ کی وہ آخرت کی شراب سے محروم ہے۔

حضرت ابوموسیٰ ارشادؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تین آدمی جنت میں نہیں جا سکتے ایک شراب کا عادی دوسرا قاطع رحم تیسرا جادو کی تصدیق کرنے والا۔ جو شراب سے توبہ کئے بغیر مرجائے گا اس کو قیامت میں غوطہ کا پانی پلایا جائے گا کسی نے دریافت کیا غوطہ کیا ہے۔ فرمایا غوطہ ایک نہر ہے جس میں زانیوں کی شرمگاہ کا کچ لہو بہتا ہے۔ شرابیوں میں اس قدر بدبو ہوگی کہ اس سے اہل دوزخ بھی پریشان ہوجائیں گے۔[2]

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ تین شخصوں پر جنت حرام ہے شراب کا عادی، ماں باپ کا نافرمان، دیوث جو اپنے اہل میں گندی باتوں کو دیکھ کر چشم پوشی کرتا ہے۔[3]

---

[1] حاکم۔ [2] احمد، ابویعلی، ابن حبان۔ [3] مسند احمد۔ نسائی۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی ہوا پانچسو برس کی راہ تک پہنچتی ہے لیکن شرابی، ماں باپ کا نافرمان اور احسان جتلانے والا اس سے محروم رہتا ہے

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکارؐ نے فرمایا ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی، ان چالیس دنوں میں اگر موت آگئی تو جاہلیت کی موت مرا۔

حضرت ابومالک اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر پئیں گے ان کے پاس گانے والیوں کا اجتماع ہوگا، مزامیر سُنتے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دیگا اور سور و بندر کی شکل میں مسخ کر دے گا[1]

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے دنیا کو نشہ کی حالت میں چھوڑا تو وہ قبر میں بھی مدہوش رہے گا اور اس کا حشر بھی نشہ کی حالت میں ہوگا پھر اس کو جہنم میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، جہنم میں ایک نہر ہے جس میں پیپ اور لہو بہتا ہے اس نہر سے اس شخص کو کھولتا ہوا کیچ لہو پلایا جاتا رہے گا جب تک آسمان زمین کا وجود باقی ہے (یعنی اس عالم کا زمین وآسمان) مدعا یہ ہے کہ مدّتِ دراز تک۔

انتہائی بدبخت یقیناً وہ شخص انتہائی بدبخت ہے جو ان وعیدوں کا مستحق بنتا ہے ورنہ عام مسلمان تو ان وعیدوں کے برداشت کی اپنے اندر سکت نہیں پاتا۔ آپ اندازہ تو لگائیں شرابی پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے، شرابی سور اور بندر کی طرح مسخ ہوسکتا ہے، شرابی سے ایمان چھین لیا

---

[1] ابن ماجہ

جاتا ہے۔

شرابی جنت کی شراب طہور سے محروم رہے گا۔

شرابی کو جہنمیوں کے زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔

شرابی دیوث، سود خور اور ماں باپ کے ستانے والوں جیسا ہے۔

شرابی کی ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔

شرابی پورے معاشرہ اور پورے ملک کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔

شرابی محشر کی ہولناک گرمی اور تپش میں پیاسا ہوگا وہ العطش العطش پکارے گا مگر اسے پانی میسّر نہیں ہوگا۔

دنیا میں مے خوار کی سزا

اسلام نے صرف اخروی وعیدوں پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ دنیا میں بھی مے خوروں کے لئے سزا مقرر کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی شراب نوشی کرتا ہوا پکڑا جاتا تو مکّوں، تھپّڑوں، جوتوں، اور چھڑیوں سے اس کی ٹھکائی ہوتی اور مرمّت کے ساتھ زبانی طور پر اسے لعن طعن کی جاتی تھی۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَزْهَرِؓ قَالَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی الرَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِیَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ لِلنَّاسِ اضْرِبُوْهُ فَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهٗ بِالنِّعَالِ وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهٗ بِالْعَصَا وَمِنْهُمْ

حضرت عبد الرحمٰن بن الازہرؓ کہتے ہیں کہ اس منظر کو اب بھی اپنی نگاہوں کے سامنے پاتا ہوں جو میں نے ایک مرتبہ دیکھا تھا کہ ایک شخص کو جس نے شراب پی رکھی تھی، نبیؐ کے پاس لایا گیا، آپؐ نے لوگوں سے فرمایا اس کو مارو، ہم میں سے بعض نے اس کو جوتیوں سے مارا، بعض نے لاٹھی سے مارا،

مَن ضَرَبَہٗ با لمنیخۃ ثُمَّ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تراباً من الارض فرمی بہٖ فی وجھہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

بعض نے کھجوروں کی شاخوں سے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر ڈال دی۔

عن ابی ھریرۃؓ قال انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اُتی برجُلٍ قدشَرِبَ الخمرَ فقال اضربُوہ فمنّا الضّاربُ بیدِہٖ وَالضّاربُ بثوبہٖ و الضّاربُ بنعلہٖ ثمّ قالَ بکّتوہُ فاقبلوا علیہ یقولون ما اتّقیتَ اللّٰہ ما خشیتَ اللّٰہ و ما استحییتَ مِن رَسُولِ اللّٰہِ فَقَالَ بَعضُ القومِ ما اَخزَاکَ اللّٰہُ قَالَ لَا تَقُولُوا ھٰکذا لَا تُعِینُوا علیہ الشیطان ولٰکن قُولُوا اللّٰھُمّ اغفِرلَہٗ اللّٰھُمّ ارحَمہُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، جس نے شراب پی رکھی تھی آپؐ نے حکم دیا کہ اس کو مارو، چنانچہ ہم میں سے بعض نے اس کو ہاتھوں سے مارا، بعض نے کپڑوں کا کوڑا بنا کر اس سے مارا اور بعض نے جوتیاں ماریں۔ پھر آپؐ نے فرمایا اس کو تنبیہ کرو اور عار لاؤ چنانچہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تو خدا سے نہیں ڈرا، خدا کے عذاب کو خیال میں لایا اور رسول اللہ سے نہیں شرمایا۔ بعض نے کہا خدا تجھ کو ذلیل اور رسوا کرے۔ آپؐ نے یہ الفاظ سُن کر فرمایا اس طرح نہ کہو اور شیطان کو اس پر مدد نہ دو بلکہ اس طرح کہو اے اللہ اس کو بخش دو، اے اللہ اس پر رحم کر۔

حضرت ثور بن زید دیلمیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے شراب کی سزا مقرر کرنے کی بابت صحابہؓ سے مشورہ کیا حضرت علیؓ نے فرمایا میری رائے یہ

ہے کہ اسّی کوڑے ہونے چاہئیں اس لئے کہ جب آدمی شراب پیتا ہے تو مست ہو جاتا ہے اور جب مست ہوتا ہے تو بےہودہ بکتا ہے، بہتان لگاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس مشورہ کو قبول کرلیا اور سزا اسّی کوڑے مقرر کردی

(رواہ مالکؒ)

اصل میں جب نئے نئے لوگ اسلام قبول کرنے لگے، ادھر فتوحات کا سلسلہ بھی جاری تھا، مال و دولت کی کثرت اور فراوانی ہوگئی، ایک قسم کی خوشحالی نصیب ہوئی تو کچھ نومسلم اس خوش حالی کو برداشت نہ کرسکے اور شراب نوشی کے واقعات کچھ زیادہ ہی پیش آنے لگے تو صحابہؓ نے اسّی کوڑوں کی سزا پر اجماع کرلیا اور اب امّت کا تعامل اور اتفاق اسی پر ہے۔

طبّی اعتبار سے

اسلام نے اس وقت شراب کو حرام قرار دیا تھا جب پوری دنیا میں جسمانی طاقت اور وقتی نشاط کے لئے اس کا استعمال عام تھا اور اسلام نے اپنے مخصوص انداز کے مطابق شراب نوشی پر وعیدیں بھی سنائیں اور اس کے لئے سزا بھی مقرر کردی لیکن اس کے طبّی نقصانات پر بحث نہیں کی لیکن وہ سوسائٹیاں اور وہ ممالک جو شراب کو پانی کی طرح استعمال کرتے ہیں ان ممالک کے ڈاکٹر، سائنسدان اور عام سماجی کارکن، شراب نوشی اور اس کے بڑھتے ہوئے مہلک نتائج اور نقصانات پر پریشان ہیں۔ کثرت سے جنسی جبر کے واقعات اور ڈرائیونگ کے حادثات نے ان کو سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ اگر وہ اس نہج پر چلتے رہے تو ہولناک نتائج سے بچنا ممکن نہیں ہوگا۔

وہاں کے ڈاکٹر طویل تحقیقات کے بعد تسلیم کررہے ہیں کہ شراب کے زیادہ استعمال سے معدہ کی جھلّی متورّم ہوجاتی ہے اور سوزش بڑھ جاتی ہے

جگر کے افعال میں کمزوری آجاتی ہے، حرکتِ قلب میں اضافہ ہوجاتا ہے، خون کی نالیوں کا پھیلاؤ زیادہ ہوجاتا ہے، کبھی کبھی بول و براز اعصابی کنٹرول سے بے قابو ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے شرابی مستانے، بعض اوقات شلوار اور پتلون ہی میں فارغ ہوجاتے ہیں، شراب نوشی کی وجہ سے پھیپھڑے اور زبان کا سرطان بھی لاحق ہوسکتا ہے۔

یہ سارے نقصانات آج تسلیم کیے جارہے ہیں جبکہ میرے مکی مدنی، ہاشمی اور امّی آقاؐ نے بہت پہلے شراب کو بیماری قرار دیا تھا۔

حضرت وائلؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام سوید بن طارق تھا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں سوال کیا آپؐ نے اسے منع فرمایا تو اس نے عرض کیا کہ میں اسے دوا کے طور پر استعمال کرتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا اِنَّھَا دَاءٌ وَلَیْسَتْ بِدَوَاءٍ[1] وہ تو بیماری ہے، دوا نہیں ہے[1]

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے وہ اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا لہذا بہتر یہ ہے کہ انسان ابتدا ہی سے اپنا دامن اس سے بچا کے رکھے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے

گلاسوں میں جو ڈوبے پھر نہ ابھرے زندگانی میں
ہزاروں بہہ گئے ان بوتلوں کے بند پانی میں

نہ کر برباد اپنی زندگی بوتل کے دیوانے
وہ کاٹے گا بڑھاپے میں جو بوتا ہے جوانی میں

یہ دارو کا پیالہ موت کا کڑوا پیالہ ہے
ملا ہے زہر شربت میں چھپی ہے آگ پانی میں

یہی سیّال آتش جسم کو بے کار کردے گی
چلے گی کیا گھڑی دم ہی نہ ہوگا جب کمانی میں

---

[1] کنز العمال ص۵۱۰ ج ۵

خوراک نہیں زہر | بڑے بڑے ڈاکٹر اور سائنس دان اب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شراب خوراک نہیں؟ زہر ہے۔ یہ نہ ہی مضر مادہ کو ضائع کرتی ہے اور نہ ہی جسم کو طاقت بخشتی ہے بلکہ ہاضمہ کو خراب کرتی ہے، قبض پیدا کرتی ہے، بھوک کو کم کرتی ہے، قوتِ مردی کو ضائع کرتی ہے اور نفس کو بے قابو کرتی ہے اس کو بہ آسانی پٹرول کی طرح آگ لگ جاتی ہے یعنی دیا سلائی لگانے سے مشتعل ہو جاتی ہے۔ اندازہ لگا لو کہ اندرونی نازک تر حصۂ جسم پر یہ کیا اثر کرتی ہوگی۔ تازہ انڈا توڑ کر شراب میں ڈالا جائے تو سنہرا رنگ اختیار کرلے گا اور فوراً ہی ابلے انڈے کی طرح سخت ہو جائے گا جس سے اس کی خشکی اور گرمی ظاہر ہے۔ جسم بھی تقریباً انہی اجزاء کی ساخت ہے جو انڈے میں ہوتے ہیں۔ دردِ سر اور کثرتِ تشنگی اس کی ناقابلِ بیان ہے، اس کا اثر چابک کی طرح ہے جو تھکے ہوئے گھوڑے پر پڑے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ یہ طاقت پیدا کرتی ہے مگر سراسر غلط خیال ہے، چابک تھکے ہوئے گھوڑے میں طاقت پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کو تیز چلاتا ہے لیکن یہ اثر عارضی ہوتا ہے اور نتیجہ تھکاوٹ کی زیادتی ہے اور جلد ہی گھوڑا تھک کر چور ہو جاتا ہے۔

ایک مشہور ڈاکٹر کا قول ہے کہ اگر شراب نہ ہوتی تو دنیا کے نصف گناہ لوگ بیماریاں ہمیں معلوم تک نہ ہوتیں۔

سکندرِ اعظم جیسا فاتحِ عالم کثرتِ شراب خوری کے نتیجے میں صرف پینتیس سال کی عمر میں موت کے ہاتھوں مفتوح ہو گیا تا بہ دیگراں چہ رسد

تاریخ شاہد ہے کہ جہانگیر کے دو حقیقی بھائی شہزادہ دانیال و شہزادہ مراد بھی کثرتِ شراب نوشی کی بدولت ایامِ جوانی ہی میں فوت ہو گئے۔ اکبر کو جب ان دونوں شہزادوں کے دائم الخمر رہنے کی خبر ہوئی تو اس نے عادتِ بد روکنے کیلئے

ان دونوں پر سخت پہرہ لگا دیا تھا کہ کسی طرح شراب ان کے پاس پہنچنے نہ پائے
ایک نادان خیر خواہ بندوق کی نالی میں شراب بھر کر شہزادہ دانیال کو مہیا کرتا تھا
بندوق کے بارود کے دھوئیں والا زنگ تیزابی تاثیر سے شراب میں شامل ہو کر
زہر ہلاہل کی خاصیت اختیار کر گیا جس کے پینے سے شہزادہ دانیال کی فوری موت
واقع ہو گئی۔ جب بادشاہوں کا یہ انجام ہو۔ تا بہ عوام چہ رسد۔

تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھو ہر سلطنت کا تاج و تخت شراب کے پیالے
میں غرق دکھائی دیتا ہے۔

شہنشاہ بابر کی کثرتِ شراب نوشی اس کی خود نوشت سوانح عمری "تزکِ
بابری" سے ظاہر ہے۔ چنانچہ اس کا یہ شعر مشہور عوام ہے۔ اور بوقتِ مے نوشی
بعض لوگ اس کو تبرکاً پڑھتے ہیں ؎

نوروز و نوبہار مے و دلبرِ خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

فتحِ ہند کے سلسلے میں ایک مرتبہ دورانِ جنگ جبکہ دشمن کی فوج کا پلّہ
بھاری تھا اور لازمی شکست کے آثار ظاہر ہوئے اس نے دعا مانگی کہ اے
خداوند کریم اگر اس جنگ میں تو مجھے فتحیاب کر دے تو آئندہ شراب ہرگز نہ پیوں گا
چنانچہ مجیب الدعوات نے اس کی توبہ قبول کر کے اس جنگ میں اسے معجزہ کے
طور پر فتح مبین عطا فرمائی جس سے سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد ہند میں صدیوں
تک کے لئے مستحکم ہو گئی جس کو محض توبہ شراب کی برکت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے

بابر کے بیٹے ہمایوں کو شیر شاہ سوری سے جو شکست ملی اور عرصۂ دراز تک
مبتلائے مصائب گوناگوں رہا تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سب کچھ اس کی
کثرتِ افیون خوری کے نتائج تھے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ عالمِ غنودگی میں رہتا اور

انتظامِ سلطنت نہ کر سکا۔

محمد شاہ رنگیلے کو نادر شاہ کے ہاتھوں جو شکست، تباہی و بربادی حاصل ہوئی اور قتل و غارت کے علاوہ ہند کی تمام دولت اور تخت طاؤس اور کوہ نور ہیرا وغیرہ نادر شاہ کے ہاتھ لگے وہ سب کچھ محمد شاہ کی شراب نوشی کا نتیجہ تھا۔

واضح رہے کہ اگر پودے کو ایک ہزار بوند پانی میں ایک بوند شراب ملا کر اسی نسبت سے روز پانی میں ڈالا جائے تو پودا عنقریب سڑ جائے گا اور مُرجھا کر پتے زرد پڑ جائیں گے۔ جب نباتات پر اس قدر کم مقدار میں اس کا ایسا بُرا اثر ہے تو انسانی جسم کا اندازہ کر لو ؎

شر چند بشر نیز ہے شامل شراب کے
دو شرتین پھر ہے شر بھی پردے میں آپ کے

سمندر میں اس قدر آدمی غرق نہیں ہوتے جس قدر ایک جامِ مے میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ کوئی آدمی ایسا بیوقوف نہیں جو روپیہ خرچ کر کے رسوائی و ندامت حاصل کرے اور صحت برباد کرے سوائے شراب کے۔ ؎

جو عقل کھری تھی کی کھوٹی اس نے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اس نے
مستوں پہ شراب خانہ مستی لائی
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

شراب خانہ وہ جگہ ہے جہاں دیوانگی اور بربادی بوتلوں میں فروخت کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ شراب روپے کی بربادی سے شروع ہوتی ہے اور عزت و عقل اور جان کی بربادی پر اس کا خاتمہ ہے ؎

پاکیزگیٔ نفس کی دشمن مے ہے
انسان کو خراب کرنے والی شے ہے
شیطان کی ہے یہ معتمدِ خاص
مسلم اور اس کو منہ لگائے ہے ہے

عقل کی دشمن | شراب صرف دین ایمان ، مال اور صحت ہی کی دشمن نہیں بلکہ عقل کی بھی دشمن ہے۔ اور تعجب ہے کہ اس دشمنِ عقل کو انسان اپنی گرہ سے پیسے دے کر خریدتا ہے۔ شرابی پر ایسی مستی سوار ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہفت اقلیم کا بادشاہ تصور کرنے لگتا ہے۔

نواب آصف الدولہ ایک مرتبہ ہاتھی پر سوار گزر رہے تھے راستے میں ایک سیاہ مست بلانوش شرابی لوٹ رہا تھا تو عالم کیف میں اسے ہاتھی کا سودا کرنے کی سوجھی اور چلا کر کہا ابے او دولے یہ کٹیا (پاڑھا) کتنے کو فروخت کروگے؟ اس کو گرفتار کر کے حسب الحکم دوسرے روز نواب کے پیش کیا گیا۔ نیک دل نواب نے نرمی سے پوچھا "کیا آج وہ کٹیا خریدوگے؟" شرابی نے کہا حضور وہ خریدار تو کل ہی چلے گئے تھے نواب اس برجستہ و برمحل جواب باصواب سے بہت خوش ہوئے اور اپنی مشہور زمانہ سخاوت سے اس کو معقول انعام دے کر یہ تاکید کردی کہ آئندہ شراب ہرگز نہ پینا۔ دیکھ لیجئے اس کی کیفیت میں نواب آصف الدولہ "دولا" اور ہاتھی "کٹیا" بن جاتا ہے اور پھر ایسے سودے بھی ہوجاتے ہیں کہ جس میں سر کٹنے کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ کوئی اور بادشاہ ہوتا تو فوراً گردن کٹوا دیتا

قوم سے مے کی خباثت کیا کہوں | نیک کو شیطان کر دیتی ہے یہ
ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید | خودکشی آسان کر دیتی ہے یہ

حتی کہ چوہا بھی بلی کو مقابلے کا چیلنج دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کوئی چوہا شراب کے خم میں جاگرا اور نکلتے ہی دُم کے بل کھڑا ہو کر للکارا لاؤ تو تمام بلیوں کو آج ہی سب کا صفایا کردوں۔ گویا اپنی موت کی مطلقاً پرواہ نہیں۔ چنانچہ اس عارضی بہادری کے نتیجے میں دنگا فساد، مار پیٹ اور واقعاتِ قتل، عام طور پر دنیا

میں ترقی پذیر ہیں شراب خور تمام عیوب کا مرتکب ہو جاتا ہے، شراب پیتا ہے تو نشہ کی ترنگ میں بکثرت گوشت کھاتا ہے، گوشت سے طاقت بڑھا کر مغلوبِ شہوت ہو جاتا ہے پھر بازارِ حسن میں جا کر حرام کاری کا مرتکب ہوتا ہے جب یہ جسم فروش طبقہ دولت اُڑا لے جاتا ہے تو بھوکا ہو کر چوری کرتا ہے ڈاکے ڈالتا ہے، ظلم و ستم اور ہر قسم کے مکر و فریب پر آمادہ ہو جاتا ہے یہ تمام عیوب باہم دگر وابستہ ہیں جو کہ محض شراب خوری کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ؎

ہر بدی کہ ہست از شراب می خیزد
کدام دیو کہ در شیشۂ صہبا نیست

دیگر منشیات گرامی قدر حاضرین! میں نے پچھلی نشستوں میں اب تک صرف شراب کی حرمت اور اس کے دینی اور دنیاوی نقصانات بیان کئے ہیں اور اس کی وعیدوں اور سزاؤں پر گفتگو کی ہے لیکن آج میں شراب کے علاوہ دیگر منشیات کے بارے میں گفت گو کرنا چاہتا ہوں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو آپ یہ پیش نظر رکھیں کہ اسلام میں ہر قسم کا نشہ حرام ہے، شراب بھی نشہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے اس لیے میں اسے منشیات کے موضوع میں زیر بحث لے آیا ہوں۔ میں یہ وضاحت اسلئے کر رہا ہوں کہ عام طور پر جب منشیات کا لفظ بولا جاتا ہے تو لوگ اس سے ہیروئن وغیرہ تو مراد لیتے ہیں لیکن شراب کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا۔ حالانکہ شراب تو منشیات میں سرِ فہرست ہے۔ بہر کیف عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام میں ہر قسم کا نشہ حرام ہے خواہ وہ شراب کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کوئی نشہ آور چیز نہ پیو کیونکہ میں نے ہر نشہ آور چیز کو تمہارے لیے حرام کر دیا ہے[1]

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جس نے کسی نشہ آور چیز کو حرمت کا حکم آجانے کے بعد حلال سمجھتے ہوئے پیا پھر نہ توبہ کی نہ اس سے باز آیا تو قیامت کے دن اس کا میرے ساتھ اور میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا[2]

آپؐ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ نشہ آور چیز نہ تو پیو اور نہ ہی اپنے مسلمان بھائی کو پلاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو شخص نشہ کی لذت حاصل کرنے کے لئے اسے پیئے گا وہ قیامت کے دن شراب سے محروم رہے گا[3]

اس مضمون کی متعدد احادیث آپؐ سے منقول ہیں جن میں آپؐ نے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا ہے۔

نقصانات اگر نقصانات کے اعتبار سے دیکھیں تو ہمارے ہاں جن منشیات کا استعمال عام ہوگیا ہے وہ شراب سے کہیں زیادہ خطرناک اور بدترین ہیں۔

اس کے مسلسل استعمال سے انسان کا مدافعتی نظام ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ جاتا ہے اور بہت جلد موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔

ان منشیات نے صرف افراد ہی کو تباہ نہیں کیا بلکہ گھرانوں اور خاندانوں کو تباہی سے دوچار کر دیا ہے، منشیات کا عادی انسان بوڑھے والدین

---

[1] کنز العمال ص ۳۴۳ ج ۵ — [2] کنز العمال ص ۳۵۸ ج ۵

[3] کنز العمال ص ۳۷۰ ج ۵

اور بیوی بچوں تک کو چھوڑ جاتا ہے۔ وہ والدین جنہوں نے بڑی آرزوؤں سے اسے پالا تھا اور اس کی جوانی کے ساتھ ان کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں، آج وہ نوجوان ہیروئن پی کر سرِ راہ پڑا رہتا ہے اور اس کے بوڑھے والدین دو وقت کی روٹی کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

ہم اخبارات میں ایسے ایسے واقعات بھی پڑھتے ہیں کہ کسی ہیروئنچی نے اپنے نشہ کی خاطر والدین کے کپڑے، کسی نے گھر کے برتن، کسی نے اپنی بیوی کی عزت و ناموس اور کسی نے اپنے بچے تک بیچ ڈالے۔

آپ کبھی ہسپتالوں کے آس پاس چکر لگائیں آپ دیکھیں گے کہ یہ اپنا خون بیچنے کے لئے منڈلاتے رہتے ہیں۔ مجھے باوثوق احباب نے بتایا کہ جب کبھی اخبار میں ضرورتِ گردہ وغیرہ کا اشتہار شائع ہوتا ہے تو سب سے پہلے ہیروئنچی اپنا گردہ بیچنے کے لئے پہنچتے ہیں۔ نشے کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہیں کہ اپنا ہر عضو اور ہر قیمتی چیز بیچنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بیوی بچوں سے زیادہ قیمتی چیز کہاں ہوگی لیکن یہ بدمست اور پتھر دل حیوان انہیں بھی بیچنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

قابلِ رحم زندگی خدارا! آپ ان کو کبھی فٹ پاتھوں، گلی کوچوں اور گندے نالوں کے کنارے کیڑے مکوڑوں اور حیوانوں کی طرح پڑے ہوئے دیکھیں یقیناً آپ کو ان کی قابلِ رحم زندگی پر ترس آئے گا۔ یہ مہینوں غسل نہیں کرتے، میل کچیل کی وجہ سے ان کے سر کے بال چپک جاتے ہیں، ان کے کپڑوں سے تعفن اٹھتا ہے، ان کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ ان سے بات کرنا محال ہو جاتا ہے، بسا اوقات آپ انہیں گندگی اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے قوت لایموت تلاش کرتے ہوئے پائیں گے، وہ

ہوٹلوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور کھانا کھانے والوں کے نوالے گنتے رہتے ہیں اور ان کے منہ کو تکتے رہتے ہیں۔ وہ ہر شخص سے روٹی کا سوال کرتے ہیں۔ اب تو ان کی اتنی افراط ہوگئی ہے کہ بعض علاقوں کی دکانوں سے خریداری محال ہوگئی ہے اُدھر آپ نے کسی چیز کے خریدنے کا ارادہ کیا ادھر یہ آٹپکے اور شرمناک لجاجت سے بھیک مانگنی شروع کردی، آپ کس کس سے جان چھڑائیں گے آپ کو تو بھکاریوں کی فوجِ ظفر موج کا سامنا کرنا پڑے گا حالانکہ ہم اُس دین کے ماننے والے ہیں جس نے بھیک مانگنے کو حرام قرار دیا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: جس نے بھیک کا دروازہ کھولا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے"

مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے: "جو شخص اپنی ثروت میں اضافہ کرنے ہی کے لئے مانگتا ہے وہ انگارے مانگتا ہے پھر چاہے کم طلب کرے یا زیادہ"

یہ بھی سید الصادقین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان ہے: "آدمی بھیک مانگتا رہے گا حتی کہ قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوگا"

یہ سخت ترین وعیدیں ہیں مگر ہیروئنچی اور نشہ باز انسان انہیں کہاں پیشِ نظر رکھتا ہے وہ تو سوچنے اور سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہتا اس کے قوائے فکریہ معطل اور بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں اسے نہ تو اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے نہ دینی ذمہ داریوں کا، اسے تو بس نشہ چاہئے خواہ وہ کسی صورت میں ملے کسی طریقے سے بھی ملے خواہ بھیک مانگ کر، خواہ بدن کے کپڑے بیچ کر خواہ چوری کر کے، خواہ بچوں کا سودا کر کے، خواہ بیوی

کی عزت وناموس کا نیلام کر کے، خواہ اپنا خون اور گُردے بیچ کر۔ کوئی صورت بھی ہو اسے نشہ ملنا چاہیئے۔

میرے بزرگو اور دوستو! ان لوگوں کی زندگی انتہائی قابلِ رحم ہے اور ہمیں غور و فکر اور منشیات کے پورے کاروبار کے خلاف جہاد کی دعوت دیتی ہے۔ ان میں سے کئی اچھے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں مگر نشے کی لعنت میں گرفتار ہو گئے ہیں بحیثیت مسلمان ہمیں ان کی اس قابلِ رحم زندگی کا درد اپنے دل میں محسوس کرنا چاہیئے اور ان کی اصلاح اور منشیات کے سدباب کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

بڑی مچھلیاں ایک لائقِ غور بات یہ ہے کہ آخر ان کو ہیروئن کہاں سے ملتی ہے یہ خود تو ہیروئن پیدا نہیں کرتے نہ ہی یہ بنا سکتے ہیں، اگر انہیں ہیروئن سپلائی کرنے والے پکڑے جائیں اور انہیں عبرتناک سزائیں دی جائیں تو یہ سلسلہ کسی قدر کنٹرول میں آسکتا ہے لیکن ہمارے ہاں جب بھی جرائم کے خلاف کوئی مہم شروع ہوتی ہے تو چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پکڑلی جاتی ہیں مگر بڑی بڑی مچھلیوں بلکہ مگرمچھوں پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی جرأت نہیں کرتا۔

ہمارے لیئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ہم دولت کی ہوس اور مال کی محبت میں اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ پوری دنیا میں منشیات فروشی میں ہم بدنام ہیں، دنیا کے ہر ایئرپورٹ پر ہمیں شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور یہ شک بلا وجہ نہیں ہے بلکہ ہم خود جانتے ہیں کہ ہمارے اونچی سوسائٹی کے معزز تاجر اونچے عہدوں پر فائز افسرانِ بالا بلکہ قوم کی نمائندگی کرنے والے وزراء تک اس کارِ بد میں ملوث رہے ہیں اور بارہا ان کے اسکینڈل اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں لیکن قوم کا خون پی پی کر پلنے والے ان اژدھوں کو گرفتار نہیں کیا جاتا حالانکہ

لاکھوں انسانوں کی بربادی کے یہ مجرم ہیں، بے شمار جوانیوں کی تباہی کے یہ مجرم ہیں، باپ کے زندہ ہوتے ہوئے یتیم ہو جانے والے بچوں کی بے کسی کے یہ مجرم ہیں، شوہر کی موجودگی میں بیواؤں سے بدتر زندگی بسر کرنے والی سہاگنوں کے یہ مجرم ہیں۔

والدین سے ان کے بڑھاپے کے سہارے چھیننے کے یہ مجرم ہیں۔

پاکستان کو انٹرنیشنل اسٹیج پر بدنام کرنے کے یہ مجرم ہیں۔ ان کی سفاکی کی انتہا یہ ہے کہ معصوم بچوں کو اغواء کرنے کے بعد ان کا پیٹ چیر کر اس میں ہیروئن بھر کر برآمد کرتے ہیں۔ زندہ انسانوں کو لالچ دے کر ان کے جسم میں ہیروئن بھر کر باہر بھیجتے ہیں۔ کلامِ مقدس کو اندر سے کھوکھلا کر کے منشیات سپلائی کرتے ہیں۔

اے کاش! میرے نبی کا سپاہی عمر فاروق ہوتا تو ان سفاک درندوں کی لاشیں پاکستان کے ہر چوراہے پر لٹکتی دکھائی دیتیں، چھوٹے بڑے کے امتیاز کے بغیر میزانِ عدل قائم ہوتی تو چمچاتی کاروں میں پھرنے والے عدالت کے کٹہرے میں دکھائی دیتے

مسلمانو! اسلام کے نظامِ عدل کے قیام کی کوشش کرو اس کے بغیر مجرموں کی سرکوبی نہیں ہو سکتی، صرف چہروں کے بدلنے سے کچھ نہیں ہوگا نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

نسوار، سگریٹ، حُقّہ، پان میرے محترم بزرگو! جب ہم منشیات کی بات کرتے ہیں تو ہمیں نسوار، سگریٹ، حُقّہ اور پان کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے اس لیئے کہ اس میں بھی ایک قسم کا نشہ ہے اور نشہ کسی بھی قسم کا ہو اچھا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں کسی کو جوانی کا نشہ ہوتا ہے، کسی کو اقتدار کا نشہ

ہوتا ہے کسی کو عہدہ و منصب کا نشہ ہوتا ہے، ان میں سے کسی بھی وجہ سے انسان پر نشہ طاری ہو جائے وہ اسے تباہی تک پہنچا دیتا ہے۔ اور نسوار سگریٹ، حقہ اور پان میں اگرچہ ہیروئن وغیرہ جیسا نشہ تو نہیں ہے لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ نشہ ضرور ہے اور نشہ کے ساتھ ساتھ ان میں کئی دوسری خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں

ایک خرابی جو ان سب میں مشترکہ طور پہ پائی جاتی ہے وہ اسراف اور فضول خرچی ہے۔ شاید آپ کا خیال یہ ہو کہ روزانہ چار چھ روپے خرچ کرنے میں کونسی فضول خرچی ہے تو یہ بات سمجھ لیں کہ نیکی کے کام میں جتنا بھی خرچ کیا جائے وہ فضول خرچی کے زمرہ میں نہیں آتا لیکن اگر ناجائز طریقے سے ایک پائی بھی خرچ کی جائے تو وہ فضول خرچی ہوگی۔ حضرت علیؓ کی بے پناہ سخاوت اور دریا دلی کو دیکھ کر کسی نے عرض کیا لاخیر فی الاسراف "اسراف میں کوئی بھلائی نہیں ہے" تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا تھا: لااسراف فی الخیر۔ بھلائی (کے کاموں میں خرچ کرنے) میں کوئی اسراف نہیں"۔

مقصد یہ کہ نیکی اور بھلائی اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے جتنا بھی خرچ کیا جائے یہ اسراف نہیں ہوگا لیکن غلط محل پر ایک روپیہ بھی خرچ کیا جائے تو یہ اسراف شمار ہوگا۔

اتنا اسراف؟ ویسے آپ یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ ہر کوئی چار چھ روپے خرچ کرنے والا نہیں ہے۔ ہم نے ایسے بلانوش اور پان خور بھی دیکھے ہیں جن کا منہ کبھی سگریٹ پان سے خالی ہوتا ہی نہیں ہے اور ان میں سے بعض سگریٹ بھی انتہائی قیمتی اور غیر ملکی پیتے ہیں اور بڑے فخر سے بتاتے

ہیں کہ ہمارا سگریٹ کا روزانہ کا خرچ پچاس سے کم نہیں ہے اور جو بظاہر غریب ہیں اور ان کا پان یا سگریٹ کا روزانہ کا خرچ چھ روپے ہے وہ ہر ماہ ایک سو اسی روپے اور ایک سال میں بائیس سو روپے اور اپنی چالیس سال کی زندگی میں چھیانوے ہزار روپے اس شوقِ فضول کی نذر کر دیتے ہیں یہ ان کا حال ہے جو صرف چھ روپے روزانہ خرچ کرتے ہیں اور جو پندرہ بیس روپے روزانہ اڑاتے ہیں ان کا حساب تو لاکھوں میں جائے گا۔

اگر اللہ کے یہ بندے اس پیسے سے خود حج کر لیتے یا اپنے والدین کو حج کروا دیتے یا اس سے کوئی صدقہ جاریہ کا کام کر جاتے تو ان کی خون پسینے کی کمائی ٹھکانے لگ جاتی مگر اس سے انہیں کیا فائدہ حاصل ہوا۔ یہ تو ہم انفرادی نقصان کی بات کر رہے ہیں۔ اگر ہم اجتماعی سطح پر سوچیں تو اعداد و شمار ہمارے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں کہ ہم کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

بہت پہلے یعنی ۱۹۶۵ء تک باوثوق ماہرین کا خیال تھا کہ پاکستان میں روزانہ ۳۰ لاکھ ۱۲ ہزار روپے اور ہر گھنٹے میں ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے کے سگریٹ استعمال ہوتے رہے جبکہ اسی رقم میں ۱۷ لڑاکا سپرسانک جیٹ طیارے یا ۵۰۰ ٹینک یا دس بحری جہاز خریدے جا سکتے تھے۔ یہ تو ۱۹۶۵ء تک کی صورتحال تھی اب تو صورتحال مزید خراب ہو چکی ہے اور مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین میں بھی یہ مرض سرایت کر گیا ہے ایک سال میں دنیا میں جس قدر سگریٹ تیار ہوتے ہیں ان سے زمین سے لیکر چاند تک سات فٹ چوڑا اور ایک سگریٹ کے برابر موٹا فرش بچھایا جا سکتا ہے جبکہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

اسی سے آپ اندازہ لگائیے کہ دنیا میں سگریٹ نوشی کی وبا کس قدر عام

ہوگئی ہے۔ انسان گویا اپنے ملک کی کرنسی منہ میں دبا کر بڑے شوق سے اس کا دھواں اڑاتا ہے۔ یہی حال ہمارے پان خور بھائیوں کا بھی ہے اور وہ اسراف کے ساتھ ساتھ گندگی بھی پھیلاتے ہیں، جہاں دل چاہتا ہے پان کی پیک پھینک دیتے ہیں۔ چنانچہ کوئی اسٹیشن، کوئی بس اسٹاپ، کوئی اہم عمارت، یہاں تک کہ مسجد تک ان کی پچکاریوں سے محفوظ نہیں رہتی۔

طبی نقصانات پھر یہ بھی سوچئے کہ ان چیزوں میں صرف اسراف اور تبذیر ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بے شمار طبی نقصانات بھی ہیں اکثر پان خور حضرات تمباکو والا پان استعمال کرتے ہیں لہذا وہ تمباکو کے مضر اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ سگریٹ بھی تمباکو ہی سے بنتا ہے جبکہ جدید تحقیقات نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ تمباکو میں پایا جانے والا زہر جسے نکوٹین کہتے ہیں اگر اس زہر کے بیس قطرے سانپ جیسے زہریلے جانور کو کھلا دیئے جائیں تو وہ ہلاک ہوجاتا ہے مگر انسان بڑا سخت جان (ڈھیٹ) ہے کہ زہر پیتا ہے مگر زندہ رہتا ہے۔ مگر ایسی بھی کیا زندگی کہ انسان بیماریوں کی پوٹ بن کر رہ جائے۔

اللہ کے بندو! جس امریکہ کی نقالی کو تم اپنے لئے فخر سمجھتے ہو اور جہاں سے درآمد کی جانے والی ہر چیز کو آسمانی تحفہ سمجھ کر سینے سے لگاتے ہو اسی امریکہ کی امریکن کینسر سوسائٹی، امریکن ہیلتھ سروس، امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن اور برٹش میڈیکل ریسرچ کونسل نے طویل تحقیق کے بعد اعتراف کیا ہے کہ دل اور پھیپھڑے کے سرطان کا سب سے بڑا سبب تمباکو اور سگریٹ نوشی ہے اور انہوں نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ اگر سرطان موجودہ شرح کے مطابق پھیلتا رہا تو ہر دو منٹ کے بعد ایک امریکی سرطان کی بیماری سے مرجائیگا

اب بھی ہر سال دنیا میں دس لاکھ انسان تمباکو نوشی کی وجہ سے مرجاتے ہیں۔ فیلسوفِ اسلام امام غزالی نے بہت پہلے لکھا تھا کہ حشیش اور تمباکو سے ستر مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج کی جدید طبّی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ واقعی تمباکو نوشی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی تعداد ان امراض سے کم نہیں جو امام غزالیؒ نے ذکر کئے ہیں۔

دنیا بھر کے ڈاکٹر تسلیم کرتے ہیں کہ سگریٹ کے زہریلے جزو ٹار اور نکوٹین سے خون کی رگیں سکڑ جاتی ہیں، دل کی رگیں تنگ ہو جاتی ہیں، دماغ کی کارکردگی کم ہو جاتی ہے، دائمی کھانسی ہو جاتی ہے، نزلہ زیادہ رہتا ہے بینائی کم ہو جاتی ہے، مزاج میں ضد، خوف، بدمزاجی اور چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے، معدہ صحیح کام نہیں کرتا، بھوک اڑ جاتی ہے۔ یہ سارے امراض تمباکو نوشی سے پیدا ہوتے ہیں۔

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ لوگ اپنا پیسہ خرچ کر کے یہ بیماریاں خریدتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگ تو محض فیشن کے طور پر سگریٹ پیتے ہیں وہ بیوقوف سمجھتے ہیں کہ ہم سگریٹ پیتے ہوئے بڑے اچھے لگتے ہیں، اور سوسائٹی ہمیں بڑی عزت اور بڑائی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور بعض شعراء اور تخلیق کاروں کا خیال یہ ہے کہ سگریٹ نوشی سے تخیل پرواز کرتا ہے اور عجیب عجیب ترکیبیں اور مضامین ذہن میں آتے ہیں لیکن یہ تو ایسے ہی ہے جیسے بعض لوگ جب لیٹرین اور گندگی میں بیٹھتے ہیں تو ان کا تخیّل خوب پرواز کرتا ہے بلکہ ان کا خیال تو یہ بھی ہے کہ جب تک ہم کش نہ لگائیں ہمیں اجابت ہی نہیں ہوتی۔ عجیب عجیب بہانے لوگوں نے سگریٹ نوشی کے لئے تراش رکھے ہیں لیکن یہ بہانے تو اسے کام دے سکتے ہیں جو اپنے نفس کی پرستش

کرنے والا ہے مگر جو اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کو مانتا ہے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کی نظر میں تمباکو خبیث چیز ہے اور ہر خبیث چیز حرام ہے اور ہر پاک چیز حلال ہے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے :

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ	وہ (اللہ کا نبی) حلال کرتا ہے ان کے لئے طیبات کو اور حرام کرتا ہے ان پر خبیث چیزوں کو

اسلام کی صداقت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ دنیا تمام تر تحقیقات کے بعد آج جن چیزوں کے نقصانات کو تسلیم کر رہی ہے اسلام نے اول روز ہی سے اپنے ماننے والوں پر انہیں حرام کر دیا تھا اور ہر نشہ آور چیز کے استعمال سے منع کر دیا تھا خواہ وہ شراب ہو یا بھنگ ہو یا افیون ہو یا کوکین ہو یا ہیروئن ہو یا سگریٹ ہو۔ تمباکو کے حروف سے کسی نے کیا اچھا فقرہ اخذ کیا ہے : ت م ب ا ک و

تم مت بنو استعمال کرنے والے

بدبو تمباکو اور نسوار میں ایک بڑی خرابی اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بھی ہے کہ ان کی وجہ سے منہ میں سخت قسم کی بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور ہمیں حکم یہ ہے کہ بدبو دار چیز کھا کر مسجد میں نہ جائیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "لہسن یا پیاز استعمال کرنے والے کو چاہئے کہ مسجد میں نہ آئے (یعنی نماز باجماعت میں شامل نہ ہو) بلکہ اپنے گھر پر ہی نماز ادا کر لے "

یہ ممانعت اس لئے ہے تاکہ اس کی بدبو سے دوسرے لوگ پریشان نہ ہوں حالانکہ اگر کوئی شخص لہسن یا پیاز کھانے کے بعد سنگترہ یا کھیرا استعمال کرے تو بدبو ختم ہو سکتی ہے جب کہ تمباکو اور نسوار کی بدبو ختم نہیں ہوتی ۔ بعض

لوگ کُلّی کرنے کے بعد سمجھتے ہیں کہ بدبو ختم ہوگئی ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ اور ایک حساس شخص کو ان کے ساتھ بات کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔
یوں بھی شاعر کا کہنا تو یہ ہے کہ

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی ست

اگر ہزار بار بھی ہم اپنے منہ کو عطر اور گلاب کے ساتھ دھولیں تو بھی ہمارا منہ اس قابل نہیں کہ ہم اس منہ سے تیرا نام لے سکیں پھر کس قدر بے ادب ہے وہ شخص جس کے منہ سے بدبو کے بھبکے اُٹھتے ہوں اور وہ نماز بھی پڑھے، قرآن کی تلاوت بھی کرے، درود شریف کا ورد بھی کرتا ہے حالانکہ بدبو کی وجہ سے فرشتے بھی بھاگ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا منہ ہی بدبودار نہیں ہوتا، سینہ بھی سیاہ ہوتا ہے۔

تمباکو نوش را سینہ سیاہ است
اگر باور نداری نے گواہ است

ایک اور خرابی ہمارے نسواری بھائیوں میں یہ ہے کہ وہ جہاں چاہتے ہیں منہ سے نسوار نکال کر پھینک دیتے ہیں جس سے عجیب سی کراہیت آتی ہے کیونکہ معاف فرمائیے گا اس کی ظاہری صورت بالکل پرندے کی بیٹ کی طرح ہوتی ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! ایک اخباری اطلاع یہ ہے کہ اس وقت ہمارے غریب اور صاحبِ ثروت نشہ باز ہر سال منشیات کی خریداری پر مجموعی طور سے سالانہ تیس ارب روپے خرچ کر رہے ہیں اور پاکستان میں نشہ بازوں کی تعداد چوبیس لاکھ ہے جس میں روز بروز اضافہ ہی ہورہا ہے۔ یہ اعداد و

شمار رو ننگے کھڑے کر دینے والے ہیں۔ پھر یہ اعداد و شمار تو صرف ہیروئن اور افیون وغیرہ استعمال کرنے والوں کے حوالے سے ہیں۔ اگر سگریٹ، حقہ، نسوار اور پان کے ذریعے تمباکو پینے اور کھانے والوں کے اعداد و شمار اکھٹے کئے جائیں تو بات کروڑوں افراد اور کھربوں روپے تک پہنچ گی۔ اندازہ لگایئے اُس ملک کے باسیوں کی فضول خرچی اور چونچلے کتنے ہیں جہاں ساڑھے پانچ کروڑ افراد کو صحت، صفائی اور پینے کے لئے صاف پانی ایسی سہولتیں میسر نہیں ہیں، دس کروڑ افراد صاف پانی کی جدید سہولت سے محروم ہیں، تین کروڑ ستر لاکھ افراد غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں، چار کروڑ چالیس لاکھ افراد ناخواندہ ہیں۔ اور اس معاشرے میں پانچ سال سے کم عمر کے ایک کروڑ بیس لاکھ بچوں کو ناکافی غذا ملتی ہے، جس کے دو کھرب، ۹۲ ارب، ۹۱ کروڑ اور ۴۶ لاکھ روپے کے تازہ ترین بجٹ میں سماجی بہبود کے شعبے کے لئے صرف تین ارب روپے مخصوص کئے گئے ہیں۔

ایک ایسے معاشرے میں کہ جہاں معاشی تفاوت اتنا بھیانک ہے کہ ایک طرف دس اور بیس ہزار کے جوتے پہنے جاتے ہیں اور دوسری طرف بے شمار لوگوں کے پیر کبھی چپل کی آسائش سے آشنا ہی نہیں ہوئے۔ جہاں چند افراد کی بیٹیوں کی شادی پر کئی لاکھ کی رقم خرچ ہوتی ہے اور ایک عام کسان یا مزدور اپنی بیٹی کی رخصتی کے وقت چند سوتی جوڑوں کے اہتمام کے لئے بھی کسی کی نظرِ کرم کا محتاج ہے۔

اس معاشرے کو کس لائن پر لگا دیا گیا ہے اور کیسی لعنتوں میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے تاکہ نوجوان نسل فکری اور عملی اعتبار سے تہی دست ہو جائے اور اس کے اندر سامراجی اور مشرک طاقتوں سے

شکر لینے کا حوصلہ باقی نہ رہے اور سرمایہ داروں کی تجوریاں بھرتی رہیں ۔

محترم حضرات ! میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق شرعی ، اخلاقی اور طبی نقطۂ نظر سے منشیات کے نقصانات اور خرابیاں بیان کردی ہیں لیکن اصل چیز عمل ہے ۔ اگر آپ قوتِ ارادی سے کام لیکر چھوڑنے کا عزم کرلیں ، سچے دل سے توبہ کریں اور اللہ تعالے سے استقامت کی دعا مانگیں تو انشاء اللہ ان کا چھوڑنا ہمارے لئے آسان فرمادیگا

هذا قولي و أقول استغفرالله لي ولكم ولسائر المسلمين فاستغفروه إنه هو الغفور الرحيم

وما علينا الا البلاغ